

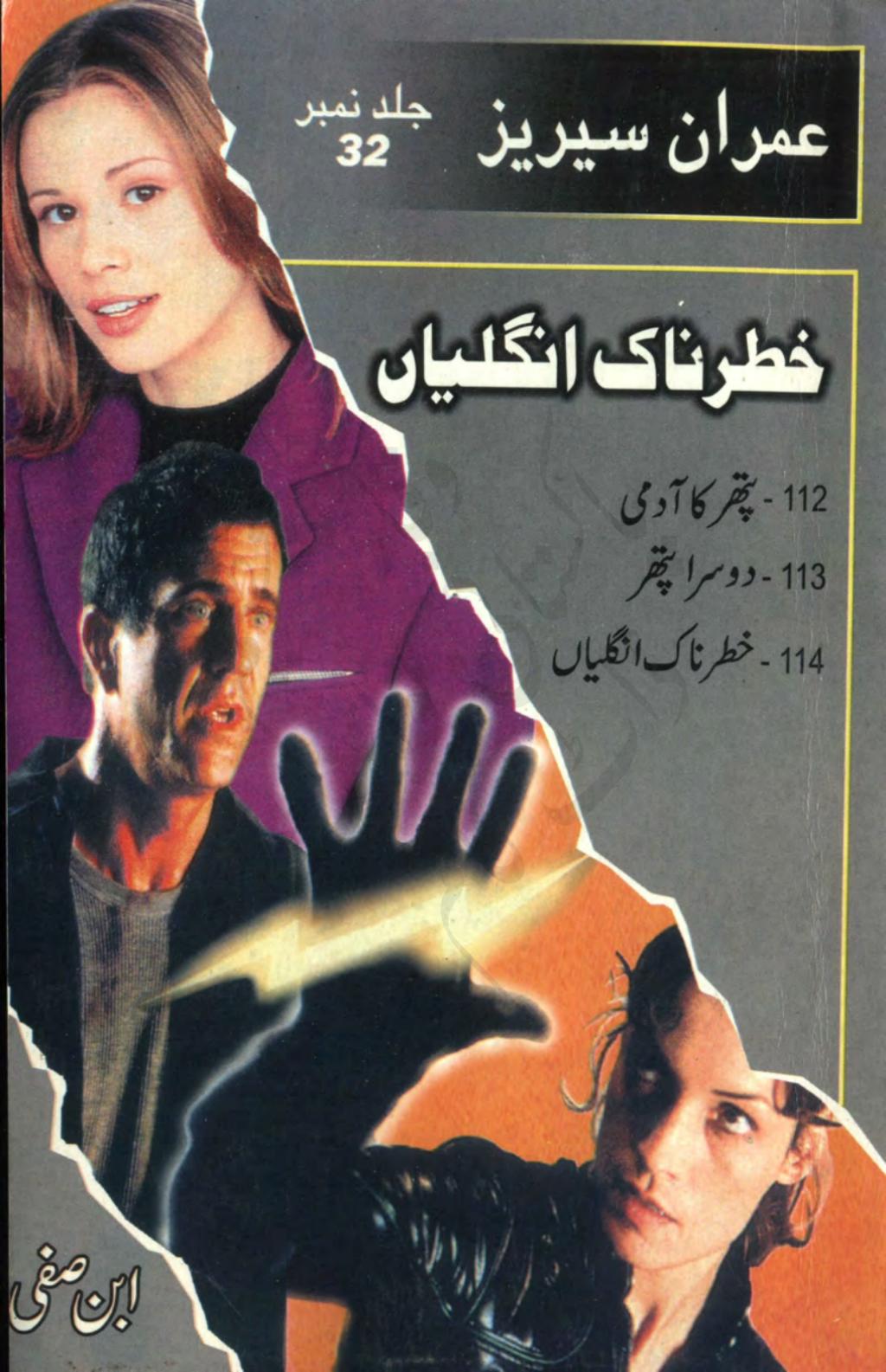
عمران سیریز جلد نمبر 32

خطرناک انگلیاں

- پھر کا آدمی 112

- دوسرا پھر 113

- خطرناک انگلیاں 114



ابن صفی

پھر کا آدمی

(پہلا حصہ)

جاسوسی دنیا کے ناول "صحراً دیوانہ" کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ...! جی ہاں، اسے بھی دو ہی حصوں میں پیش کرنا پڑا تھا اور مجبوری بھی آپ پر واضح کردی گئی تھی۔ دراصل طویل سلسلوں کے پڑھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جو کہانی ایک ہی جلد میں ختم ہو جائے، اسے پڑھ کر لوگ زیادہ خوش نہیں ہوتے۔ دراصل لوگ لذتِ انتظار سے آشنا ہو گئے ہیں۔ پسندیدہ کہانیوں کے آگے بڑھنے کا اسی طرح انتظار کرتے ہیں جیسے کسی پسندیدہ مہمان کی آمد کے منتظر ہوں۔

اسے پیش بندی نہ سمجھئے گا۔ یہ حقیقت ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ایک کہانی یاد آرہی ہے، اس وقت.... عمران ہی کا ناول "اوہ سورا آدمی" تھا۔ جس کی کہانی، ایک ہی جلد میں ختم ہو گئی تھی۔ لہذا خاصی لے دے ہوئی تھی، اور مجھے اس کہانی کو دوبارہ کھینچتا پڑا تھا اور "ایڈ لاوا" کا سلسلہ تکمیل پا گیا تھا۔ کیسا تھا وہ سلسلہ؟ کتنی بے چینی سے آپ، اس سلسلے کی کتاب کا انتظار کرتے تھے۔

سواب پھر کا آدمی ملاحظہ فرمائے۔ آپ خود ہی اندازہ لگایں گے کہ ایک سو بارہ صفحات میں یہ کہانی بھی نہیں پہنائی جاسکتی تھی۔ آپ فرمائیں گے کہ پوری لکھ لینے کے بعد چھاپتے۔ لہذا میں عرض کروں گا کہ مجھے کسی سکندرِ اعظم کی طرف سے وظیفہ تولما نہیں ہے کہ اٹمینان سے چار ماہ تک بیٹھا، ایک ہی کہانی مکمل کرتا رہوں اور پھر کئی بار گزارش کر چکا ہوں کہ میرے پڑھنے والے زیادہ تر کتاب خرید کر پڑھتے ہیں۔ لہذا چاہتے ہیں کہ وہ زیادہ قیمت کی نہ ہو۔ مکملوں میں وہ سو روپے کی کتاب بھی خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یکمشت نہیں خرید سکتے۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جو مجھے اب تک عید کارڈ بھیجے جا رہے ہیں۔ باس ہی سہی لیکن میں ان کے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ عید تو ایک دن کی ہے لیکن آپ کا خلوص، میری ہر روز کی خوشی ہے۔

ابن صفحہ

۱۹۷۹ ستمبر ۲۵

◆◆◆◆◆

اس بار، اس رور سے پھر لگھا کہ اس کی آواز دور مک سی گئی تھی اور ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ پھر انسانی جسم کی بجائے پھر ہی کی کسی شے سے نکل رہا ہو۔

آس پاس کے لوگوں نے ان بچوں کو نہ ابھا کہنا شروع کر دیا تھا جو اس پر پھراؤ کر رہے تھے۔ لیکن خود اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا، بدستور جسموتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ نہ پل بھر کے لئے رکا اور نہ مڑ کر دیکھا۔

راہ گیروں نے ان بچوں میں سے ایک آدھ کی پانی بھی کر دی تھی جو اس پر پھراؤ کر رہے تھے۔ پنج بھاگ گئے اور وہ معمول کے مطابق اپناراست طے کر تارہ۔ تن و تو ش کے اعتبار سے دیوڑا دلگتا تھا۔ بڑے بڑے لمحے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے شیوں میں بھی اس کی ذاتی وجہت کی جھلکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ بابس ڈھیلا ڈھالا اور بے ہنگ تھا۔ اس کے باوجود بھی ایسا گلتا تھا جیسے اس میں بھی کسی قسم کے سلیقے کو دھل ہو۔

پچھے دور مک وہ اسی طرح چلتا رہا پھر دوسرے علاقے کے بچوں نے اس پر خشت باری شروع کر دی اور وہ اسی اٹمینان اور بکون سے چلتا رہا۔ یہاں بھی پچھے لوگ آڑے آئے تھے اور بچوں کو بھگا دیا تھا، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک کر پوچھتا کہ وہ کون ہے اور بچوں کے ہاتھوں، اس طرح اپنی درگت کیوں بخواتر رہتا ہے؟ اگر کبھی کوئی اس ارادے سے اس کی طرف بڑھتا بھی تو نظر ملتے ہی پیچھے ہٹ جاتا! اسے ایسا حسوس ہوتا ہے اس کا پورا جسم، بر قی جھنکے سے ہل کر رہا گیا ہو۔ بڑی بڑی اور غیر معمولی طور پر چکلی آنکھیں پل بھر کے لئے بھی کسی کو اپنے سامنے نہ لکھنے دیتیں.... لیکن آخر بچے، اس پر پھراؤ کیوں کرتے تھے....؟ لوگوں کا کہنا تھا کہ کبھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی جسے دیوار گی پر محول کیا جاسکتا۔ بچے،

اجرت روزانہ ادا کر دی جاتی ہے۔ دوسرا دھوپی پچاس روپے سینکڑہ کے حساب سے دھوتے ہیں اور یہ صرف دس روپے سینکڑہ دھلائی لیتا ہے۔ کبھی کوئی... بے ایمانی نہیں کی۔ میں دن سے ہمارے پاس کام کر رہا ہے۔"

"لانڈری کا مالک کون ہے؟" شاہد نے پوچھا۔
"میں خود ہوں، جتاب!"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنے ایک ملازم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"
"یہ ملازم نہیں ہے، جتاب! روزانہ اجرت پر کام کرتا ہے اور نہیں کرتا ہے۔ کپڑے دھونے کے لئے اپنے گھر نہیں لے جاتا۔ سارے دھوپی یہاں اسی طرح کام کرتے ہیں۔ رہ گئے ملازمیں.... تو ان کا ریکارڈ ہے، میرے پاس۔"

"کس کے توسط سے یہاں آیا تھا؟"
"ایک دھوپی، اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔"
"نیواہ دھوپی، اس وقت یہاں موجود ہے؟"
"جی ہاں...."
"اُسے بلوایے۔"

"بہت بہتر۔ کہتے ہوئے اُس نے گھنٹی بھائی اور کاؤنٹر کے دائیں جانب والا دروازہ کھول کر ایک آدمی وہاں پہنچ گیا۔

"سید و کوبلاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی دائیں جانب والے دروازے سے داخل ہوا۔ صاحب کا تعلق پولیس سے ہے۔ لانڈری کے مالک نے شاہد کی طرف دیکھ کر اس سے کہا۔ "اور یہ سنگرواد کے بارے میں پوچھ چکھ کر رہے ہیں۔"

"پپ... پولیس.... لل... لیکن کیوں؟"

"تم، اسے کب سے جانتے ہو؟" شاہد نے کسی قدر سخت لمحے میں پوچھا۔
"جج... جج... بھی کوئی ایک ماہ سے۔"
"کہاں رہتا ہے؟"

اس پر پھر ادا کرتے تھے لیکن اس نے پلت کر کبھی ان پر پھر نہیں چلایا تھا، کبھی اس قسم کی کو اس بھی نہیں کی تھی کہ بنے اس کو چھیڑتے۔

پچھلے ایک ماہ سے وہ شہر میں دیکھا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہاں تھا یا کس حال میں تھا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن آج کیپن فیاض کے استثنی انسپکٹر شاہد نے تھیہ کر لیا تھا کہ وہ اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کوئی بے حد خطرناک آدمی ہے اور شاید اس طرح اپنی پلیٹی کر رہا ہے۔ مقصد خواہ کچھ بھی ہو۔

وہ اس کے پیچے پیچے چلتا رہا۔ اور کئی جگہ پر اس پھر ادا کے مناظر دیکھے لیکن نہ تو اُس نے مزکر دیکھا اور نہ اس کی رفتار ہی میں فرق آیا۔ پھر انسپکٹر شاہد کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ بھی پھر ہی کا آدمی ہو۔

چلتے چلتے وہ ایک بڑی لانڈری کے سامنے رک گیا۔ پہلے یہاں بھی موجود تھے اور ان کے ارادے بھی صاف ظاہر تھے لیکن لانڈری کے ملازمین نے انہیں بھگا دیا۔ پھر شاہد نے اُسے لانڈری میں داخل ہوتے دیکھا۔ کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس نے باہر اٹھا کر سلام کیا تھا۔ سلام کا جواب دے کر اُس نے بائیں جانب اشارہ کیا اور وہ اسی طرف بڑھتا چلا گیا اور بالآخر ایک دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اس کے بعد شاہد، لانڈری میں داخل ہوا اور کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"ہمارا دھوپی ہے، کیوں؟"

شاہد نے اپنا شاختی کارڈ، اس کے سامنے رکھ دیا، جس پر نظر پڑتے ہی وہ کر سی سے اٹھ گیا اور بوکھلا کر بولا۔ "مگر کیوں جتاب؟"

"اس کے بارے میں ہمیں معلومات درکار ہیں۔"

"بے حد شریف اور ایماندار آدمی ہے جتاب! دوسروں سے کم اجرت لیتا ہے اور بہت تمہوزے وقت میں اپنا کام نپنادتا ہے۔"

"کہاں کا باشندہ ہے؟ کہاں قیام کرتا ہے؟ کیا نام ہے؟"

"نام سنگرواد بتاتا ہے اور بس.... اس سے نیا ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے،

”میرا پڑوی ہے، جتاب!“
”تم کہاں رہتے ہو؟“
”بجرونا لے کی جھونپڑیوں میں۔“

”اور تم، اسے صرف ایک ماہ سے جانتے ہو؟“
”بھی ہاں، ایک ماہ ہوا، اس نے میرے برادر والی جھونپڑی خریدی تھی۔ بیکار تھا، میں نے اسے کام سے لگوادیا۔“
”کیا وہ پاگل ہے؟“
”بھی نہیں۔ بالکل نہیں۔“
”پھر بچے اس پر پھرا دیکیوں کرتے ہیں؟“
”بس، کیا بتاؤں جتاب؟ پتا نہیں کس حراثی کی حرکت ہے؟ میں نے تو سنا ہے، دیکھا نہیں کہ وہ کون جراحت دے تھا۔“
”کیا مطلب؟“

”کسی نے ایک دن، ایک شری ریچے سے کہا کہ اگر وہ اُسے پھر مار کر بھاگ جائے تو وہ پانچ روپے دے گا۔ پچے نے بڑا سا پتھر اٹھا کر اُس کی پیٹھ پر رسید کیا اور بھاگ گیا لیکن نہ تو اس نے بڑ کر دیکھا اور نہ کچھ کہا۔ دوسرا بچوں نے یہ واقعہ دیکھا اور پھر ان میں سے بھی کسی نے بھوک جرکت کی لیکن وہ اسی طرح چلتا رہا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بس پھر تو ایک نیا کھیل بچوں کے ہاتھ آگیا۔ یہ ہے ساری کھانا نہ دہاگل ہے اور نہ بدمعاش۔ بے حد شریف آدمی ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ آخر دہ بچوں کو اس حرکت سے روکتا کیوں نہیں؟ نہ کر بولا۔ ”جب چوتھی نہیں لگتی تو پھر کچھ کہنے سے کیا فائدہ..... کھلینے دو، بیچاروں کو۔“

”کہاں سے آیا ہے؟“
”وہ خود بھی نہیں جانتا۔“
”کیا مطلب؟“
”جب تاب عالی! وہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور اُس کا نام کیا ہے۔“
”لیکن یہ سکنگواد....!“

”اس نے خود ہی یہ نام رکھ لیا ہے۔“ لاثری کے مالک نے کہا۔ ”کہتا ہے جب مجھے پتھر سے چوتھی نہیں لگتی تو پھر مجھے کسی پتھر ہی نے جنم دیا ہوگا۔ لہذا یہ نام سکنگواد ہی مناسب رہے گا۔“

”جتاب عالی! بس کیا عرض کروں؟“ لاثری کا مالک ٹھٹھی سانس لے کر رہ گیا۔ شاہد، اُسے سوال یہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

”جی ہاں، مجھے تو وہ خاصا پڑھا لکھا لگتا ہے۔“

”اب میں، اسی سے براہ راست گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

لاثری کے مالک نے کسی قدر پچھاہٹ کے ساتھ اُسے طلب کیا اور پھر جیسے ہی شاہد کا سامنا اس سے ہوا، حلق کی خشکی حواس پر چھاگئی۔

”یہ ایک پولیس آفیسر ہیں۔“ لاثری کے مالک نے کہا۔ ”تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

عجیب سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ جو کم از کم شاہد کے نزدیک غصہ ہی دلانے والی تھی لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ویسے وہ اُس کی آنکھوں میں... براۓ راست دیکھنے کی سکت خود میں نہیں پا رہا تھا۔

آخر اُس پر اسرار اجنبی نے لاثری کے مالک سے پوچھا۔ ”کیا میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوں؟“

”میں کیا بتاؤں؟“

”میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”اور خود کو صحیح الدماغ بھی سمجھتے ہو؟“ شاہد نے تلنگی میں سوال کیا۔

”بالکل، ان سے پوچھئے... کیا یہ لوگ، مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے؟“

”بچے، تمہیں پتھر کیوں ملتے ہیں؟“

”یہ بچوں سے پوچھئے۔ میں کیا بتاؤں؟“

”تمہیں، اس پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا؟“

”کیا اعتراض نہ ہونا جرم ہے؟“

شہاب بغلیں جھائک کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”تم کہاں سے آئے ہو؟“
”جہاں سے سب آئے ہیں۔“

”اے، سید گھی طرح بات کرو۔“

”میاں نے کوئی نیز گھی بات کی ہے؟“ اجنبی نے لامڈری کے مالک سے سوال کیا اور وہ زیر لب کچھ بڑدا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”یہاں آنے سے پہلے کہاں رہتے تھے؟“ شہاب کو غصہ آگیا تھا۔

”میں عرض کرچکا ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ بس، یہاں سے میری یادداشت شروع ہوتی ہے کہ میں نے سید بھائی کے برادر والی جھونپڑی خریدی تھی۔“

”جھونپڑی خریدنے کے لئے رقم کہاں سے آئی تھی؟“

”میری جیب میں تھی۔“

”جیب میں کہاں سے آئی تھی؟“

”میں نہیں جانتا۔“

”لیکن تم سے مشتبہ افراد کا سارہ تاؤ کیا جائے؟“

”وہ کیسے ہوتا ہے؟“

”مشتبہ افراد کو ہم بند کر دیتے ہیں اور اس وقت تک نہیں چھوڑتے، جب تک ان کے بارے میں پوری طرح معلومات نہ حاصل کر لیں۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“ اس نے بے حد زم لبھ میں کہا۔ ”میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا اگر میرے بارے میں معلومات فراہم کروں۔“

شہاب بڑی دشواری سے اپنے غصے پر قابو پا کا تھا۔ سہی دل چاہ رہا تھا کہ روایور نکال کر اسے شوٹ کر دے۔ لیکن اس کی بجائے محض نوٹ بک نکالنے پر قناعت کرنا پڑا۔

”تم اپنا سمجھ پہنچتا تو۔“ اس نے سید ودھوبی سے کہا۔ اور وہ اسے اپنا پڑھتا نہ لگا۔ نوٹ بک کے صفحے پر قلم چلا رہا پھر شہاب نے سراہا کر سید ودھوبی سے کہا۔ ”اگر یہ کہیں غائب ہو گیا تو تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔“

اجنبی کے ہونٹوں پر تھیقر آمیز مکڑاہٹ نمودار ہوتی اور اس نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ

خواہ مخواہ دوسروں کو ملوث کر رہے ہیں۔ سید گھی کی بات ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔“
”فضول باتیں مت کرو۔“ شہاب پیر پیچ کر بولا۔ ”ہم تمہاری نگرانی کرائیں گے۔“

”وقت اور ارزیجی کی بربادی۔“

”زبان بند کرو۔“

”جبکی آپ کی سرضی۔“

پھر شاہید وہاں نہیں رکا تھا۔ خواہ مخواہ اُسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ اس سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا۔ بچے پھر مارتے تھے اور وہ اس کا نوش نہیں لیتا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ واقعی اپنے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو، کسی خادشے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو۔ اگر اسے مشتبہ قرار دیتا تو سوال پیدا ہوتا کہ کس سلسلے میں مشتبہ سمجھا جا رہا ہے؟

لامڈری سے نکلا ہی تھا کہ ایک اخبار کے کرام رپورٹر پر نظر پڑی، جو شاید وہاں اسی کا منتظر تھا۔ تیزی سے اس کی طرف آیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

”فرمائیے.....؟“ شہاب اس پر الٹ پڑا۔

”شاید بات نہیں بنی۔“ رپورٹر مکرا کر بولا۔ ”میں خود کئی دونوں سے بھک مار رہا ہوں۔“

”اچھا....!“ شہاب نزدی سے بولا۔ رپورٹوں اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اکثر ویژہ دونوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

”وہ ایسی باتیں کرتا ہے، جیسے یادداشت کھو بیٹھا ہو۔“ رپورٹر نے کہا۔

”لیکن بے حسی کو کس خانے میں فٹ کرو گے؟“ شہاب بولا۔

”واقعی حیرت انگیز ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر مارتے کا سلسلہ کیسے شروع ہوا ہو گا؟“

”یہاں تم مجھ سے پچھے رہ گئے ہو۔“ شہاب نظریہ انداز میں مکرا کیا۔

”میں نہیں سمجھا.....؟“ رپورٹر چلتے چلتے رک گیا۔

”میں جانتا ہوں کہ پھر مارتے کا سلسلہ کیسے شروع ہوا تھا۔“

”میری طرف سے چائے کی دعوت قبول کرو۔“ ہمگرٹی کے جھینگے تمہیں بہت پسند ہیں،

مجھے علم ہے۔“ رپورٹر مکرا کر بولا۔

”لیکن اس کے باوجود بھی میں نہیں بتاؤں گا۔“

اگر یہ معلوم ہو جائے تو میرا پھر مکمل ہو جائے گا اور کل کے شارے میں تمہاری پہنچی بھی ہو جائے گی۔ اس طرح فلیش کروں گا، تمہیں کہ تمہاری آئندہ سلیں بھی تم پر فخر کریں گی۔ اور اس کا فائدہ تمہارے محلے کو بھی پہنچ گا کہ وہ شہر میں ہونے والے سارے واقعات پر نظر رکھتا ہے۔“ شاہد نے سوچا۔ بات تو نہیں ہے۔ پھر اُسے ہمگئی کے جھیگوں کی دعوت قبول کر لینی چاہئے۔



پھر بڑی خوبصورتی سے چھالا گیا تھا۔ سگراڈ کی متعدد تصاویر تھیں۔ جن میں کہیں اس پر پھر برس رہے تھے... اور کہیں راگیر، اُسے بچوں کی یلغار سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے، ساختھی مضمون کی وجہ پر نہیں ہے اُس کی مزید قدر و قیمت بڑھادی تھی۔

اس میں انپکٹ شاہد کا مختصر ساصیدہ بھی تھا جس نے اس واقعہ کی طرف خصوصی توجہ دے کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس بے ضرر آدمی پر پھر ادا کرنے کی پہلی کس طرح ہوئی تھی اور اب وہ اُس آدمی کی ملاش میں تھا جس نے ایک بچے کو پھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔

ترغیب دینے والے نے یہ فیپر پڑھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس سے تو کہا گیا تھا کہ یہ محض ایک تفریحی سلسلہ ہے لیکن پھر پولیس کہاں سے آکو دی۔ محلہ سراغ رسانی کے کسی آفیسر کو اس سے کیا سروکار، جب کہ خود پھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

جہاں گئر بہت معمولی قسم کا فریب کار تھا کبھی سڑک پر مجھ لگا کر اوٹ پنگ قسم کی ادویات فروخت کرتا تھا اور کبھی مجمب مبن کر بھولے بھالے دیہاتیوں سے کمائی کر لیتا تھا... ان دونوں بے کار تھا کہ ایک اچھی خاصی رقم کے عوض یہ معمولی سا کام مل گیا۔ ایک بچے کو پناخ روپے دیئے اور اس نے سگراڈ کی پشت پر پھر جر دیا لیکن جہاں گئر کو یقین تھا کہ اُس وقت وہاں، اُن بچوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اور پھر وہی بچہ، اُس سے ذرا دیر کو واقف ہوا تھا جسے اُس نے پانچ روپے دیئے تھے۔

تو کیا اُس بچے ہی سے پولیس آفیسر کو اُس کے بارے میں معلوم ہوآ ہو گا؟... بہر حال اُسے ان سلسلے میں اُس آدمی سے بات کرنی چاہئے، جس نے اُسے اس کام پر مامور کیا تھا۔ وہ چائے خانے سے باہر آگیا۔ تھوڑی دور پر ایک دو فروش کی دکان تھی۔ وہاں سے وہ فون

پر اس آدمی سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔
خوش قسمتی ہے اس کی کال، اُسی آدمی نے ریسیوکی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اُسے کافی پار کو شکر فرنی پڑے گی۔

”مجھے یقین تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ گے۔“ دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔
”کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے؟“ جہاں گئر کے لباس میں حیرت تھی۔
”قطیعی نہیں.... کیا رکھا ہے ان باتوں میں..... وہ تم تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا اور اگر تمہیں خدا شہ ہے کہ اس کا سامنا ہوئی جائے گا تو میرے پاس چلے آؤ میں اُس سے پہنچ کی تدبیر بنا دوں۔“
”مکیا بھی آجائوں؟“
”ہاں، ہاں، آجائو۔“

ریسیور کریٹل پر رکھ کر اُس نے کال کے پیسے ادا کیے اور دکان سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رکشے میں بیٹھا مذل ناؤن کی طرف جا رہا تھا۔
اُسے یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ اس کی مکمل مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ ویسے اس آدمی سگراڈ کی شخصیت اُس کے لئے بھی جی ان کن تھی.... اور وہ خود بھی تو اُس کی ٹوہ میں رہنے لگا تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے اُسے بڑی مایوسی ہوئی تھی کہ وہ ایک لا غذری میں پکڑے دھوتا ہے.... پھر کیا یہ بھی عجیب بات نہیں تھی کہ اس پر پھر بر سوانے والا مذل ناؤن کی ایک عظیم الشان کوئی کامیکن ہے۔ بھلا اس دولت مند آدمی کو ایک دھوپی سے کیا سروکار۔ اگر اُسے انتقامی کارروائی سمجھا جائے تو کیا طریق کار عجیب نہیں تھا۔
رکش، اُس نے ایک کوئی کوئی کے چانک کے سامنے رکوایا اور کرایہ ادا کر کے چانک کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پھلان چوکیدار نے ذلیل کھڑکی کھول کر نکلا۔

”تم جہاں گئر ہو؟“ اُس نے پوچھا۔
”ہاں، بھائی....!“

”اندر آ جاؤ۔ صاحب ہمیں پہلے سے ہی بولا تھا۔“

وہ ذلیل کھڑکی سے کپاٹوٹ میں داخل ہوا۔ ایک بار پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔ لہذا جانتا تھا کہ اُسے عمارت کے کس حصے میں جانا ہے۔

وہ اُسے برآمدے ہی میں مل گیا۔ چھوٹے سے قد کا ایک دبلا پڑلا اور بوڑھا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے خاصا پھر تیلا معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں سے توبے پناہ تو انائی کا انتہا ہوتا تھا۔ جہاں گیر سے مصافیہ کرتے وقت ہنس پڑا۔ جہاں گیر بھی بے دلی سے ہشاتھا۔ ”آؤ، اندر آ جاؤ۔“ بوڑھا سنگ روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ یہاں اعلیٰ درجے کا فرنچیز بہت شیقے سے لگایا گیا تھا۔

”آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ایسی بھی کیا پریشانی۔“ اُس نے صوف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”صاحب! یہ پولیس کا چکر سمجھ میں نہیں آیا؟“ ”ارے، وہ... کچھ نہیں۔ اخبار والوں نے ایک خوبصورت سی کہانی بنائی ہے اور اس آفیسر کی تھوڑی سی پلٹی کر دی ہے۔“ ”لیکن صاحب، آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اتنے سے کام کے لئے آپ نے مجھے پانچ سورہ پے دیے تھے.... اور اب یہ پولیس والا....!“ ”کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟“

”جی نہیں.... ایسی صورت میں اسے جرم نہیں کہا جاسکتا۔ جب کہ پھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ ”مگذ.... خاصے سمجھدار آدمی ہو۔ اس لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور پھر مجھے یقین ہے کہ وہ تم تک پہنچیا نہ سکے گا۔“ ”ہو سکتا ہے لیکن آپ میری یا بھجن رفع کر دیں۔ وہ ایک معمولی سادھوںی ہے اور آپ اتنے بڑے آدمی۔“

”تم نہیں سمجھے۔ اچھا چلو، میں تمہیں اس کی ماں سے ملاؤ۔ وہ پھر وہ سر مجرماتی ہے۔ پھر چور چور ہو جاتے ہیں لیکن اس کے سر پر معمولی خراش بھی نہیں آتی۔“ ”کمال ہے۔“ ”چلو، اٹھو.... تمہیں سگزواد کی کہانی بھی دیتی سنائے گی۔“

”کہاں چلتا ہو گا؟“ ”بندر گاہ تک۔ وہاں میری ایک کشتی بھی ہے۔ جس کے عملے کے لئے وہ کھانا پکاتی ہے۔“

میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اُسی کے لئے کر رہا ہوں۔“ ”میں ضرور چلوں گا، جناب!“ جہاں گیر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اور پھر تمہارا دل چاہے تو تم بھی فی الحال اُسی کشٹی پر رک جانا۔ جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو واپس آ جانا۔ کشتی کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔ ساری آسائشیں اس پر مہیا ہیں۔ بس ایک تیرتا ہوا مکان سمجھ لو، اُسے۔“

”بہت بہتر جناب! میں وہیں رک جاؤں گا۔“ تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی کارڈ کو تھی کے کپاٹن سے نکلی جسے بوڑھا خود ہی ڈرائیور کر رہا تھا اور جہاں گیر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ”میں بڑے آدمیوں کی تفریق کی کشتیوں کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ آج دیکھ بھی لوں گا۔“ جہاں گیر نے پر سرست بجھ میں کہا۔ ”بلکہ اس پر کچھ دن قیام بھی کرو گے۔“ ”خوش قسمتی میری۔“

ساحل پر پہنچ کر گاڑی پار گلگ لاث میں کھڑی کر دی گئی اور وہ ڈاک کی طرف بڑھے۔ لیکن جہاں گیر کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی، جب اُس نے بوڑھے کو ایک چھوٹی سی موڑ بوٹ پر چڑھتے دیکھا۔ یہ اتنی چھوٹی تھی کہ اس پر بمشکل پانچ یا چھ افراد ہی بیٹھ سکتے تھے۔ ”یہ کشتی....“ اُس نے کسی قدر پچھاپاہٹ سے کہا۔

”ارے نہیں....“ بوڑھا زور سے ہنس کر بولا۔ ”اس پر بیٹھ کر ہم اُس کشتی تک پہنچیں گے۔ دراصل میرے کچھ مہمان، اُسے مچھلیوں کے شکار کے لئے آگے لے گئے ہیں۔“

”اچھا.... اچھا۔“ جہاں گیر نے کہا اور خود بھی موڑ بوٹ میں بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے موڑ بوٹ کا انہیں اسٹارٹ کیا اور اُسے گھرے پانی کی طرف موڑتا ہوا زور سے بولا۔ ”تم آخری سرے پر بیٹھ جاؤ، تاکہ بیٹھن رہے۔“

”بہت اچھا جناب!“ جہاں گیر در میانی سیٹ سے اٹھ کر دوسرا سرے پر چلا گیا۔ یہاں سمندر پر سکون تھا لیکن جہاں گیر سوچ رہا تھا کہ آگے تلاطم ضرور ہو گا۔ اس لئے سنبھل کر میٹھنا چاہئے۔ بوڑھا دوسرا سرے پر اُس کے مقابل بیٹھا عجیب انداز میں مسکرا تارہ رہا تھا۔ کشتی جلد ہی

کھلے سمندر میں آگئی۔ دور دور تک کوئی دوسرا کشمی نظر نہیں آ رہی تھی۔ جہاں گیر خاموش میٹھا، اس کی مسکراہٹ کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً بڑھے نے جیب سے روپ اور نکال کر اس کارخ جہاں گیر کی طرف کر دیا۔ ”جج..... تھی..... لگ کیا مطلب؟“ جہاں گیر نے بوکھلا کر انھوں کھڑے ہونے کی کوشش کی اور ٹھیک اُسی وقت سائینسز لگے ہوئے پستول سے بے آواز فائر ہوا۔ گولی جہاں گیر کی پیشانی پر گلی اور وہ پانی میں الٹ گیا۔ موڑ بوث آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔



آئی۔ آئی۔ آئی۔ کے ڈائریکٹر کرٹل فیضی نے سنگرواد والا فیچر اخبار میں پڑھا اور کرسی کی پشت گاہ سے نکل گیا۔ اس کی آنکھیں جیرت سے پچھلی ہوئی تھیں۔ چہرے کے تاثرات نے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسئلے پر یقین و تثکیک کی کشمکش میں بنتا ہو۔ پھر اس نے انٹر کام کا ہٹن دبا کر کسی کو مخاطب کیا۔ ”گرین فائل تھرٹین چاہئے۔ فوراً۔“ ”اوکے، سرا!“ کسی نے جواب دیا۔

انٹر کام کا سوچ آف کر کے کرٹل فیضی نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور ایک سگریٹ نمٹھ کر کے سلاگانے ہی والا تھا کہ میز پر زکھے ہوئے سرخ انشر و منٹ کا بزر بول اٹھا۔ ”لیں سرا....“ اس نے رسیور اٹھا کر ماڈ تھپ پیس میں کہا۔ ”کیا تم مصروف ہو؟“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”جب ہاں، ایک مسئلہ ابھی ابھی سامنے آیا ہے اور فوری توجہ کا طلب گا رہے۔“ ”میا اشار کے اس فیچر کی طرف اشارہ ہے؟“ ”ورست ہے، جناب! میں نے گرین فائل تھرٹین نکل دیا ہے۔“ ”گلڈ...!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”فائل سمیت میرے آفس میں آ جاؤ۔“ ”بہت بہتر، جناب!“ کرٹل فیضی نے کہا اور دوسرا طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر رسیور کریٹل پر رکھ دیا۔

یہ ڈائریکٹر جزل کی آواز تھی۔ سگریٹ سلاگاتے وقت، اس نے اپنے ہاتھ میں لرزش

محوس کی۔

اس کا پر سل اسٹرنٹ تھوڑی دیر بعد ایک فائل لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”ٹھیک ہے، میں جاؤ۔“ اس نے اسے فائل میز پر رکھ دینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پر سل اسٹرنٹ کی آنکھوں میں جیرت کے آثار نظر آئے۔ شاید کرٹل فیضی کا یہ انداز اس کے لئے غیر معمولی تھا۔

بہر حال، وہ اس کے حکم کی قیمت کر کے اٹھے پاؤں واپس چلا گیا۔ کرٹل فیضی نے سگریٹ کے کئی گھرے گھرے کش لئے اور اسے ایش ٹرنے میں رکھتا ہوا اللہ گیا۔

ڈائریکٹر جزل کے آفس میں داخلے کے لئے اسے چند منٹ انتظار کرتا پڑا تھا۔

آئی۔ آئی کا ڈائریکٹر جزل راڈ ایک بے حد خنک مزاج آدمی تھا۔ ماتحت اس کا سامنا کرنے سے خائف رہتے تھے۔

خود کرٹل فیضی اپنے گھنٹوں میں لرزش سی محوس کر رہا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ اس نے کرٹل فیضی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”تھیک یوسر!“ کہتا ہوا کرٹل فیضی بیٹھ گیا۔

”فائل....“ جزل نے اس کی طرف ہاتھ پر ہادیا۔ کرٹل فیضی نے اتنی احتیاط سے فائل اس کے ہاتھ میں دیا تھا جیسے وہ ششے کا ہو۔ اشار کا تازہ شدہ بھی میز پر پڑا ہوا تھا۔ جزل، فائل کی ورق گردانی کر کے اس کی بعض تصویریں، اشار میں شائع ہونے والی تصویروں سے ملا تاہم۔

تحوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔ ”اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔“

فیضی کچھ نہ بولا۔

آخر جزل ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”فی الحال، اس کی صرف گرانی کرو اور لیکن اس آدمی کا سراغ ملتا ہے حد ضروری ہے جس نے بچوں کو اس پر پھر چلانے کی ترغیب دی تھی۔“

”میں بھی بھی سوچ رہا تھا، جناب!“

”اس آدمی انپیکٹر شاہد کو اپنے اعتاد میں لینے کی کوشش کرو۔“

”اور سنگرواد کی صرف گرانی کرائی جائے؟“ کرٹل فیضی نے پوچھا۔

”ہاں.... اور اس کے تحفظ کا بھی خیال رکھا جائے۔“

”بہت بہتر جناب!“

جزل راونے فائل، اس کی طرف بڑھاتے ہوئے باہمیں ہاتھ کو اس طرح جبکش دی جیسے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہو۔

کرٹل فیضی، اُس کے آفس سے باہر آگیا۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔



کیپشن فیاض آپے سے باہر ہوا تھا اور انکنز شاہد اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے اس سے بڑی غلطی پہلے کبھی سرزد نہ ہوئی ہو۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی کہ اس حد تک جاتے؟“ فیاض پھر گر جا۔ ”آخر کس بات کا شبہ تھا، اس پر۔“

”بب.... بس کیا عرض کروں، جناب.... بس شامت....!“

”اگر بچپن کی کوئی جیلت ابھر آئی تھی تو اس کرامہ رپورٹ سے گنتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے طور پر اُس گونبے سے متعلق فیچر چھاپ سکتا تھا۔ اس کا پیشہ تمہرال اسی کی روٹی کھاتا ہے۔“

شاہد خاموش ہی رہا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ”روٹی“ کے حوالے پر ان جھینکوں کا تذکرہ کربیٹا جو رپورٹ نے اسے کھلائے تھے۔

”اب دیکھنا، کیا ماداغ خراب کرتے ہیں، آئی۔ ایس۔ آئی والے۔“ کیپشن فیاض اسے قبر آلو نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ”پا نہیں کیا پچکر ہے؟“

”آخر آئی۔ ایس۔ آئی والے کیوں؟“

”میں نہیں جانتا۔ آئی۔ ایس۔ آئی کا باز ریکٹر کرٹل فیضی تم سے مانا چاہتا ہے۔ آج شام کو پانچ بجے آرمی آفیسرز کلب میں اُس سے ملو۔“

”لیکن وہاں میرا داخلہ کس طرح ہو گا؟“

”کرٹل فیضی کے حوالے سے۔ کلب کا کوئی ذمہ دار آدمی تمہیں اس کی میز پر پہنچا دے گا۔“

”کس جگہ میں پڑ گیا؟“

”محظی اطلاع ملی ہے کہ بہت دنوں سے یہ سلسلہ جاری تھا۔“

”جی ہاں۔“ شاہد نے پر تشویش لجھ میں کہا۔ ”لیکن کسی نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی

ٹھکی اور فیچر چھپتے ہی آئی۔ ایس۔ آئی والے بھی چڑھ دوڑھے اور وہ مردود کرامہ رپورٹر...“

”اُسے گالیاں کیوں دے رہے ہو؟“ فیاض اسے گھورتا ہوا بولا۔

”میری اس حماقتوں سے پہلے ہی اُس نے فیچر کیوں نہیں چھاپ دیا تھا۔“

”تمہارے تذکرے کے بغیر اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ اس میں اتنا کس پس ہر گز بیدانہ ہوتا۔“

”بہر حال.... وہ طویل سانس لے کر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ فیاض استفہامیہ انداز میں

اُسے دیکھتا رہا۔

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، جناب!“ شاہد نے بالآخر کہا۔

”تمہرہ!“ فیاض نے ہاتھ اٹھا کر نہ تکرے لجھے میں کہا۔ ”فیچر میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ پھر چلانے کی ابتدا کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا تھا۔“

”سید و دھوپی نے بتایا تھا۔ وہ اس کا پڑو سی ہے۔“

”شاید تم نے رپورٹ سے ذریعے کا ذکر نہیں کیا تھا۔“

”بھی نہیں۔“

”یہ تم نے اچھا کیا تھا۔ اب کم از کم تم آئی۔ ایس۔ آئی والوں سے اپنا چھا تو چڑھا سکو گے۔“

”میں نہیں سمجھا، جناب؟“

”وہ تم سے کوئی ایسی بات معلوم کیے بغیر تمہارا چھا نہیں چھوڑیں گے جس کا ذکر فیچر میں نہ ہو۔“

”اوہ.... تو سید و دھوپی کے حوالے پر میں، انہیں مطمئن کر سکوں گا؟“

”بالکل.... اگر وہ انہی کا کوئی دروسر ہے تو خود سید و دھوپی کو کھنگالیں گے۔“

”اس رہنمائی پر میرا شکریہ قبول فرمائیتے۔ جناب! اب میں سارا زور سید و دھوپی ہی پر صرف کروں گا۔“

”بس، جاؤ.... ٹھیک پانچ بجے.... آرمی آفیسرز کلب.... کرٹل فیضی نام یاد رکھنا۔“

شاہد سلیوٹ کر کے باہر آگیا۔ لیکن شاید ابھی مزید حقائقیں اس کے مقدار میں لکھی ہوئی تھیں۔

”وہ سوچ رہا تھا کہ سید و دھوپی کا قصہ اپنی جگہ.... لیکن اگر کرٹل فیضی، سکرواد کے بارے میں پوچھ بیٹھا تو کیا بتائے گا.... ضرور پوچھنے کا کہ اُسے اس پر کس نوعیت کا شہر تھا۔“

کیا ملتے گا، آخر؟ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ فیاض سے صرف ذات سن تھی یا پھر سید و دھوپی والا نکلتے ملا تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ آخر اس نے سنجیدگی سے اس کا تعاقب کیوں شروع کیا تھا؟ سر کاری آفسر اس نے نہیں ہوتے کہ دیوانوں کے پیچھے دوڑتے پھریں۔ لیکن آئیں آئیں والوں کے الرٹ ہو جانے کا یہ مطلب تھا کہ واقعی کوئی خاص بات تھی۔ اگر ان کے نزدیک کوئی خاص بات تھی تو وہ اس سے ایک ایک لمحے کا حساب لیں گے۔

ایک الجھن میں اسے احمد اعظم عمران کا دھیان آیا اور وہ اچھل پڑا۔ ہر چند کہ فیاض کے توسط سے وہ عمران پر غراٹاہی رہتا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ جس طرح عمران، فیاض کے کام آتا تھا، اسی طرح اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دے گا، یعنی وہ سنگرواد کے تعاقب کی کوئی معقول وجہ ضرور تلاش کر لے گا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے عمران کے فلیٹ کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسرا طرف سے نوافی آواز سنائی دی۔

”کیا عمران صاحب تشریف رکھتے ہیں؟“ شاہد نے پوچھا۔
”رکھتے ہیں۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”میں اپنکے شاہد بول رہا ہوں۔“
”ایک منٹ ہو لذت بیجھ۔“

دوسری بار اس نے سلیمان کی آواز سنی۔ جس نے بہت کڑک کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“
”تمہارے لئے ایک کلو امرتیاں خریدی ہیں۔“
”بہت بہت شکریہ۔ پھر کب تشریف لارہے ہیں۔ آپ نے خوب یاد رکھا کہ مجھے امرتیاں پسند ہیں۔“

”میرے پہنچنے تک عمران صاحب کو فلیٹ ہی میں روکے رکھو۔“

”وہ تو رکے ہوئے ہی ہیں۔ لوبان کی دھونی لے رہے ہیں۔ اس کے بعد میں کے لڑا اور بالائی کھائیں گے۔ کم از کم پون گھنے کا فخر ہے۔ آپ بے فکری سے آجائیے۔“

”اچھا...“ کہہ کر شاہد نے رسیور کریبل پر رکھ دیا۔ اسے موقع نہیں تھی کہ عمران، فیاض سے اس ملاقات کا تذکرہ کرے گا۔

اس نے باہر آکر موڑ سائکل سنجھا اور عمران کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں حسب وعدہ سلیمان کے لئے امرتیاں بھی خریدی تھیں۔ سلیمان نے شنگ رومن میں اس کا استقبال کیا اور امرتیوں کا ذہب سنجھاتے ہوئے آہستہ سے لہا۔ ”ابھی دھونی ہی لے رہے ہیں۔“

”میادا قی؟“ شاہد نے جہت سے پوچھا۔

”جی ہاں، جب سے مر کر زندہ ہوئے ہیں، یہی حال ہے۔ روزانہ لوبان کی دھونی لیتے ہیں اور میں کے لڑا، بالائی کے ساتھ کھاتے ہیں۔“
”بڑی عجیب بات ہے۔“

”کل ایک پڑوی کو باری کے بخار کا تعویذ بھی دیا تھا۔ شیو نہیں کرتے۔ کہتے ہیں ڈاڑھی رکھوں گا۔ کل گلرنخ نے رورو کر ان کا شیو کرایا تھا۔“
”کیا قصہ ہے؟“

”آج رات تو لوں کو بھی بلوایا ہے۔ آپ بھی آئیے گا... نہبھریے میں آپ کے لئے کافی لاتا ہوں۔“

”تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔“
”ویسے میں نے اطلاع دے دی ہے کہ آپ تشریف لارہے ہیں۔“
”ٹھیک ہے۔“

”لیکن شاید اب انہیں پولیس لوں سے ملتا گوارا نہیں ہے۔“
”یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو؟“

”آج صح کی سے فون پر کہہ رہے تھے۔ اچھا جی بس، میں ابھی آیا۔ آپ کے لئے کافی لارہا ہوں۔“ سلیمان نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔
شاہد تنہا بیٹھا رہا... پھر کافی آنے سے پہلے ہی عمران کمرے میں داخل ہوا۔ شاید باہر جانے کے لئے تیار تھا۔

”اوہ... بلو!“ اس نے شاہد کو دیکھتے ہی مصالخے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔
شاہد نے بڑی گرم جوشی سے مصالخو کیا لیکن عمران، اسے ایسی نظر وہ سے دیکھے جا رہا تھا

جیسے اُس کی دماغی صحت پر یقین نہ ہو۔

” غالباً آپ مجھے بھولے نہ ہوں گے؟“ شاہد نے کہا۔

”عذاب قبر بھی مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے۔“

” مجھ پر طنزہ بتکھے۔ میں کیپن فیاض کا ماتحت ہوں۔ جو کچھ بھی کرتا ہوں، انہی کے حکم سے کرتا ہوں۔ لیکن جتنی قدر آپ کی میرے دل میں ہے اس کا انہمہ ممکن نہیں ہے۔“

” تو کیا کیپن فیاض صاحب نے مجھے یاد فرمایا ہے۔“

” جی نہیں، اپنی ایک ضرورت لائی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تشریف رکھئے۔“

شاہد بیٹھ گیا اور عمران اسے استھنا یہ نظر وہی سے دیکھا رہا تھا تھا میں سیمان کافی لے آیا۔ ایک پلیٹ میں دو امرتیاں بھی بڑے اہتمام سے رکھ کر لایا تھا۔ امر تیوں پر نظر پڑتے ہی عمران نے دیدے نچائے اور پھر سیمان کو گھونزے لگا۔

” اُن پلکر صاحب، میرے لئے لائے تھے۔“ سیمان جلدی سے بولا۔

عمران نے طویل سانس لی اور پوری طرح شاہد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

” آپ نے آج کا اشارہ دیکھا؟“ شاہد نے عمران سے پوچھا۔

” نہیں۔ میرے پاس صرف اردو کے اخبار آتے ہیں۔“

” بہر حال ذرا اسے ملاحظہ فرمائیے۔“ شاہد نے فیچر والا صفحہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

” ہوں، اچھا... آپ کافی بیجے۔“

” اور امرتیاں بھی کھائیے۔“ سیمان بولا۔ عمران نے ہاتھ ہلا کر اسے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے فیچر دیکھ رہا تھا۔

” خوب...“ تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر رہ گیا اور فیچر پر ہتھا رہا۔ شاہد خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

” بہت اچھے جارہے ہیں، آپ!“ بلا آخر عمران سر اٹھا کر بولا۔

” اچھا جارہا ہوں یا مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔“ شاہد نے قدرے بور کر کہا۔

” یہی مطلب تھا میرا... حماقت کی رفتیں کوئی مجھ سے پوچھئے۔“

” میں سمجھی گی سے اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

” حماقت اور سمجھی گی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ حق بجا بیں۔“

” آپ کو اس میں کوئی خاص بات نظر آئی۔“

” ایک خامی نظر آئی ہے۔“

” وہ کیا؟“

” اس ذریعے کی وضاحت نہیں ہے جس کے مطابق کسی نے ایک بچے کو پھر ملنے پر اکسیا تھا۔“

” جی ہاں، میں نے دیدہ و دانستہ یہ بات روپورٹ کو نہیں بتائی تھی۔“

” دوسری بات یہ کہ یاد داشت ختم ہو جانے کی بناء پر آدمی، اس حد تک بے حس نہیں ہو جاتا کہ اُسے چوٹ نہ لگے۔“

” جی ہاں....“

” اس کے علاوہ اور کیا جانتا چاہتے ہو؟“

” یہی کہ آخر کس شے کی بناء پر میں نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا؟“

” یہ، مجھ سے پوچھ رہے ہو؟“ عمران نے حرمت سے کہا۔

” جی ہاں، میں نے تو یونی خواہ تھوڑا تعاقب شروع کیا تھا لیکن اب جواب دی کرنی پڑے گی۔“

” اُرے فیاض... وہ کیوں جواب طلب کرے گا؟“

” اُن کی بات نہیں ہے۔ آئی ایس آئی وا لے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

” واقعی....؟“ عمران کے لمحے میں حرمت تھی۔

” جی ہاں، اسی پر تو حیرت ہے۔ اسی فیچر کے حوالے سے ڈائریکٹر کوں فیضی، مجھ سے ملتا چاہتا ہے۔“

عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر بولا۔ ” امرتیاں کیوں

نہیں کھائیں؟“

” آپ بھی بیجھے۔“

” میں ابھی ابھی میں کے لذ کھاچکا ہوں۔“

” کیا واقعی.... لیکن لوبان کی دھونی کیوں؟“

”خدا کی پناہ! تو یہ گھر کا بھیدی...!“

”پکھنہ کئے گا، بچارے کو، بے سانحگی میں کہہ گیا تھا۔“

”ہاں، تو یہ کرتل فیضی...!“

”مجھ سے یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ میں نے کس شے کے تحت اُس کا عاقبت شروع کیا تھا۔“

”اور تم بتانا نہیں چاہتے۔“

”میں بتاؤں گا کیا، جب کہ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔“

”بس تیکی کہہ دینا۔“

”وہ یقین نہیں کرے گا، اگر یہ کوئی سیر میں معاملہ ہے۔“

”تو پھر کیا، کیا جائے؟“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔

”آپ کوئی مقولی وجہ سوچئے۔ تاکہ میں اُسے مطمئن کر سکوں۔“

”ہوں، اچھا... لیکن اس کے لئے ضروری ہو گا کہ تم مجھے وہ بھی بتاؤ، جو اشارے کے کرام

روپورٹ کو نہیں بتایا تھا۔“

”ضرور بتاؤں گا۔“ شاہد نے کہا اور اُسے سید و دھوپی کے بارے میں بتانے لگا جس سے

سگرواد کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

”اور وہ اس آدمی کی نشان دہی نہیں کر سکا تھا۔ جس نے بچوں کو پھر ملانے کی ترغیب دی تھی،“

”بھی نہیں، اُسے یاد نہیں کہ اُس نے کس سے ناتھا۔“

”خیر، ہاں تو تم نہایت اطمینان سے کہہ سکتے ہو کہ شہر میں خواتین کو چھیڑنے کے واقعات

بکثرت ہو رہے ہیں۔ لہذا تم سمجھے تھے کہ وہ شخص محض خواتین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے

لئے اس طرح پھر کھاتا ہے۔ اس لئے تم اس معاملے کی تھے ملک پہنچا چاہتے تھے۔“

”گُڑ...“ شاہد اچھل پڑا۔ ”میں جانتا تھا کہ آپ کے علاوہ اور کوئی میری یہ مشکل نہیں

حل کر سکے گا۔“

”لہذا اب سید و دھوپی اور اس لاٹری کا پتہ بھی بتاؤ۔“

عمران نے دونوں پتے اپنی نوٹ بک میں درج کیے تھے۔ شاہد حیرت سے اُسے دیکھتا رہا پھر

بول۔ ”میا یہ آپ کی بھی دلچسپی کی چیز ہے؟“

”دیکھوں گا۔ شاید آئی ایس آئی والوں سے بھی کچھ کمائی ہو جائے۔ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد سے میری حالت کچھ تپنی ہو گئی ہے۔“

”آخر قصہ کیا تھا؟ عرصے تک سب یہی سمجھتے رہے تھے کہ آپ، سندھ میں غرق ہو چکے ہیں۔“

”سندھ بھی مجھ تلاکوں کو قول کرنے پر تیار نہیں۔ مچھلوں کا ہاضمہ خراب ہو جانے کا اندریش تھا۔“

”آپ اپنی تہہ تک کسی کو بھی نہیں پہنچنے دیتے۔“

”یہ لوبان کی دھونی کا مکمال ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”سلیمان کہہ رہا تھا کہ کل آپ نے کسی کو باری کے بخار کا تعویز بھی دیا تھا؟“

”بوا سیر کا فقری نسخہ بھی ہے میرے پاس۔“

”اچھا، اب اجازت دیجئے۔“ شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

”بسم اللہ....!“

شاہد، عمران کے فلیٹ سے برآمد ہو کر موڑ سائیکل اسٹارٹ کرہی رہا تھا کہ ایک موڑ

سائیکل سورا اُس کے قریب سے گزرتا ہوا اس کا دیاں گال فوج کر لکھا چلا کیا۔ تحریز وہ آواز میں

ایک گندی سی گالی شاہد کی زبان سے نکلی اور پھر اُس نے آپ سے باہر ہو کر اپنی موڑ سائیکل

اس کے پیچھے دوڑا دی۔

اس نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ اس کا کوئی بے تکلف دوست نہیں تھا۔ شاید شناسا

بھی نہ قادر نہ اس کی قدر تذبذب ضرور ہوتا۔

اگلا سورا تریفک کے درمیان سے اپنی موڑ سائیکل نکال لے جانے میں کافی مشاہی کا مظاہرہ

کر رہا تھا۔ شاید اس کے مقابلے میں کسی قدر پیچکا ہٹ سے گاڑی چلا رہا تھا.... لیکن نظر اسی پر جھی

ہوئی تھی کہ کہیں نکل ہی نہ جانے، وہ اُسے اس بے ہودگی کی خاطر خواہ سزا دینا چاہتا تھا۔

کیا وہ پاگل تھا؟ یا یہ محض شرات تھی؟ لیکن شرات... ایک سر کاری آفسر کے

ساتھ۔ شاہد کا خون بُری طرح کھول رہا تھا۔ دونوں گاڑیوں کی دوڑ جاری رہی۔ حتیٰ کہ وہ شہری

آبادی سے باہر آگئے۔

شہید کا غصہ اپنی انتہائی منزیلیں طے کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی تک اُسے نہیں پکڑ پایا تھا۔ دونوں کے درمیان اب بھی دوڑھائی سو گز کا فاصلہ برقرار تھا۔

اچانک اگلے سوار نے اپنی گاڑی ایک ایسے باغ میں موزوڈی جس کے گرد اوپری اور نیچی جھاڑیاں احاطہ کیے ہوئی تھیں۔ شہید نے بھی تہہ کر لیا تھا کہ کسی طرح اس کا پچھا نہیں چھوڑ سے گا۔ وہ بھی اپنی گاڑی اسی طرف لیتا چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ متعاقب کی گاڑی باغ کے وسط میں ایک کھلی جگہ پر پچکر لگا رہی ہے۔

شہید پر نظر پڑتے ہی اس نے گاڑی روک دی اور دونوں ہاتھ انھا کر بے ساختہ قبیلے گانے لگا۔

شہید اس کے قریب پہنچ کر دھاڑا۔ ”شٹ اپ!“ لیکن وہ ہشتاہی رہا اور شہید کے بازو کی مچھلیوں میں اکڑن پیدا ہونے لگی۔ موڑ سائیکل کا انجمن بند کر کے وہ اس کی طرف بڑھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ چھوٹنے ہی ایک ہاتھ جھاڑدے گا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ عقب کی جھاڑیوں سے دو افراد برآمد ہو کر آہستہ آہستہ خود اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ شہید موڑ سائیکل سوار پر جھپٹتا وہ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا۔ اس لئے شہید کو سنجھنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اس کی ناک پر تہہ کیا ہوا دو ماں ڈال کر ہاتھ سے دبائے رکھا تھا۔ شہید کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔



رات کے آٹھ بجے تھے اور کیپٹن فیاض بے چینی سے ٹہل رہا تھا.... بار بار فون کی طرف اس طرح ریکھتا ہے کسی کاں کا منتظر ہو.... دھنعتاون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔

”یہلو...!“

”کون ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوہ کرٹل صاحب!“ فیاض جلدی سے بولا۔ ”فیاض....“

”کچھ پتا کا آپ کے انپکٹ کا؟“

”تلش جاری ہے، جتاب! ہمیں خود تشویش ہے۔“

”اے میرا پیغام کس وقت ملا تھا؟“

”جیسے ہی وہ دفتر آیا تھا۔ کوئی سازھے نوبجے کی بات ہے۔“

”اس کے بعد سے اس کی نقل و حرکت کے بارے میں آپ کے پاس کیا اطلاعات ہیں؟“

”کیا رہ بجے، وہ دفتر سے نکل گیا تھا۔“

”کہاں گیا تھا؟“

”روانگی کی روپورٹ لکھنے بغیر آفس سے نکلا تھا۔“

”کیا یہی طریقہ رانج ہے، آپ کے دفتر میں؟“

”جی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ روانگی کی روپورٹ اسی وقت درج کی جاتی ہے جب کسی سرکاری کام کے لئے روانگی ہوتی ہے۔ جویں ضرورت کے تحت باہر جانا ہو تو عموماً یونی چلے جاتے ہیں۔“

”کیپٹن فیاض! انپکٹر شہید کا اس طرح غائب ہو جانا، آپ لوگوں کو دشواریوں میں بھی بتا کر سکتا ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں، جتاب! یقیناً اسے کوئی حادثہ پیش آکیا ہے، ورنہ اس طرح غائب ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”کیا اس معاملے میں آپ سے اس کی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی؟“

”جی ہاں۔“

”تو آپ کو اس کا علم ہو گا کہ سنگواد پر پھراؤ کی ابتدائیسے ہوئی تھی؟“

”جی ہاں، اس نے مجھے بتایا تھا۔“

”اور یہ بھی بتایا ہو گا کہ اُسے اس کا علم کس سے ہوا تھا؟“

”جی ہاں.... اسی لائنری کے ایک دھوپی سے، جس کا ہم سیدو ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ جیسے ہی انپکٹر شہید کا سر اسغ ملے، مجھے مطلع کیجئے گا۔“

”بہت بہتر جتاب!“ فیاض نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر رسیور کریٹل پر رکھ دیا۔

فوراً ہی پھر گھنٹی بجی اور اس نے جلدی سے رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے

کی آواز سن کر طویل سانس لی اور بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو، چھپے سے اس وقت تک کنی بارگ کر جکا ہوں۔“

”میا کسی فقیری نسخے کی ضرورت پیش آگئی ہے؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
”سنوا میں بکواس سنتے کے موڑ میں نہیں ہوں۔“ فیاض نے جھنجلا کر کہا۔ ”سبجیدگی سے میری بات سنو۔“

”بیان جاری رکھو۔ جب سے مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ سبجیدگی کے مارے نہ احال ہے۔“

”تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ گیراہ اور بارہ بجے کے درمیان انسکرٹ شاہد تمہارے پاس تھا۔“
”انکار کیوں کروں گا۔ شاہد ہی تھا۔ شاہد تو نہیں تھی۔“

”وہ، تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟“

”ایک کوامر تباہ بھی لایا تھا، سلیمان کے لئے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کیوں گیا تھا، تمہارے پاس؟“

”تمہارا کیا خال ہے، کیوں آیا ہوگا؟“

”میں نہیں جانتا۔ تم سے پوچھ رہا ہوں؟“

”اس نے آیا تھا کہ اس کا آفسیر بالکل چند ہے اُسے یہ نہیں تا سکا تھا کہ آئی ایس آئی والوں کو سنگداو کے تعاقب کی کیا وجہ بتائے گا۔“

”یہ میں بتاتا، اُسے؟ دیکھو عمران ہوش کے ناخن لو۔ میں نے ابھی تک کر کل فیضی کو یہ نہیں بتایا کہ وہ دفتر سے نکل کر تمہارے پاس آیا تھا۔“

”آخر بات کیا ہے۔“

”وہ غائب ہو گیا ہے۔ مقررہ وقت پر کر کل فیضی کے پاس نہیں پہنچا۔ کر کل فیضی، مجھ سے اس کی نقل و حرکت کا چارٹ طلب کر رہا ہے۔“

”تو کیا واقعی، یہ کوئی بہت اہم معاملہ ہے؟“

”میں نہیں جانتا... لیکن آئی ایس آئی والوں کی بے چینی سے تو ہیں ظاہر ہوتا ہے۔“

”بہرحال، تم دشواری میں پڑ گئے ہو۔“ عمران کی آواز آئی۔

”قطعاً نہیں۔ اگر میں کر کل فیضی کو یہ بتا دوں کہ وہ دفتر سے نکل کر کہاں گیا تھا۔“

”کیوں نہیں بتا دیا؟“

”محض اس لئے کہ کہیں پھرنا غرق ہونا پڑے۔“

”کیوں ہاٹک رہے ہو؟“

”اچھا تو کیا مجھے علم نہیں ہے کہ آئی ایس۔ آئی والوں سے پچھا چھڑانے ہی کے لئے تم جوزف سمیت غرق ہو گئے تھے۔“

”بہت باخبر ہوتے چار ہے ہو۔“ عمران نے کہا۔ ”اچھی بات ہے تو تم ان لوگوں سے اپنا پچھا چھڑا لو۔“

”لیعنی کر کل فیضی کو آگاہ کر دوں کہ شاہد تم سے ملا تھا؟“

”بالکل آگاہ کر دو۔“ عمران نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

فیاض نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے رسیور کو گھورتا رہ گیا۔ پھر اس نے کریڈل دبا کر شاید کر کل فیضی ہی کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ دوسری طرف سے فو آہی جواب ملا۔

”کہیں فیاض، سر!“

”کیا خبر ہے؟“

”بارہ بجے تک وہ مسٹر علی عمران کے ساتھ رہا تھا۔ مسٹر علی عمران، ہمارے ڈائریکٹر جزل صاحب کے فرزند ہیں۔“

”اُس کے بعد...؟“

”مسٹر علی عمران نے لا علمی ظاہر کی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ہم خود دیکھ لیں گے۔ آپ برمی الذمة“

”شکریہ جناب!“

”دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ فیاض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔



عمران کی ٹو سیٹر، سر سلطان کی کوئی کی کپاڈوں میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اُسے فوری طور پر طلب کیا تھا۔ فیاض کی کال کا سلسہ منقطع ہوتے ہی فون پر اُن کی کال آئی تھی اور عمران فوراً

اس داستان کے لئے ”موت کی آہٹ“ سے ”لرزتی لکیرس“ تک کا سلسہ ملاحظہ فرمائیے۔

سر سلطان، اُس کے منتظر تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی بولے۔ ”تم نے آج کا اشارہ دیکھا؟“ عمران کھوپڑی سہلا تا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ”بھی نہیں۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن شاید آپ بھی سنگڑادی کے سلسلے میں پوچھ رہے ہیں؟“

”آپ بھی سے کیا مراد ہے... کیا پہلے بھی کوئی پوچھ چکا ہے؟“

”آئی ایں آئی والے بھی اُسی کے چکر میں ہیں۔“

”اگر نہ ہوں تو مجھے حرمت ہوگی۔“

”لیکن آپ کو بہت دیر میں خیال آیا ہے۔ اس وقت رات کے نہ بیجے ہیں۔ آئی ایں آئی والے تو صحیح ہی سے حرمت میں آگئے تھے۔“

”میں ہر ایک کا صورت آشنا تو نہیں ہوں۔ جب مجھے کے ایک ذمہ دار فرد نے اُس کی طرف توجہ دلائی تو مجھے حالات کا علم ہوا۔“

”قصہ کیا ہے؟“

”یہ شخص، جو خود کو سنگڑاد کرتا ہے۔ افریقہ کے ایک ملک میں ہمارے سفارتخانے کا فوجی اتنا شیخ تھا۔ اصل نام شہزاد ہے۔ وہاں سے اچاک غائب ہو گیا۔ اس کی تحویل میں میرے مجھے کے بھی کچھ کاغذات تھے۔ جن کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔“

”کب کا واقعہ ہے؟“

”دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے مجھے سے تعلق رکھنے والے کاغذات بے حد اہم تھے! اور کئی ملکوں سے تعلقات پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ اگر آئی ایں آئی والے بھی چونکہ پڑے ہیں تو یقین کرو کہ یہ شخص کرٹل شہزاد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“

”پتا نہیں کب سے وہ تیکیں مقیم ہو۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن ہمیں پتا اس وقت چلا جب اُس پر پھراؤ ہونے لگا۔“

”اچھا تو پھر....؟“

”اور پھراؤ بھی خواہ مخواہ... نہ وہ پاگل پن کی حرکتیں کرتا ہے اوزنہ کسی سے کوئی غرض ہی رکھتا ہے۔“

”کہنا کیا چاہتے ہے ہو؟“

”خاص طور پر ہماری توجہ اُس کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔“ عمران نے کہا اور انہیں بتانے لگا کہ سنگداری کی ابتداء کیسے ہوئی تھی۔

”بڑی عجیب بات ہے اور اس پر سنگداری کا کوئی اثر بھی نہیں ہوتا اور وہ یاد داشت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”جانتا ہوتا تو کرٹل سے دھوپی کیوں بن جاتا؟ بہر حال اس کی طرف توجہ مبذول کرنے کی کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔“

”کس نے کیا ہے اور کیوں؟“

”بھی دیکھنا پڑے گا۔ اس شخص کا پتا نہیں چل سکا جس نے ایک بچے کو پانچ روپے کا نوٹ دے کر پھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔“

”لیا تم نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی؟“

”میں نے تو اس سلسلے میں ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ انپکٹر شاہد کا بیان ہے کہ سید و دھوپی اس شخص کی نشاندہی نہیں کر سکتا تھا۔“

”بہر حال، اب تمہیں بھی کچھ کرنا ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہی ہو گیا۔ ورنہ کرٹل فیضی خواہ مخواہ سر ہوتا۔“

”کیا قصہ ہے؟“

عمران، انہیں کیچھ فیاض کی کال سے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ ”اب میں ذرا گھر فون کر کے پڑ کر لوں کہ کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا۔ میرا مطلب ہے فیاض کی زبان سے میرا نام سننے ہی کرٹل فیضی آپ سے باہر ہو گیا ہو گا۔“

”فکر مت کرو۔ ان لوگوں سے میں نپوں گا۔“

عمران نے فون پر فلیٹ کے نمبر ڈائل کرنے اور دوسرا طرف سے سلیمان کی آواز آئی۔

”یچے ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے.... اور سنگ رومن میں ایک کپتان صاحب تشریف فرمائیں۔“

”کیوں تشریف فرمائیں؟“

”آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”اچھا س، ہو سکتا ہے، وہ تجھ سے پوچھیں کہ کس کی کال تھی۔ ان سے کہہ دیجیو کہ صاحب کی ایک گرفتاری خیریت دریافت کر رہی تھی۔“

”اور وہ میں دھرمے رہیں گے۔“

”فکر کر۔ اس کا بھی انتقام ہو جائے گا۔ فی الحال ان سے پوچھ لے کہ چائے پین گے یا کافی۔“

”مہندراپانی پہلے ہی پی چکے ہیں۔“

”بس، بکواس ہند۔“ کہہ کر عمران نے رسیور کریٹل پر رکھ دیا اور سر سلطان کی طرف مڑ کر بولا۔ ”کرتل فیضی کے آدمی وہاں بیٹھنے کے ہیں۔“

”تمہارے قیمت میں۔“

”جی ہاں۔“

”ٹھہر دیں دیکھتا ہوں۔“ سر سلطان نے کہا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائل کر کے کہا۔

”کرتل فیضی، پلیزا!“

”گھر پر ہوں گے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”گھر پر ہی ملاو۔“

”یور آئیڈنٹی، پلیزا!“

”سیکریٹری برائے امور خارجہ۔“

”ہولہ آن سمجھے، جناب!“

”تحمہڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”فیضی....“

”میں سلطان ہوں۔“

”فرمائیے... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”آپ کو مطلع کرتا ہے کہ علی عمران باقاعدہ طور پر وزارت خارجہ کے لئے کام کرتا ہے اور سنگرواد سے وزارت خارجہ کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ متنی آئی ایس آئی کو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کرتل شہزاد کی تحول میں ہمارے بھی کاغذات تھے۔ جب وہ غائب ہوا تھا۔“

”لیکن ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سنگرواد شہزاد ہی ہے۔“

”مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس وقت آپ کے کچھ لوگ عمران کے قیمت میں موجود ہیں۔“

”جی ہاں، مشریعی سے انپکٹر شاہد سے متعلق پوچھ چکھ کرنی ہے۔“

”وہ اس وقت میں میرے پاس موجود ہے۔ کیا میں اُسے رسیور دوں؟“

”بہت بہت شکریہ۔“

سر سلطان نے رسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے ہونٹ بھینچ کر عجیب سی مخل

بنائی اور ماؤنٹنگ چیز میں بولا۔ ”بیلوو...!“

”مشریع عمران۔“

”فرمائیے...؟“

”انپکٹر شاہد، آپ کے پاس سے کہاں گیا تھا؟“

”یہ تو نہیں بتایا تھا، اُس نے۔“

”آپ کے پاس کیوں آیا تھا؟“

”آتا ہی رہتا ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ جب بھی پرانی سویٹ مارٹ کی طرف سے

گزرتا ہے ہمارے لئے امریتیاں ضرور لاتا ہے۔“

”میا سنگرواد سے متعلق بھی کچھ گفتگو ہوئی تھی؟“

”ظاہر ہے کہ ہوئی تھی کیونکہ....!“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ کیا خود سنگرواد نے اُسے بتایا تھا کہ کسی نے کسی بچے کو پھر مارنے کی

ترغیب دی تھی؟“

”جی نہیں.... ایک دھوپی نے جو سنگرواد کا پڑو سی ہے۔“

”کیا آپ کو اس دھوپی کا نام یاد ہے؟“

”کیوں نہیں، سید و دھوپی.... اور وہ بھی اُسی لاٹھری میں کام کرتا ہے۔“

”شکریہ، مشریع عمران! مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی تعاوون کریں گے۔“

”لیکن اس سلسلے میں یہ بھی واضح کر دوں کہ سید و دھوپی اُس شخص کی بنا پر ہی نہیں کر سکتا

جس نے عکباری کی ترغیب دی تھی۔“

”بھی نہیں! سید و دھوپی نے اس کے بارے میں بھی ساہی تھا۔“
”خاصاً شوار مسئلہ ہے۔“



سید و دھوپی کی کھوپڑی ناچ کر رہی تھی۔ پتا نہیں کتنے لوگ اس سے پوچھ چکے تھے اور آخر تجھ آکر اس نے ہر ایک سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ سگرواد کا معاملہ ہے۔ اسی سے پوچھو جا کر۔

لاغڑی سے دونوں ساتھی نکلے تھے اور اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑے تھے۔ ”او، بھائی سگرواد... آخر یہ کیا چکر ہے؟“ سید و نے کہا۔

”میں کیا جانوں، بھائی؟“
”ایسے ایسے لوگوں نے تمہارے بارے میں پوچھا ہے کہ کیا بتاؤں۔“

”اخبار میں تصویر یہ چھپنے کی وجہ سے؟“

”تصویر یوں چھپی ہے کہ تمہارے چوت نہیں لگتی۔ ہماری تصویر تو چھاپ دے کوئی بائی کا ال۔“

”یہ چوت آخر کیا ہوتی ہے؟“
”ہائیں... تم چوت بھی نہیں جانتے؟“
”نہیں بھائی!“

”کیا واقعی پتھر کے ہو؟“
”پتا نہیں۔“

”کیا آسمان سے ملکے ہو؟“
”مجھے نہیں معلوم۔“

اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ سکون سے چلے جا رہے تھے۔ اس وقت پچھے ان پر پتھر اُنہیں کر رہے تھے لیکن ہوشمندوں کی ایک بیٹھر، اُن کے پیچھے چل رہی تھی۔ اکثر لوگوں نے سگرواد سے گفتگو بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔
اس طرح وہ اپنی جھونپڑیوں نکل پہنچ گئے تھے۔ سگرواد چپ چاپ جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

”میں نہیں سمجھا۔“
”سید و کہتا ہے کہ میں نے سا تھا لیکن یہ یا وہ نہیں کہ کس سے سا تھا۔“
”تب توبات نہیں بتی۔“
”لیکن شاہد پروگرام کے مطابق آپ سے کیوں نہیں ملا؟“
”یہی تشویش کا باعث ہے۔“
”میکا یہ ممکن نہیں کہ کسی نے اُسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔“
”آخر کیوں؟“

”ہو سکتا ہے کہ مقصد یہی ہو کہ وہ آپ سے نہ مل سکے۔“
”میں سمجھتا ہوں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”وہ شخص اس سلسلے میں اہم ہے، جس نے سخباری کی ترغیب دی تھی۔“

”بہر حال، اگر ہم آپس میں معلومات کا تبادلہ کرتے رہیں تو دونوں کے لئے بہتر ہو گا۔“
”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”شکریہ، ضرورت پڑنے پر میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔“
”تمہرہ وقت۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبای کر کہا اور دوسرا طرف سے رابطہ منقطع ہونے کے آواز سن کر رسیور رکھ دیا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہارا دو یہ درست تھا۔“ سر سلطان مسکرا کر بولے۔
عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گبری تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ تھوڑی دم بعد اُس نے کہا۔ ”اگر کوئی پارٹی، سگرواد کی تشریف ہی کرنا چاہتی ہے تو شاہد کے غائب ہو جانے کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“

”شاید تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کریم فیضی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ سر سلطان بولے۔
”یہ بات تو نہیں تھی۔ دراصل وہ تعاقب کا کوئی جواز چاہتا تھا اور مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد خاص مطمئن ہو گیا تھا۔ بہر حال اپنے کھتے نظر سے ہمیں فی الحال اس فرد کو تلاش کرنا چاہئے جس نے کسی پچھے کو ترغیب دی تھی۔ اس کے لئے سب سے پہلے اُس پچھے کو تلاش کرنا ہو گا۔“
”اس پچھے کو تو وہ جانتا ہی ہو گا۔“

اور سید واس آدمی سے الجھ پر اجو شاید اس کی جھوپڑی کے قریب اس کا منتظر تھا۔
”میں کچھ نہیں جانتا۔“ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جاو، اسی سے پوچھو، جو کچھ پوچھتا ہو۔“
”اس کے پاس تو ایک ہی جواب ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔“ اجنبی نے کہا۔
”تو پھر کیا میں، اس کا باوالگتا ہوں کہ مجھے معلوم ہو گا؟“
”اس کے پڑوں اور مددگار تو ہو۔“

”جب وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو میں کیا جاؤں گا؟“
”کبھی کوئی اس سے نہ بھی آتا ہے؟“
”جی نہیں.... دیکھتے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ مجھے معاف کرو تجھے۔“
”سنو.... میرا تعلق پولیس سے ہے۔“

”ایک پولیس والے صاحب تو لانڈری ہی میں پوچھ گجھ کر چکے ہیں۔ اسی کے بعد تو اخبار میں اس کی تصویر چھپی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں وہ مزی طرح کے سوال کروں گا۔“
”بچھے صاحب!“ وہ مردہ سی آواز میں بولتا۔

”یہاں اس بستی میں اسے کون پہنچا گیا تھا؟“
”کوئی بھی نہیں۔ خود ہی آیا تھا، رہنے کی جگہ تلاش کرتا ہو۔“

”لانڈری سے آنے کے بعد وہ کیا کرتا ہے؟“
”کھانا پاکتا ہے اور پڑ رہتا ہے۔“
”کہیں گھونٹے پھرنے بھی نہیں جاتا؟“

”جی نہیں۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ جھوپڑی سے لانڈری اور لانڈری سے جھوپڑی۔“
”تم نے کس شخص سے اس آدمی کے بارے میں سننا ہے جس نے کسی بچے کو پھر مارنے کی ترغیب دی تھی؟“

”یہی تو یاد نہیں آتا۔“ وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔
”چلو، یہی بتاؤ کہ بچہ کون تھا؟“
”مجھے یہ بھی نہیں معلوم، جناب!“

”کیسے معلوم ہو گا؟“

”کل صبح آجائیے اور ان بچوں سے معلوم کرنے کی کوشش کیجئے جو اسے پھر مدارکتے ہیں۔“
”ہاں، شاید اس طرح معلوم ہو جائے۔ اچھا سید و صاحب بہت بہت شکریہ!“ اجنبی نے کہا
اور آگے گئے بڑھ گیا۔

”سید و صاحب....“ سید و نے آہستہ سے دہر لیا اور ”صاحب“ کی لذت میں گھوپیا ہوا
جھوپڑی میں داخل ہوا۔

”کون تھا، رے؟“ اس کی بیوی نے پوچھا۔

”ارے وہی۔ پوچھنے والے چلے ہی آرہے ہیں۔“

”لیا پوچھ رہا تھا؟“

”اُس لوٹنے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جس نے اسے پہلا پھر مارا تھا۔“
”تو بتا کیوں نہیں دیا۔“

”میں کیا جانوں، کون خدا کی خوار تھا؟“

”میں جانتی ہوں۔“

”کون تھا....؟“ سید وا چھل پڑا۔

”ہوتا کون.... وہی شدے کا لوٹنا... گامو....“

”ارے نہیں....“

”ہاں، ہاں.... اس کی چاچی نے مجھے بتایا ہے۔“

”سید و اللہ پاؤں باہر بھاگا کہ اجنبی کو اس سے آگاہ کر دے۔ دراصل شدے سے اس کی
بہت پرانی و شنی چلی آرہی تھی۔ اس نے سوچا یہ بہترین موقع ہے پولیس والے سائے کو
پریشان کر ڈالیں گے۔“

آخر کار پلیا کے قریب اس نے اجنبی کو جالیا۔

”رکیے، جتاب.... ٹھہریے، جتاب....“ اس نے کسی قدر فاصلے ہی سے اسے آوازیں
دینی شروع کر دیں۔ اجنبی رک کر اس کی طرف مڑا۔
”آپ کے... چلے آنے... کے بعد... میری گھروالی.... نے بتایا....“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

”اچھا... اچھا... کیا بتایا؟“

”شدے کے لوٹے گامو کسی نے پانچ روپے دے کر پتھر مردایا تھا۔“

”شدے کون ہے؟“

”دھوپی ہی ہے، جناب! میرے گھر کے پاس رہتا ہے۔ اس کا لوثا ہے، گامو... بابا ہی کی طرح حرامی ہے۔“

”اچھا... اچھا میں دیکھوں گا۔“

”ابھی دیکھ لجھے۔ اس وقت، بابا، بیٹا دونوں جھلکی ہی میں ہوں گے۔ لیکن جناب! میرانہ معلوم ہونے پائے۔“

”نبیں... نبیں، سید و صاحب! بھلا ایسا بھی کیا۔ اسے ہرگز یہ نہیں معلوم ہوگا۔ کہ اس کا نام آپ نے لیا تھا۔“

”بھی پھر جھوپڑیوں کی طرف مڑ گیا اور سید وہیں کھڑا سوچتا رہ۔ آخر یہ کیسا پولیس والا ہے۔ اتنا زرم مزاج اور صورت ہی سے یقین لگتا ہے.... یقین نبیں، یہ قوف.... صورت ہی سے بے وقوف لگتا ہے.... اب کہیں خفیہ پولیس والائے ہو.... خفیہ پولیس میں تو ایسے ہی آدمی رکھے جاتے ہوں گے جو صورت سے پولیس والے نہ لگیں۔ بالکل بے وقوف معلوم ہوں.... آگئی شامت، سالے شدے کی۔“



”ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کرٹ فیضی کی آواز آئی۔

”معلومات کے تادلے کی بات ٹھہری تھی۔“ عمران نے کہا۔

”ہمارے پاس فی الحال کوئی خاص اطلاع نہیں ہے۔“

”تو پھر جادلہ کیسے ہو گا، کرٹ صاحب؟“ عمران نے کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا، مسٹر عمران! کہ آپ کے پاس کوئی اطلاع ہے؟“

”بالکل ہے، لیکن پہلے آپ؟“

”مسٹر عمران....“

”کرٹ پلیز.... میرے پاس کوئی اہم اطلاع نہیں ہے لیکن ایک تجویز ضرور ہے۔“
”کیسی تجویز....؟“

”سکنرو اکولاٹھری سے کسی تجویز گاہ میں منتقل کر دیا جائے۔“

”اس صورت میں وہ لوگ ہاتھ نہیں آسکیں گے، جنہوں نے اس کی پیشی کرائی ہے۔
اصل میں بھی دیکھنا ہے کہ اس کی اس انداز میں واپسی کیا معنی رکھتی ہے؟“

”اچھا، اگر وہ اس دوران میں کہیں غائب ہو گیا تو...؟“

”مشکل ہے، غائب ہو جانے کے باوجود بھی ہمارے علم ہی میں رہے گا۔“

”ٹھیک ہے تو پھر منہ۔ اطلاع یہ ہے کہ اس شخص کا نام اور پتا معلوم ہو گیا ہے جس نے پہلے بچ کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔“

”اگر... کون ہے؟“

”جہاں گیر ناہی ایک جھگڑا ہے۔ زیادہ تر سڑکوں کے کنارے مجھ لگا کر دوائیں پیتا ہے۔ بورا جی اسٹریٹ کی عمارت، رانی لاج کے ایک فلٹ نمبر یا کسی میں رہتا ہے۔“

”آپ نے اس سے کیا معلوم کیا؟“

”فیپر شائع ہونے پر گیارہ بجے کے بعد سے اس کی نقل و حرکت کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب وہ بورا جی اسٹریٹ کے متنان ہو ٹھی میں تھا۔ وہاں سے نکل کر گورا میڈی یکل اسٹور میں گیا تھا۔ جہاں سے اس نے کسی کو فون کال کی تھی۔“

”پھر اس کے بعد...؟“

”اس کے بعد بلیک آؤٹ۔ کوئی بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے اس کے بعد کی نقل و حرکت کے بارے میں معلوم ہو سکتا۔“

”شکریہ، مسٹر عمران! ذرا اس کا پتہ دوبارہ بتائیے گا۔“

”عمران نے جہاں گیر کا پتہ دہراتے ہوئے کہا۔ ”فیٹ مقتول ہے اور اس کا کوئی پڑو سی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔“

”ہم دیکھیں گے۔“ کرٹ فیضی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران ریسور

کریل پر کھکھ صدر کی طرف مڑا۔
 ”آپ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔“ صدر نے کہا۔
 ”کسی جلد بازی....؟“
 ”ابھی پانہ مٹانا چاہئے تھا۔ پہلے ہم اس کے فیٹ کی تلاشی لے لیتے۔“ صدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 ”میا تم مجھے بہت عکلنڈ سمجھتے ہو؟“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔
 ”اپنی باتیں آپ خود ہی جانیں۔“
 ”میں پچھلی رات ہی کو سارے مراحل سے گزر چکا ہوں۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”پچھلی شام کو اس لڑکے کا سراغ مل گیا تھا۔ اس نے جہاں گیر کی نشاندہی کی اور میں اس کے فلٹ تک جا پہنچا اور دبے شب کو فیٹ کی تلاشی لے کر اُسے دوبارہ مقفل کر چکا تھا۔“
 ”کچھ ملا.....؟“
 ”یقیناً... یہ دیکھو۔“ عمران نے جیب سے کافروں کا ایک گلزار انکال کر صدر کو تھادیا جس پر تحریر تھا۔ ”لڑا... ۸۸۳۷۱...؟“
 ”یہ کیا ہے؟“ صدر نے حیرت سے کہا۔
 ”تم بتاؤ...؟“
 ”میں کیا بتاؤں... لڑا اور یہ ہندسے... پھلا کیا بات ہوئی؟“
 ”ٹھہرہ! ایک نوٹ بک بھی مل تھی۔“ عمران نے پھر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”اس میں کچھ یادداشتی تحریر ہیں۔ جنہیں پڑھ کر تم، شاید کسی نتیجے پر پہنچ سکو۔“
 اس نے نوٹ بک کھول کر ایک صفحہ، صدر کے سامنے کر دیا۔
 ”لاحوال ولا قوہ...“ صدر نہیں پڑا اور پھر تحریر کو بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ ”بکرے کے ذمے ساٹھے چار روپے۔ مرغ اپلاس لے گیا تھا، ابھی تک واپس نہیں کیا۔ مگر ہر کے ذمے سات روپے، ٹیچ بن کے ڈیڑھ روپے دے دیئے ہیں۔ بھینسا قیچی لے گیا ہے۔“
 ”لیکن، بھینسا قیچی لے گیا ہے، کو قلمز کر دیا گیا ہے۔“ اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مکن ہے، بھینسا کیچی و اپن کر گیا ہو۔“ عمران نے جواب دیا۔
 ”میں نہیں سمجھا۔“
 ”کیچی و اپن مل جانے پر اُس نے اُسے قلمز کر دیا ہو۔“
 ”یہ آخر ہے کیا بللا؟“
 ”تم اپنے ایک پڑوسی کو نیوالا کیوں کہا کرتے تھے؟“
 ”اوہ تو یہ بات ہے۔“
 ”اچھا بھلا آدمی تھا، بھجارتہ... لیکن کسی وجہ سے تم اُسے نیوالا کہتے تھے۔“
 ”راہ پلتے بالکل نیوالوں کی طرح پلت پلت کر دیکھا کرتا تھا، خواہ خواہ۔“
 ”بعض لوگ اسی طرح کی کچھ علامتیں مقرر کر لیتے ہیں اور اپنے شناساؤں کو انہی علامتوں کے حوالے سے یاد کرتے ہیں۔ جہاں گیر میں یہ مرض کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا ہے۔“
 ”مکن ہے، آپ کا خیال درست ہو۔“
 ”بکرے، مرغے اور مگرہری سے تو شاید ہماری ملاقات نہ ہو سکے لیکن مٹاشاہید مل جائے۔ اس صورت میں کہ اگر یہ اس کے فون نمبر ہوئے۔“
 ”یہ ہندسے....؟“
 ”ہاں، یہ فون نمبر بھی ہو سکتے ہیں اور جس کے فون نمبر ہوں وہ جہاں گیر کو مٹے سے مشابہ لگتا ہو۔“
 ”ضروری نہیں کہ فون نمبر ہوں۔“
 ”دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟“ عمران نے کہا اور پھر فون کی طرف پلت گیا۔ نمبر ڈائل کیے۔ ریسیور کان سے لگا۔ دوسری طرف گھنٹی نج کر رہی تھی۔ دھنٹا آواز آئی۔ ”ڈاکٹر فوریل کی قیام گا۔“
 ”سوری، رائٹ نمبر“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔
 ”کیا واقعی کسی کے فون نمبر ہی تھے؟“ صدر نے پوچھا۔
 ”بالکل.... کسی ڈاکٹر فوریل کے گھر کے نمبر۔“ عمران نے کہا۔ ”اور اب تم یہ معلوم کرو گے کہ جس عمارت کا یہ فون نمبر ہے، وہ کہاں واقع ہے اور یہ ڈاکٹر فوریل کون ہے، اور کیا اس عمارت میں کوئی ایسا فرد بھی موجود ہے جس پر مٹے والی علامت فٹ ہو سکے؟“

”کتنا وقت دیں گے؟“
”دو گھنٹے کافی ہوں گے۔“
”فون نمبر سے جگہ کی شاندی کے لئے زیادہ وقت چاہئے۔“
”قطعی نہیں، دس منٹ کی بات ہے۔“
”آج یوں بھی چھٹی کا دن ہے۔“

”شاید تم اوگھے رہے ہو۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”ساٹکو مینشن کے آپریشن روم میں کبھی چھٹی نہیں ہوتی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ساٹکو مینشن اپنی اسٹیل ٹیلی فون ڈائریکٹری رکھتا ہے۔“
”واقعی شاید میں اوگھے ہی رہا تھا۔ پارٹ تھری میں فون نمبروں سے جگہوں کی شاندی کی گئی ہے۔“

”پارٹ فور میں۔“
”بہر حال....“ صدر طویل سانس لے کر بولا۔ ”میں جلد سے جلد معلومات فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”میں یہاں ملوں گایا کیپپن فیاض کے گھر... اس کے فون نمبر تو ہوں گے... تمہارے پاس؟“
”جی ہاں۔“ صدر اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا انپکٹر شاہد ابھی تک نہیں پڑا؟“

”کوئی بڑا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔“
”آخر کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے؟“

”عمران گھٹری دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم وقت ضائع کر رہے ہو۔“
”واقعی....“ صدر اٹھتا ہوا بولا اور فلیٹ سے نکل گیا۔

”عمران نے سلیمان کو آواز دی لیکن اس کی بجائے گلرخ آئی۔
”تو سلیمان کب سے ہو گئی ہے؟“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”وہ آرام فرماتے ہیں پہلی رات سینڈ شو میں تشریف لے گئے تھے۔“
”آپ نہیں تشریف لے گئی تھیں۔“

”اس کے ساتھ جاؤں گی.... تھرڈ ریٹ فلمیں دیکھتا ہے۔“ ”لگر دی لگڑی“ جیسی فلم میں نے دیکھ لی تو میرا کیا حال ہو گا؟“

”حال تو واقعی مناسب نہ ہو گا۔ لیکن آخر اس کا بھی تدول چاہتا ہو گا کہ تو اس کے ساتھ گھونٹے پھرنے جیا کرے۔“
”بس.... وہ ہاتھہ اٹھا کر بولی۔“ اپنی صحیح اپنے پاس ہی رکھتے۔
”جب بہت بہتر۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔
”کس نے آواز دی تھی، اُسے؟“
”یہ پوچھنے کے لئے کہ ناگوں والے مرغ بازار میں ابھی آئے یا نہیں؟“
”گل رخ منہ پر ہاتھ رکھ کر بنس پڑی۔“
”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“
”واقعی بہت دونوں سے آپ کو مرغ کی تائکیں نہیں ملیں۔ وہ کہتا ہے کہ اتنا بڑا آدمی تائکیں کیا کھائے گا.... اور ایک خود کھالیتا ہے اور دوسرا مجھے کھلا دیتا ہے۔“
”اتا بڑا آدمی.... یہ کس کا ذکر ہے؟“
”آپ کا صاحب جی!“ وہ لہک کر بولی۔
”اچھا.....“ عمران اس سے بھی زیادہ خوش ہو کر بولا۔ ”پورا مرغ، تم دونوں کھالیا کرو۔ میں بھیک مانگ کر گزارہ کر لیا کردوں گا۔“
”خدانہ کرے۔“
”تم دونوں مجھے اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو تو اب یہی سہی۔“
”میں ہر معاملے میں بے قصور ہوں۔ یہ سب کچھ وہی کرتا ہے۔“
”تجھے سے شادی بھی تو اُسی نے کی تھی۔“
”بڑے سرکار کی دھونس تھی ورنہ میں تو اُسے جو تی کی نوک پر بھی نہ مارتی۔ چوبدری سلیمان ہونہے.... ایسے ہی جوٹ کے پلے باندھنا تھا تو پھر مجھے میڑک تک پڑھوایا کیوں تھا؟“
”اتھے قابل آدمی کو جوٹ کہہ کر کیوں اپنی عاقبت خراب کرتی ہے؟“
”قابل.... وہ بنس پڑی۔“
”خیر.... خیر.... ہاں تو میں باہر جا رہا ہوں۔ میری کوئی کاں آئے تو کہہ دینا کہ میں.... لیکن کیا کہہ دینا؟“ عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور گلرخ بولی۔

”کہہ دوں کہ اور سیر فلاٹی کر گئے ہیں۔“

”نہیں۔ بڑی فلاٹی پکڑنے گئے ہیں۔“

”یہ آخر تھی کو بڑی فلاٹی کیوں کہتے ہیں۔ بڑے معنی ہیں کھنچن۔ اور فلاٹی کمپنی کو کہتے ہیں۔ کھنچن کمپنی۔ کیا بات ہوئی۔“

”بڑا خوش قسمت ہے، سلیمان کہ تو اس سے اتنے بے ذہب سوال نہیں پوچھ سکتی۔“

عمران مخفی سائنس لے کر بولا۔

”یہ انگریز ہوتے ہیں، بولے!“

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ کہہ دیکھو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔“ عمران نے بوکھلائے ہوئے لجھے میں کہا اور فلیٹ سے باہر آگیا۔

انپکٹر شاہد کے سلے میں، اسے بھی تشویش تھی۔ لہذا وہ کیپشن فیاض کی طرف چل پڑا۔ چھٹی کارڈن تھا اس لئے گھر ہی پر ملاقات ہو سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ چھٹی گھر ہی پر گزارتا ہے۔

تو ہوڑی دیر بعد اس کی ٹوپی، فیاض کے بنگلے کی کپاؤٹ میں داخل ہوئی اور فیاض کا ملازم، عمران کو دیکھ کر دوڑا آیا۔

”صاحب اور بیگم صاحب تو موجود نہیں ہیں۔“ اس نے اطلاع دی۔

”کیوں بکواس کر رہا ہے؟“ اس کے عقب سے آواز آئی اور عمران چوک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کرائے کی باڑھ کے پیچھے سے ایک چہرہ ابھر اتھا۔۔۔ اور پھر وہ شخصیت پوری کی پوری سامنے آگئی۔

یہ ایک ستر سالہ بوڑھا تھا۔ کلین شیو اور بے حد بھڑکدار رنگیں بشرث اور گہری نیلی پتلون میں کچھ عجیب سالگ رہا تھا۔ چہرے پر لا تعداد جھریاں تھیں لیکن آنکھوں میں بچوں کی آنکھوں کی سی شوخی پائی جاتی تھی۔

ملازم اس کی طرف مڑا اور اس نے جھلائے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”تم ہر ایک کو یہی اطلاع دے کر رخصت کر دیتے ہو۔“

”پھر کیا کروں، جناب؟“

”ہو سکتا ہے یہ مجھ سے ملنے آئے ہوں۔۔۔ کیوں جناب؟“

”نج.....جی.... ہا۔“ عمران ہکلا کر بولا اور اس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برنسے گئے۔

”آئیے، آئیے... تو پھر اتر آئیے، گاڑی سے۔“

”نج.....جی.... بہت اچھا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور گاڑی سے اتر آیا۔ فیاض کا ملازم طویل سائنس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ عمران کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ بوڑھا، عمران کو ڈرانیگ روم میں لے آیا۔

”تشریف رکھئے۔“ اس نے عمران سے کہا۔

”مم.... مجھے افسوس ہے کہ نہیں لاسکا۔“

”کیا نہیں لاسکے؟“

”تت.... ترشیف....“

”میں نے کہا تھا، تشریف رکھئے.... یعنی بیٹھ جائیے۔“

”شکریہ، شکریہ.... میری اردو کچھ گزبری ہے۔ بچپن ہی میں انگستان بیچ دیا گیا تھا۔“

”اوہ.... اچھا، اچھا....“ بوڑھا مسکرا کر بولا۔ ”میں، فیاض کا سسر ہوں۔“

”آپ مقام کر رہے ہیں؟“ عمران بے تینی سے ہنس کر بولا۔

”کیا مطلب؟“ بوڑھا سمجھیدہ ہو گیا۔

عمران گزبرہ کر بولا۔ ”مم.... مطلب یہ کہ آپ اتنے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

سر کیسے ہو سکتے ہیں؟“

”جانتے ہو سر کے کہتے ہیں۔“

”شاید کچھ واہیات کی بات ہے۔ کیونکہ میرا دو وہ والا اپنے ملازم کو ابے سر بے کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔“

”کوہاں، بعض جاہل لوگ، الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ سر، یہوی کے والد کو کہتے ہیں۔“

”اوہ، تو آپ بیگم صاحب کے والد ہیں۔“ عمران خوشی کے انہمار میں اچھل پڑا اور بڑی گرم جوشی سے مصافہ کرتا ہوا بولا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں جناب! لیکن لفظ سر پر مجھے اب بھی اعتراض ہے۔ ارے یہوی کے والد کو سکندرِ اعظم ہونا چاہئے۔“

"کیا ب میر اماد اڑاؤ گے؟"

"ہر گز نہیں جتاب! عمران دونوں ہاتھوں سے منہ پشتا ہوا بولا۔" اور یوی کی والدہ صاحبہ کیا کھلاتی ہیں؟"

"آپ کی یوی کی والدہ صاحبہ کیا کھلاتی ہیں؟" بوڑھے نے بھنا کر پوچھا۔

عمران نے شرنا کرنے صرف سر جھکایا بلکہ دائیں ہاتھ سے باسیں ہاتھ کی انگلیاں بھی مردھنے لگا۔

"جواب نہیں دیا آپ نے؟"

"نج..... جی..... ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"اچھا..... اچھا" بوڑھا اسے دچپی سے دیکھتا ہوا بولا۔ "یوی کی والدہ کو خوشدا من کہتے ہیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن آپ جیسا اسلامت اور پہنڈ سُم آدمی سر کھلائے، یہ مجھے گوارا نہیں..... خوشدا من، واہ وا..... میں تو اپنے ہونے والے سر کو ہرگز سر نہیں کھوں گا۔ خوش پگڑی یا خوش ٹوپی کیمار ہے گا، خوشدا من کی منابعت سے؟"

"تم دلاغ سے تو اترے ہوئے نہیں ہو؟" بوڑھا اسے گھورتا ہوا بولا۔

"بھی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"تم آخر ہو کون؟ اور فیاض سے کیوں ملنے آئے ہو؟" بوڑھے نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر یک چونک کر بولا۔ "تمہارا نام عمران تو نہیں ہے؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" عمران ایک بار پھر اچھل پڑا۔

"یار، تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ بے بی سے تمہارے بڑے تذکرے سننے ہیں۔"

"لیکن بات سر ہی پر رکی رہے گی۔"

"ختم بھی کرو۔ یہ لفظ مجھے بھی اچھا نہیں لگتا لیکن کیا کیجھ کہ اپنے یہاں بی بی رانگ ہے۔"

"چلے، آپ کہتے ہیں تو میں بعد افسوس اس موضوع کو ترک کرتا ہوں۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ میں شدت سے بورہ رہا تھا۔ یہاں آؤ تو کوئی بات کرنے کو نہیں ملتا..... بے بی سدا کی کم خن ہے اور رہے فیاض صاحب! تو انہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"تو پھر آپ آتے ہی کیوں ہیں؟"

"جبوراً آتا پڑتا ہے۔ اس بار ایک اہم مسئلہ کھنچ لایا ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ بے بی لاولہ ہے۔ میرے ایک دوست نے اطلاع دی تھی کہ یہاں آج کل ایک غیر ملکی لیڈی ڈاکٹر مس فوریل مقیم ہے جو اس معاملے کی ماہر ہے۔ بے شمار لاولد لوگ اس کی کوششوں سے با مراد ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی دیکھوں۔"

فوریل کے نام پر عمران کے کان پہلے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ سکون سے منتاز ہا۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔ "میر اودہ دوست بھی ڈاکٹر ہی ہے اور مس فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے طریق کار کا مطالعہ کرے۔"

"تو آپ بیگم فیاض کا علاج کرائیں گے؟"

"ہاں، میں اسی لئے آیا ہوں۔"

"تو پھر اس لیڈی ڈاکٹر کو دکھاریا؟"

"ابھی نہیں۔" بوڑھے نے گھری دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر ڈیوڈ یعنی میر اودہ متوجہ سے آ رہا ہے۔ پندرہ منٹ بعد یہاں پہنچ جائے گا۔"

"تو یہ ڈاکٹر ڈیوڈ ہی مس فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے؟"

"ہاں۔ اس کا کہنا ہے کہ فوریل حیرت انگیز عورت ہے۔ متعدد مایوس خواتین، اس کے طریق علاج سے با مراد ہو چکی ہیں۔"

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"آخر تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"

"کسی سے شادی کی درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور ڈیوڈ کہتے ہیں کہ جہاں دل چاہے، شادی کرلو۔ میں دخل نہیں دوں گا۔"

"بڑے خوش قسمت ہو۔ میرے ڈیوڈ اس معاملے میں بے حد سخت ہیں۔"

"آپ کے ڈیوڈ....!" عمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ہاں.... وہ زندہ ہیں اور مجھ سے بھی زیادہ زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔ پچانوے سال عمر ہے۔ مجھ سے زیادہ تندروست ہیں اور پچھلے ہی سال ایک گوگی خاتون سے شادی کی ہے۔"

"صیکس! " عمران سر ہلا کر بولا۔

”کیا مطلب؟“

”گوگلی خاتون... وہ، اس عمر میں اتنی عاقبت اندری، ہر ایک کے بیس کاروگ نہیں۔ میں بھی ان کی زیارت ضرور کروں گا۔“

”اب میرے باپ کا مذاق اڑاگے۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ سب لاجواب ہیں۔ کیا فیاض صاحب کی خوشدا من تشریف نہیں لائیں؟“

”وس سال ہوئے، وہ دوسری دنیا میں تشریف لے گیں۔“

”ہمیں تو کیا آپ نے پھر شادی نہیں کی؟“

”نہیں....“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”والد، والد ہی ہوتا ہے۔“ عمران معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”کیا مطلب؟“

”آپ کے والد نے پیچاوے سال کی عمر میں شادی کی اور آپ اتنی جلدی ہستہ ہار بیٹھے۔“

”یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“

”انہیں میرے لئے بھی کسی گوگلی ہی کی تلاش ہے۔“

”ارے تو اسی سے کر دیتے، جس سے خود کی ہے۔“

”کیوں بکواس کرتے ہو۔ ان سے تو ان کا رومان چل رہا تھا۔“

”رومان بھی۔“ عمران کامنہ کھلا کا کھلا رہا گیا۔

وہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم نے آکر کسی کی آمد کی اطلاع دی اور بوڑھا عمران کو وہیں چھوڑ کر خود اس کے استقبال کے لئے دوڑا چلا گیا۔

عمران نے دیدے نچائے اور ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا ایک عجیب الخلق تاذی کے ساتھ ڈرائیک روم میں داخل ہوا۔ وہ بھی بوڑھا ہی تھا۔ عمر کے اعتبار سے غیر معمولی طور پر چاق و چوبنڈ اور پھر تیلا نظر آ رہا تھا۔

”میرے دوست۔ ڈاکٹر ڈیوڈ۔“ فیاض کے سر نے تعارف کر لیا۔ ”اور یہ ہیں مسٹر عمران۔“

”ہاؤ ڈو یو ڈو۔“ بوڑھے نے لاپرواہی سے عمران کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس کی توجہ فیاض کے سر ہی کی جانب تھی۔ لیکن پھر اسے چوکتا ہی پڑا۔ جب عمران نے مصافی کرنے کی بجائے اس کی ہتھیں کو واٹگی سے سہلا کر ہاتھ ہٹالا۔

وہ عمران کو گھورتا رہا۔ فیاض کا سر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم پھر کمرے میں داخل ہو کر عمران سے بولا۔ ”آپ کی فون کال ہے، صاحب!“

”م... میری...!“ عمران چونک کر بولا۔ ”چھا۔“

وہ ملازم کے ساتھ اس کمرے کی طرف چل پڑا۔ جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

”ان سر صاحب کا نام کیا ہے؟“ عمران نے اس سے پوچھا۔

”آپ نہیں جانتے؟“ ملازم نے حیرت سے پوچھا۔

”میں پہلی بار ملا ہوں۔“

”شلی صاحب کہلاتے ہیں۔ مغز چاٹ ڈالتے ہیں۔ ہر وقت کوئی باتیں کرنے کو چاہئے۔“

عمران نے سر کو جبکش دے کر رسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے صدر کی آواز سنائی دی۔

”اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی مٹا نہیں تھا۔ جو ابھی ابھی فیاض کے بنگلے میں

داخل ہوا ہے۔“

”اور یہ کہ فوریل کوئی مرد نہیں، بلکہ عورت ہے۔“ عمران نے کہا۔

”آپ جانتے ہیں؟“

”ہاں، ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔ عمارت کہاں ہے؟“

”ماڑی ناؤں۔ کوئی نمبر ایف ایک سو گیارہ۔ واقعی بتائیے، کیا وہ مٹا نہیں لگتا؟“

”صد فیصد۔“

”لیکن فیاض کے بنگلے میں اس کا کیا کام؟“

”پھر بتاؤں گا۔“ کہہ کر عمران نے رابطہ مفقط کر دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈرائیک روم میں واپس جائے یا نیلیں سے رخصت ہو جائے۔ اچاک اس نے فیاض کی آواز سنی جو شاید کسی ملازم کو ہدایات دے رہا تھا۔

”بہت انتظار کرتے ہو۔“ عمران نے کمرے سے برآمد ہو کر کہا اور فیاض چونک کر اسے

"یار، تم آئی۔ ام۔ آئی والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ کریں فیضی، جو نک ہے جو نک... زندگی
تھی کر دی ہے۔"

فیاض نہ پڑا۔ پھر بولا۔ "اب آئے ہو، پہلا تھے۔"
"تمہاری بدوبلت۔"

"بہت پریشان کیا ہے، تم نے مجھے۔ اب دیکھوں گا۔"
"کیا تم سنگواد میں دلچسپی نہیں لے رہے؟"

"قطعی نہیں.... جن معاملات کا برآوراست مجھ سے تعلق نہ ہو۔ ان کی طرف میں آنکھ
امحک کر بھی نہیں دیکھتا۔ ناجربہ کاری کی بناء پر شاہد سے وہ غلطی سرزد ہوئی تھی۔"

"اور پھر اس نامعقول نے مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لپیٹ لیا۔ آخر اس دوران میں میرے
پاس آنے کی کیا ضرورت تھی، اچھا تھا۔"

"وہ تیز خراہی سے باہر نکلا۔ خدا شفا کا کہنیں پھر شبلی سے مدد بھیڑنہ ہو جائے۔

ٹو سیڑ کو کپاڈ نہ سے نکال کر سیدھے راستے پر گئے کی بجائے سامنے والی عمارت کی طرف
لیتا چلا گیا۔... اور وہیں ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں سے فیاض کے بیٹکے کی گرفتاری کر سکتا۔ وہ
ڈاکٹر ڈیوڈ کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

جہاں گئر جسے لفٹنگ کے پاس ڈاکٹر فوریل نے فون نمبر کا کیا کام؟ اور پھر فون نمبر کے ساتھ
ڈیوڈ کا عالمی نام بھی موجود تھا۔ لہذا اسے نظر انداز کر دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد ڈاکٹر ڈیوڈ کی کار بیٹکے کی کپاڈ نہ سے نکلی اور سڑک پر بائیں جانب مڑ گئی۔
چند لمحوں بعد عمران خاصے فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ جہاں کہیں بھی سراغ کھو دینے
کا خدا شپیدا ہوتا اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا کر اس کے قریب ہو جاتا۔ لیکن ڈیوڈ کی گاڑی ماؤں
ٹاؤن کی طرف نہیں جا رہی تھی۔ پھر وہ شہر سے باہر نظر آئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کے ایندھن ظاہر کرنے والے میز پر نظر ڈالی اور مطمئن ہو گیا۔ وہ
ذکر میں بھی زائد پیروں رکھنے کا عادی تھا۔ اس نے بے ٹکری سے تعاقب کرتا رہا۔ اچانک اس
نے گلی گاڑی کو ایک کچھ راستے پر مڑتے دیکھا اور الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن فوری طور پر احساس ہوا
کہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک کا موڑ خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ وہ اپنی گاڑی آگے لیتا

حرمت سے دیکھنے لگا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے بالآخر سوال کیا۔

"تمہارے خوش گپڑی نے روک لیا تھا۔ درنہ میں تو وہ اپس جا رہا تھا۔"

"خوش گپڑی....!"

"وہ بد تمیزی کا لفظ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"شبلی صاحب نے روک لیا۔"

"اوہ...." فیاض طویل سانس لے کر رہا گیا۔

"تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا کہ کوئی ایسی شے بھی تمہاری زندگی میں پائی جاتی ہے۔"

"میں نے تمہاری آمد کا مقصد پوچھا تھا۔"

"انپکٹر شاہد۔"

"تمہیں اس سے کیا سرد کار؟"

"تم نے خواہ مخواہ آئی ایس آئی والوں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"وہ آخر تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟"

"پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ کبھی کبھی مجھ سے ملتا رہا ہے۔ ہاں تو اس کا سراغ ملایا نہیں؟"

"نہیں۔ شاید تم...." فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں، شابش... کہہ ڈاکو، جلدی سے۔ کیونکہ شبلی صاحب کے پاس ڈاکٹر ڈیوڈ تمہارا ہی

مفتر ہے۔"

"لا حل ولا قوتہ.... بڑے میاں کا تو دماغ چل گیا ہے۔ ہم جیسے بھی ہیں، صحیک ہیں۔"

"اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

فیاض نے اسامنہ بنائے ہوئے دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا، خدا حافظ" عمران مصانعے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولा۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" فیاض مصانعے کرتا ہوا بے یقینی سے بولا۔ "تم محض شاہد کے

لئے آئے تھے۔"

چاگیا اور بائیں جانب نظر دوڑا۔ نشیب میں ڈیوڈ کی گاڑی صاف نظر آری تھی۔

عمران نے اپنی گاڑی، سڑک کے کنارے لگا کر روک دی اور ڈیوڈ کی گاڑی پر نظریں جائے رہا۔... خاصے طویل و عریض میدان کے بعد باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان ہی باغات میں سے ایک میں اس نے ڈیوڈ کی گاڑی کو داخل ہوتے دیکھا۔ اور اپنی گاڑی اشارت کرنے کے موڑ دی۔... پھر آگے جا کر وہ بھی کچھ راستے پر ٹریگی۔

لیکن باغات کے قریب پہنچ کر اندازہ لگانا دشوار ہو گیا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کس باغ میں داخل ہوئی تھی۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ ان ہی باغات میں سے کسی ایک میں رکا بھی ہو۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کچار اتر کسی باغ میں سے بھی گزرا ہو، اور اس کے سفر کا اختتم ہی نہ ہوا ہو۔ بہر حال اس نے بے یقینی کے عالم میں گاڑی کو ایک باغ کے راستے پر ڈال دیا۔

راستہ ناہموار تھا۔ اس نے تیز رفتاری سے گاڑی نہیں چلانی جاسکتی تھی.... جھازیوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی وہ کھلے میدان میں نکل آیا۔ لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ آموں کا باغ تھا۔ اس سے گزر کر اس نے گاڑی بائیں جانب موڑی تھی کہ ڈیوڈ کی کار دھکائی دی لیکن وہ خالی تھی اور ڈیوڈ کا دور درستک پتا نہیں تھا۔

وہ اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور پھر اسے جھازیوں کے ایک ایسے سلسلے کی اوٹ میں روک دیا جہاں سے وہ ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھ سکتا۔ دشواری یہ تھی کہ ڈیوڈ اسے دیکھ چکا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی اُسے چونکا دیتی۔

اس نے اجنبی بند کر دیا اور جیب سے چیو ٹائم کا پیکٹ نکال کر چھلانے ہی والا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کے انجمن کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ گاڑی بھی اؤھر ہی سے آری تھی، جدھر سے وہ خود آیا تھا۔ دفعتاً ایک وزنی ٹرک ٹھیک ڈیوڈ کی گاڑی کے برابر ہی آکر رک گیا۔ ذرا دیر اجنب کی آواز سنائی میں کوئی نجتی رہی۔ پھر اسے بند کر دیا گیا۔ ذرا نیک سیٹ سے اُتنے والا کسی طرح بھی کوئی پیشہ ور ذرا سیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک طرف پل پل۔ لیکن پھر عمران نے اُسے رکتے دیکھا۔ وہ مزکر اپنے ٹرک سے کچھ آگے دیکھنے لگا تھا۔ پھر ٹرک ہی کی طرف پلٹ آیا۔ عمران سیدھا ہو بیٹھا۔ شاید اس کی گاڑی کے

پہیوں کے نثایات پر اس کی نظر پر گئی تھی۔

اب وہ ان ہی نثایات کو نظر میں رکھے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ عمران نے اکینش سے سمجھی کہاں اور نیچے اتر کر بڑی آہنگی سے دروازہ بند کیا پھر گاڑی کو مقلع کر کے جھازیوں میں گھٹا چلا گیا۔



شاہد کی داہنی بائگ پر بخت سے ران کے وسط تک پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ لیٹا ہی رہ سکتا تھا لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہ یہاں کیوں لیٹا ہوا تھا۔ لاوارث تو تھا نہیں کہ صاحب خان نے ازرا و خدا ترسی اُسے یہاں روک رکھا ہو۔ ہوش آنے پر اسے بتایا گیا تھا کہ اس کی پیشی اور ران کی پیشیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ڈاکٹر نے کروٹ لینے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ لہذا چلتی ہی لیٹا رہ سکتا ہے۔

ایک فوجان اور خوبصورت لڑکی، اس کی تیماردار تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ باغ میں بیہوں پر املا تھا۔

”اور میری موڑ سائیکل؟“ شاہد نے کردا کر پوچھا۔

”وہ محفوظ ہے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تھا؟ ”تم یہاں ہمارے باغات میں کیا کر رہے تھے؟“

”مجھے چند لوگوں نے گھیر لیا تھا۔“ شاہد نے کہا۔

”یہاں، ہمارے باغات میں؟“ لڑکی کے باغ میں حرمت تھی۔

”ہاں، سیئیں.... اگر یہ غارت کسی باغ میں میں واقع ہے۔“

”ہماری یہ کوئی باغات کے درمیان ہی میں بنی ہوئی ہے لیکن یہاں کوئی کسی کو نہیں گھیر سکت۔“ ”وہ لوگ مجھے گھیر کر یہاں لائے تھے۔“ شاہد نے کہا۔

”ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ باہر ہی کے لوگ رہے ہوں۔“

”اس واقعے کو کتنا وقت گزر چکا ہے۔“

”پرسوں کی بات ہے۔ آپ پورے ڈھائی دن بیہوں شی کی سی کیفیت میں رہے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ شاہد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”آپ کہتی ہیں کہ میری ناگ کی ہڈی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے لیکن میں ذرہ برا بر بھی تکلیف نہیں محسوس کر رہا۔“

”یہ ہمارے ڈاکٹر کا مکمل بے وہ آپ کو ایسے انجشن دے رہا ہے کہ آپ تکلیف نہ محسوس کریں۔“

”میں نے آج تک ایسے انجشن کے بارے میں نہیں سنا جو ہڈی کی تکلیف کو اس طرح رفع کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ مریض کو مارڈ فیا کا انجشن دے کر سلاادا جائے۔“

”میں اس کے بارے میں تفصیل سے نہیں جانتی۔ آپ ڈاکٹر ہی سے پوچھ لیجئے گا۔“ لڑکی نے کہا۔

”خیر....“ شاہد طویل سانس لے کر بولا۔ ”آپ براو کرم میرے آفسر کو میرے حالات سے مطلع کراؤ جمعر۔“

”کس سے اطلاع پہنچوں گئی ہوں۔ یہاں فی الحال میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ دراصل ہم لوگ ایک بفتہ کی چھٹیاں گزارنے کے لئے شہر سے یہاں آئے تھے۔ اچاک اطلاع ملی کہ ہمارے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر آپ بے ہوش پڑے مل گئے۔ آپ کو طینی امداد فراہم کرنے کے بعد خاندان کے دوسرے لوگ شہر واپس پلے گئے اور مجھے یہ ذمے داری سونپ گئے کہ آپ کی دلکشی بھال کروں۔“

”میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اپنے بزرگوں میں سے کسی کے نام سے آگاہ تکچھے۔ شاید میں انہیں جانتا ہوں۔“

”میرے ڈیڈی کا نام شہزاد چوہدری ہے۔“

”چوہدری ملٹی انڈسٹریز والے تو نہیں؟“

”جی ہاں، وہی۔“

”اوہ.... انہیں کون شہ جانے گا۔ اتنے بڑے سو شل در کر اور نلک کے متمول ترین افراد میں سے ہیں۔ آپ لوگوں کو میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔“

”بالکل نہیں۔“ وہ نہ کر بولی۔ ”تکلیف میں تو آپ ہیں۔“

”اگر یہاں نہ ہوتا تو یقیناً تکلیف ہی میں ہوتا۔ ناگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ پتا نہیں کون سے اور کتنے قیمتی انجشن لگوائے گئے ہیں کہ تکلیف کا ذرہ برا بر بھی احساس نہیں ہے۔“

”پا نہیں، ڈیڈی جائیں۔“

”میرا نام شاہد ہے اور میں حکم سر اگر سانی کا اسپکٹر ہوں۔“

”غدا کی پناہ۔“

”کیا میری جیب سے میرے کاغذات نہیں برآمد ہوئے تھے؟“

”ہرگز نہیں۔ ورنہ ڈیڈی شہر کے تھے۔ آپ کے ہجھے کے کسی بڑے آفسر کو ضرور مطلع کر دیتے۔“

”تو ان بد معشوں نے میرے کاغذات بھی غائب کر دیے۔“ شاہد طویل سانس لے کر بولا۔

”ہوا کیا تھا؟“

”میں ایک مجرم کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ بھی موثر سائیکل ہی پر تھا۔ میں شہر سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ وہ ایک باغ میں داخل ہوا اور پھر میری بے خبری میں کمی افراد جھاڑیوں سے نکلے اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔“

”بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ لڑکی نے حیرت سے کہا۔

”واتھی کبھی میں آنے والی بات نہیں تھی لیکن شاہد تفصیل سے اسے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا جلدی سے بولا۔“ اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کہ آخر اس کے ساتھیوں کو کیسے علم ہو گیا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں اور وہ پہنچے ہی سے یہاں گھات لگا کر یہ نہ گئے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس بد معشوں نے خود ہی آپ کو تعاقب کی ترغیب دی ہو۔“

”آپ بہت ذہین ہیں۔“ شاہد سکر اکر بولا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو ہی نہیں ہے۔“ لیکن اب میں اپنے ہجھے کو کس طرح اطلاع دوں؟“

”میں کیا باتوں کوئی ملازم بھی موجود نہیں ہے۔“

”بڑی حیرت کی بات ہے کہ گھر واپس آپ کو تباہ چھوڑ گئے ہیں۔ جب کہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان باغات میں اس قسم کی وارداتیں ہو سکتی ہیں۔“

”انہیں علم ہے کہ میں اپنی حفاظت آپ ہی کر سکتی ہوں۔“ لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔

”مکالم ہے۔“

”پچھلے سال میں نے تین غندوں کو زخمی کر کے اپنے ایک خراپچی کو لئے سے چلایا تھا۔“

لڑکی نے فخر سے گردن اٹھا کر کہا۔
”اوہ... تو آپ... مجھے یاد ہے... کیا نام ہے، آپ کا؟“

”شہلا چوبڑی...“

”بُری خوشی ہوئی، آپ سے مل کر۔ واقعی آپ نے کمال کر دیا تھا۔ تم فائز کیے تھے اور
تینوں کی تالکیں بے کار ہو گئی تھیں۔“

”میں زانقل کلب سے بڑافی بھی لے پچھی ہوں۔“

”جی ہاں، مجھے علم ہے... واقعی آپ اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔“

”جوڑا اور کراٹے پر بھی دسترس رکھتی ہوں۔“

”ضرور ہو گی... ضرور ہو گی۔“

”کاش! میں اس وقت وہاں موجود ہو توی، جب وہ بدمعاش آپ پر حملہ آور ہوئے تھے۔“

”بد قسمی میری کہ ایسا نہ ہو سکا۔“

شہلا چوبڑی نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے پر تشویش لجھے میں کہہ دیا۔ ”ڈاکٹر ابھی تک نہیں آیا۔“

شہاب پکھنے بولاتے آئی تو اسے ہوش آیا تھا اور ڈاکٹر سے ابھی تک اُس کی ملاقات نہیں
ہوئی تھی۔

”کیا نیند آری ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ کیا میں بیٹھنے سکتا؟“

”ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر نے کروٹ یونک کی اجازت نہیں دی۔“

”پیر میں تکلیف تو نہیں ہے۔ پھر کیا حرج ہے؟“ شہاب نے کہا۔

”مجبوری ہے، نسٹر شہاب! ڈاکٹر ہدایت کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“

”خیر جی! آپ کی مرضی۔“ شہاب نے ٹھنڈی سائیلی۔ لڑکی نے اسے متاثر کیا تھا۔

”کھانے کے لئے کچھ لاوں؟“

”نہیں شکریہ.... ابھی بھوک نہیں ہے۔“

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور شہلا دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر شہاب
نے اسے کہتے سن۔ ”اوہ، ڈاکٹر صاحب! آئیے، آئیے۔“

اور اچاک شاہد کی نظر نوارد پر پڑی۔ عجیب الحلق تھی آدمی تھا۔ اسے دیکھ کر ذہن کی سطح پر
کسی نہیں کا تصور ابھر ا تھا۔ شاہد ہونٹ پھینک کر رہ گیا۔

”کیا حال ہے؟“ نوارد نے شہلا سے پوچھا۔

”خود دیکھ لجئے، اب ہوش میں ہیں۔“

وہ شاہد کے قریب آیا اور خاموشی سے اُسے بغور دیکھا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”ابھی
انجھشن لگیں گے۔“

”تلیں... لیکن نیرے پیر میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں ہے۔“ شاہد نے کہا۔

”یہ میرا اطریق علاج ہے۔“ ڈاکٹر مسکرا کر بولا اور اپنے پینڈ بیک سے ہانپھڈر مک سرخ ٹکالی۔
”کیوں نہ ڈاکٹر صاحب، میرے سمجھے کو اطلاق دے دیں۔“ شاہد نے شہلا کی طرف دیکھ کر کہا۔
”ہاں، یہ ممکن ہے۔“ شہلا بولی اور ڈاکٹر سے اس کا تعارف کرنے لگی۔

”اوہ، تو آپ پولیس آفسر ہیں!“ ڈاکٹر نے کہا۔

”جی ہاں، اور میری غیر حاضری میرے لئے دشواریاں پیدا کر سکتی ہے۔“

”میں، آپ کے آفسر کو ضرور مطلع کر دوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ پھر شاہد اُسے بتانے لگا کہ
اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔

ڈاکٹر سرخ تھوڑا کرچکا تھا۔

شہلانے اس کا بازو دبا کر رگ انجھاری اور ڈاکٹر نے انجھشن لگادیا۔

شاہد کا ذہن ایک بار پھر اندر ہیروں میں ڈھپتا چلا گیا۔

نے جانے کیوں اچاک شہلا کے چہرے پر تاگواری کے آنار پیدا ہو گئے تھے اور وہ ڈاکٹر کو کینہ تو ز
نظر دی سے دیکھے جاتے تھی۔ دفعتاً ڈاکٹر، اسکی طرف مز کر بولا۔ ”اب سے ہوش میں نہیں آتا چاہئے۔“

”میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی؟“ شہلا نے کسی قدر تلخ لجھ میں سوال کیا۔

”وہ مشین...“ ڈاکٹر اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

”پہلے بھی بتایا جا پکا ہے کہ بہاں بھلی نہیں ہے۔ مشین کیسے چلے گی؟“

”اس کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے تھوڑی دیر بعد ایک ٹرک بہاں پہنچ جائے گا۔ ٹرک کا انجن
چلا کر مشین کا تار اس کے ڈائینا مو سے نسلک کر دینا۔ مشین کا رام ہو جائے گی۔“

”کتنی دیر میشن چالنی ہوگی؟“

”مھڑی دیکھ کر دس منٹ... ہر تین گھنٹے کے بعد۔“

”مستقل درد سر... اور پھر یہ ایک پولیس آفیسر ہے۔“

”تم اس کی پرواہ مت کرو۔“

”ڈاکٹر ڈیوڈ... یہاں کا ایک معمولی کافیشل بھی بہت با اختیار ہوتا ہے۔“ شہلانے تاگواری سے کہا۔

”میں جانتا ہوں۔“

”ڈیڈی ایک باعزت آدمی ہیں۔ قانون کا احترام کرتے ہیں۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔“

”تو پھر...“

”تو پھر کچھ بھی نہیں۔ جب میں اسے دوبارہ ہوش میں لاوں گا تو یہ سب کچھ بھول چکا ہو گا۔ حتیٰ کہ اسے اپنا نام تک یاد نہیں آئے گا۔“

”میں ہمیشہ کے لئے؟“

”اپنے کام سے کام رکھو، لیکی! اتنے سوالات کیوں کر رہی ہو؟“

”سوالات اس لئے کر رہی ہوں کہ یہ سب کچھ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”اسے سمجھتا، تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔“

”تو پھر سوال یہ یہدا ہوتا ہے کہ میں تمہارے مشوروں پر عمل کیوں کروں؟“

”تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم اس کے لئے جبور ہو۔“

”یکیا مطلب؟“ شہلا کی بھنوں تن گنیں۔

”ہر سوال کا جواب اپنے باپ سے طلب کرتا... اور یہ وارنگ ہے کہ اگر تم نے میری ہدایات کے خلاف کچھ کیا تو تمہارے باپ کی گردن میں پھانسی کا پھندا ہو گا۔“ ڈاکٹر نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جماعتیں اس کے قد سے بھی کمی فٹ اونچی تھیں اور اتنی کھنی تھیں کہ وہ بآسانی خود کو چھپائے رکھ سکتا تھا لیکن چلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

پھر وہ اسی جگہ جا پہنچا جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ ٹرک سے اتنے والا گاڑی کے قریب اکڑوں بیٹھا ہوا نظر آیا اور گاڑی کا ایک گوشہ جھکا ہوا تھا۔ شاید وہ ایک ناٹر کی ہوا نکال پکا تھا اور اب شاید دوسرا سے پہاٹھ صاف کرنے کا راہ درکھستا تھا۔ عمران جماعتیوں سے نکل کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”اڑے... اڑے... یہ تم... مم... میری گاڑی کی ہوا کیوں نکال رہے ہو؟“ اس نے احتقانہ انداز میں کہا اور ٹرک ڈرائیور یہکہ بیک انٹھ کھڑا ہوا۔

”تمہیں باغ میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ ”ضف... ضرور نہیں۔“ عمران ہکلایا۔ ”ضرور ناجھے۔ گھنی جماعتیوں کی تلاش تھی۔“ ”بھاگ جاؤ۔“

”لک... کیسے بھاگ جاؤ؟“ عمران نے بے بی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خخت... تم نے تو ہوانکال دی ہے۔“

”اپسیروں ہیل نکال کر لگاؤ اور نو دیگیا رہ جاؤ۔“

”واہ، میں کیوں لگاؤں، اپسیروں ہیل؟“ تم نے ہوانکالی ہے اس لئے تم ہی لگاؤ۔“ عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔

”بکواس مت کرو۔ جتنی جلد ممکن ہو، یہاں سے دفع ہو جاؤ، ہری آپ!“

”عمران نے جب سے کنجی نکال کر ڈگی کھوئی اور جیچے پہنچا ہوا بولا۔“ جک اور اسپر و ہیل موجود ہیں۔ جلدی سے تبدیل کر دو۔“

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔“ ٹرک ڈرائیور اکڑ کر بولا۔ ”میں پہیہ تبدیل کروں گا؟“

”زندگی عزیز ہو گی تو ضرور کرو گے۔“

”یہ بات ہے۔“ سفاک ہی مسکراہٹ، ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھنے لگا۔

عمران اس کے ارادے سے بخوبی واقف تھا لیکن ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑا رہا۔

بالآخر عمران کی نظر اس عمارت پر پڑی جو باغات کے وسط میں واقع تھی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔

ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہت تھی جیسے قریب پہنچ کر اس کی ٹھوڑی کوہاٹج لگا رک خوشامد انہے لبھ میں کہے گا کہ ابھی بچوں کی طرح خود ہی پہیہ تبدیل کرلو لیکن تین قدم کے فاصلے پر پہنچ کر جھپٹ پڑا۔

عمران نے پھرتی سے باسیں جانب ہٹ کر چھلانگ لگائی اس طرح کہ اس کی دامنی لات، ٹرک ڈرائیور کی باسیں کٹپٹی پر پڑی اور وہ اچھل گردور جاگر۔ پھر عمران اُسے اٹھنے کی مہلت کب دینے والا تھا۔ دوسرا ٹھوک رکس کے باسیں پہلو پر پڑی اور وہ کراہ کر پلٹ گیا۔ تیری ٹھوکر کرس پر پڑی لیکن وہ پھنسی پھنسی سی آداز میں چینا۔ ”نہیں“

عمران رک گیا اور ٹرک ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے لیال پہلو دبائے رک رک کر سانس لیتا رہا۔ ”اٹھو...“ اور پہیہ تبدیل کرو، ورنہ میں جان سے بھی مار سکتا ہوں۔ ”عمران اُسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا اور گاڑی کے قریب گھینٹ لایا۔ اسی دوران میں اس کی جیسیں بھی ٹولی لی تھیں۔ وہ غیر مسلسل تھا۔

”چلو، جلدی کرو۔“ عمران نے اُسے ڈگی کی طرف دھکا دیا۔ وہ کھلنی ہوئی ڈگی پر دونوں ہاتھ بیک کر جھک گیا اور ہانپتا رہا لیکن اُس کے چہرے پر خوف کی بجائے غیض و غصب کے آثار تھے۔ اچانک وہ ڈگی سے جیک نکال کر عمران کی طرف گھوما۔ اگر عمران پھرتی سے میٹھ نہ گیا ہوتا تو سر کے کئی ملکرے ہو جاتے۔ وحشانہ انداز میں پھینکا ہوا جیک، اُس کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔ وہ پھر ڈگی سے اور کچھ نکال لینے کے لئے مراہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور اس بار تور گڑھی کر رکھ دیا۔

نتیجہ ظاہر ہے۔ وہ اس قابل نہ رہا کہ اُس کی خواہش کے مطابق گاڑی کا پہیہ بدیں سکتا۔ عمران نے اُس کی ٹائی کھول کر ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور پیروں کی بندش کے لئے اپنی ٹائی اختصار کی۔

شاید عمران کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ اس نے اس بار اُسے ہوش میں نہ رہنے دیا۔

پھر اُسے گاڑی کے پاس سے ہٹا کر جھازیوں میں پہنچاتے وقت اُس نے دیکھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ عمارت سے نکل کر اُس طرف جا رہا ہے جہاں اُس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ عمران جلدی

نے اپنی گاڑی میں آبیٹھا تاکہ اُس پر نظر رکھ سکے۔

ڈیوڈ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے ٹرک تک آیا اور ادھر اور ڈھنڈ کیمختے گا۔ شاید اُسے ٹرک ڈرائیور کی تلاش تھی۔ وہ ٹھوڑی دیر تک یونہی کھڑا رہا پھر ٹرک کی ڈرائیورگ سیٹ پر جائیا۔

انجن کی آواز سنائے میں گوئختے لگی اور عمران نے ٹرک کو حرکت میں آتے دیکھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ اُسے موڑ کر عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ عمران پھر اپنی گاڑی سے اٹر کر جھازیوں میں جا گھسنا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹرک عمارت کے قریب کھڑا کر دیا تھا۔ دھنٹا عمران کو ایک لڑکی نظر آئی جو عمارت کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ٹرک سے اٹر کر لڑکی سے کچھ کہنے لگا تھا۔

پھر لڑکی تو دوہیں کھڑی رہی تھی اور ڈاکٹر ڈیوڈ شاید واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔ کیا وہ، اس کا تعاقب جاری رکھے؟ عمران نے خود سے سوال کیا۔ وہ پھر اسی مقام پر واپس آگیا جہاں سے ڈاکٹر

ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھی تھی اور یہاں پہنچ کر اُسے یاد آیا کہ اس کی گاڑی فی الحال بیکار ہو چکی

ہے۔ جتنی دیر میں وہ پہیہ تبدیل کرے گا، ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی نظر دن سے او جھل ہو چکی ہو گی۔ وہ طویل سانس لے کر رہا گیا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہونتے کی آواز عمران نے سنی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کو داہیں جانب مڑتے دیکھا رہا۔

ٹھوڑی دیر تک گم سم میٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی گاڑی سے اٹر کر جھازیوں میں جیک تلاش کرنے لگا۔

ٹرک ڈرائیور اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔ جیک مل جانے کے بعد اُس نے سب سے پہلے گاڑی کے گھوڑ پارٹمنٹ سے اڈیسویٹ نکال کر ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر چکا دیا تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی میں عمارت کے برآمدے کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ ٹرک بھی دوہیں موجود تھا۔ عمران نے گاڑی کا پارنا بھاٹا شروع کر دیا اور ٹھوڑی دیر بعد وہی لڑکی برآمدے میں نظر آئی جسے پکھہ دیر پہلے بھی دور سے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اُسے قریب سے دیکھ کر اُسے چوکنا پڑا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کو پہچانتا تھا۔

وہ گاڑی سے اٹر آیا اور اُس نے محسوس کیا کہ لڑکی اُسے اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

”دوسری ناگٹ غلطی سے خالی رہ گئی ہو گی۔“ عمران نے کہا۔
 ”اپنا نام شاہد بتاتا ہے، اسپکٹر شاہد۔“
 ”وہی تو نہیں، جس کی ناک کی نوک پر تل ہے اور دور سے ایسا لگتا ہے، جیسے اس نے ناک پر کھی بیٹھنے دی ہو؟“
 ”جی ہاں.... وہی وہی۔“
 ”لیکن وہ یہاں کیوں بے ہوش پڑا ہے؟“
 ”یہی تو میں، آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔“
 ”میں سن رہا ہوں۔“
 ”اے یہاں بے ہوش کی حالت میں لا یا گیا تھا۔ اور ڈاکٹر ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ ناگٹ کی پڑی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ لہذا اس نے پلاسٹر چڑھا دیا تھا لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ اس کی ناگٹ کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے یہاں روکے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہو۔“
 ”آپ کے علاوہ یہاں اور کون بے ہوش نہیں ہے۔“
 ”میں تھا ہوں، اس کی دیکھ بھال کے لئے۔“
 ”کیا آپ کے ڈیٹی کو اس کا علم ہے؟۔“
 ”کیوں نہیں۔ ان ہی کی ہدایت کے مطابق مجھے یہاں رکنا پڑا ہے ورنہ میں، ڈاکٹر ڈیوڈ کو کیا جاؤں۔“
 ”یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کون ہے؟“
 ”میں نہیں جانتی۔ ڈیٹی کے ملاقاتیوں میں سے کوئی ہے۔“
 ”ڈاکٹر ڈیوڈ۔“ عمران آہستہ سے بڑھا یا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”وہی تو نہیں۔ وہ انسان نمائندہ؟“
 ”بہت خوب۔“ شہلا ہنس کر بولی۔ ”بڑی مناسب تشریف ہے۔“
 ”ہے، تا۔“ عمران اس سے بھی زیادہ زور سے ہنس کر بولا۔
 ”واقعی، اسے دیکھ کر کسی خزان رسیدہ مٹے ہی کا تصور ڈھن میں ابھرتا ہے۔“
 ”سبحان اللہ.... خزان رسیدہ بھی۔“ عمران اسے ستائش آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
 ”اب پوری طرح بات بنتی ہے۔ لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ اسپکٹر شاہد کی ناگٹ کی پڑی

”کیا مجھے یہاں ٹھنڈا پانی مل سکے گا۔“ عمران نے احتجانہ انداز میں سلام کے لئے ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔
 ”جج.... جی ہاں.... اوہ.... اندر تشریف لے چلے۔“ لڑکی جلدی سے بولی۔ ”شاہید میں آپ کو پہچانتی ہوں۔“
 ”اور.... شش.... شاہید میں بھی آپ کو جانتا ہوں۔ آپ مس شہلا چوہدری ہیں نا؟“
 ”جی ہاں، جی ہاں۔“ لڑکی اظہار سرست کرتی ہوئی بولی۔ پھر اسے نشست کے کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ ”میں آپ کے لئے پانی لارہی ہوں۔“
 ”وہ چلی گئی اور عمران خاموش بیٹھا، اپنے چہرے پر ہر یہ احتجانہ تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔
 ”تھوڑی در بعد شہلا پانی کا گلاس لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔“
 ”تکلیف وہی کی معانی چاہتا ہوں۔“ ”عمران اٹھتا ہوا بولا۔“
 ”آپ بیگم شریا سلمان کے بھائی ہی ہیں نا۔“
 ”شریا سلمان.... جی ہاں، جی ہاں۔“ عمران نے اس سے گلاس لیتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔
 ”اور آپ کے ڈیٹی اٹھلی جنس کے ڈائریکٹر بزرگ ہیں؟“
 ”ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ عمران چوک کر بولا۔
 ”بیٹھ جائیے تا۔ آپ کھرے کیوں ہیں؟“
 ”جی، جی ہاں۔“ کہتا ہوا وہ بیٹھ گیا اور غث غث پانی پینے لگا۔
 ”میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ شاہید آپ کچھ مدد کر سکیں۔“
 ”ضرور... ضرور۔“
 ”یہاں آپ کے ڈیٹی کے مجھے کا ایک آفیسر بھی موجود ہے۔“
 ”لگ کھاں.... کھاں....؟“ عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔
 ”وہ اٹھ نہیں سکتا۔ اندر بستر پر پڑا ہوا ہے اور اس وقت بیہوش بھی ہے۔“
 ”میرنے ڈیٹی کے مجھے میں آنے کے بعد سب اسی طرح بے ہوش ہو جاتے ہیں۔“
 ”عمران خوش ہو کر فخریہ لبھ میں بولا۔
 ”آپ سمجھے نہیں۔ اس کی ایک ناگٹ پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔“

تمی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا جسے اس نے سینٹر نیبل پر رکھ دیا اور عمران سے بولی۔ ”یہ مشین بھلی سے چلتی ہے۔“

عمران انٹھ کر میز کے قریب چکا تھا۔ شہلانے بریف کیس کاڑھکنا اٹھایا اور بولی۔ ”یہ سوئی جو اس تکلی سے گلی ہوئی ہے، کلائی کے جوڑ کی نس کو ابھار کر اس میں داخل کرو جائے گی۔ پھر اس کے بعد گھری دیکھ کر دوس منٹ تک مشین چلائی جائے گی۔ ہر تین سخنے بعد اس طرح بے ہوشی جاری رہے گی۔“

”سخنے دونوں کا پروگرام ہے؟“

”یہ تو ابھی اس نے نہیں بتایا۔“

”میسا شاہد ہوش میں آنے کے بعد ہوش ہی کی باتیں کرتا رہا تھا۔“

”جی ہاں، بالکل۔ ورنہ مجھے کیسے معلوم ہوتا کہ وہ کون ہے؟“

”اور پھر ڈیوڈ نے اسے انجشن دے کر دو باہر بے ہوش کیا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”اس کے بعد مزید بے ہوش رکھنے کے لئے مشین کا استعمال بتایا گیا ہے۔“

”جی ہاں، انجشن کو تین سخنے گزرنے کے بعد سے مشین کا استعمال شروع کر دیا جائے گا۔“

”آپ نے کہا تھا کہ مشین بھلی سے چلتی ہے لیکن یہاں مجھے بھلی کا کوئی سلسلہ نظر نہیں آیا۔“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بھلی کے حصوں کے لئے، وہ یہاں ایک ٹرک منگوا کر چھوڑ گیا ہے۔ ٹرک کا انجن چلا کر

اس کے ڈالنی موسمے مشین کا تار منلک کر دیا جائے گا۔ اس طرح مشین کا رد ہو جائے گی۔“

”ان ساری باتوں کا علم ہے، آپ کے ڈیٹی کو؟“

”بالکل، لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ مسٹر شاہد کی اصلیت سے بھی واقعہ ہیں یا نہیں۔“

”کیا وہ، ان کی موجودگی میں ہوش میں نہیں آیا تھا؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈیٹی نادانست طور پر کسی بڑی دشواری میں پڑنے والے ہیں۔“

”میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ اسی لئے تو آپ سے ساری باتیں کہہ دی میں۔“

”محفوظ ہے؟“

”آج ہی تو وہ ہوش میں آیا تھا اور بتایا تھا کہ اس کی نیلگی میں کسی جگہ بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔“

”پھر کیسے بے ہوش ہو گیا تھا؟“

”ڈاکٹر ڈیوڈ نے کچھ دیر پہلے بے ہوشی کا انجکشن دیا ہے۔ آخر بے ہوشی کا انجکشن دیا ہی کیوں گیا؟ جب کہ مریض نے کسی قابل برداشت پاتا قابل برداشت تکلیف کی ٹھکایت نہیں کی تھی۔“

”واقعی سوچنے کی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”ڈاکٹر ڈیوڈ چاہتا ہے کہ وہ یہاں اسی طرح بے ہوش ہے اور کسی کو بھی نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ کہاں ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اب میں اسے ہوش میں نہ آنے دوں۔“

”تو پھر آپ کیا کریں گی؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ اسی لئے تو آپ کی آمد پر خوشی ہوئی تھی۔“

”مم.... میں نہیں سمجھا۔“

”آپ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”اگر آپ نے اپنی مرضی سے کچھ کیا تو آپ کے ڈیٹی کیا کریں گے؟“

”میں نہیں جانتی لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کے رونیے سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ڈیٹی، اس کے دباؤ میں ہوں۔“

”بیک میلگا!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”اسی کا خدشہ ہے۔“

”تو پھر آپ شاہد کو مسلسل بے ہوش رکھیں گی؟“

”جی ہاں۔ اس نے یہی کہا ہے۔“

”انجشن....“ عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”نہیں، مشین۔“

”مشین... کیسی مشین؟“

”ٹھہریے! میں آپ کو لا کر دکھاتی ہوں۔“

”وہ چل گئی۔ عمران کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے۔ شہلا کی واپسی جلدی ہی ہوئی۔“

دراصل اس معاملے میں، میں پہلے ہی سے پریشان رہی ہوں۔ ”
”کوئی اور قصہ بھی ہے کیا؟“
”جی ہاں، اصل الجھن تو وہیں سے شروع ہوتی تھی۔ وزنہ بے شمار غیر ملکی لوگ ڈیڑی کے
مہماں بنتے رہتے ہیں۔“
”ڈاکٹر ڈیوڈ غیر ملکی تو نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”دیکی عیسائی معلوم ہوتا ہے۔“
”غالباً گودا کا باشندہ ہے۔“
”اس کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ کے توسط سے ایک غیر ملکی عورت ڈاکٹر فوریل، ڈیڑی کی
مہماں بنی تھی۔ اس کا قیام، ہماری موزل ناؤن والی کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک دیکی
آدمی بھی تھا۔ جو بعد میں میرے لئے الجھن کا باعث بن گیا۔ پھر شاید پولیس والے بھی الجھن
میں پڑ گئے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”خبرات میں اس کے بارے میں بہت کچھ آیا ہے۔ میرا اشارہ سنگواد کی طرف ہے۔ غالباً
آپ نے بھی اس کے بارے میں پڑھا ہوگا۔“
”جی ہاں۔ اچھا تو وہ پہلے ڈاکٹر فوریل کے ساتھ تھا؟“
”جی ہاں.... اور پھر میں نے خبرات میں اس کی تصویریں دیکھیں اور ڈیڑی سے اس کا
ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس سلسلے میں خاموشی اختیار کروں ورنہ انہیں نقصان پہنچا اور مجھے
یقین ہے کہ وہ خائف تھے۔“
”بلکہ میلگن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“ عمران سر زلا کر بولا۔
”تو پھر آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟“

”آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سب کچھ بتادیں۔ اب میں شاہد کویہاں سے اٹھا لے جاؤں گا۔“
”لیکن ہم لوگوں کا کیا بنے گا؟ کیا واقعی ڈیڑی کسی قسم کے مجرم گردانے جائیں گے؟“
”میری کوشش یہی ہو گی کہ آپ لوگوں پر کوئی الزام نہ آنے پائے۔ ہمارے ہمیشہ نے سادہ
لوح شہری غیر ملکی ایجنٹوں کے چھے چڑھ جاتے ہیں۔“
”خدا کا مشکر ہے کہ پہلے آپ ہی جیسے سمجھدار آدمی سے ملاقات ہو گئی لیکن اگر آپ مشر

شاہد کو اٹھا لے گئے تو ڈاکٹر ڈیوڈ نے کیا کہا جائے گا؟“
”اس کا انتظام بھی میں پہلے ہی کرچا ہوں۔“
”کیا انتظام کرچکے ہیں؟“
”بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے ہی سے ڈاکٹر ڈیوڈ کے تعاقب میں تھا۔“
”خدا کی پڑا...!“
”اور اس وقت وہ ٹرک ڈرائیور بھی میرے قبضے میں ہے جو اس ٹرک کو یہاں لک لایا تھا۔“
عمران نے کہا اور ٹرک ڈرائیور والا واقعہ اُسے بتانے لگا۔
”تو وہ جہاڑیوں میں بندھا پڑا ہے؟“ شہلا نے پوچھا۔
”جی ہاں۔ میں اُسے اٹھا کر یہاں ٹرک میں ڈال جاؤں گا اور آپ، ڈاکٹر ڈیوڈ اور اپنے ڈیڑی
کو یہ رپورٹ دیجئے گا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے جانے کے بعد پانچ آدمی آئے تھے اور شاہد کو زبردستی
اٹھا لے گئے تھے۔“
”تو گویا ڈیڑی کو آپ کے بارے میں نہ بتایا جائے۔“
”اُبھی نہیں۔ ورنہ کھلی بگڑ جائے گا۔ یہ تو ہم دونوں مل کر انہیں اس دشواری سے نکالیں
گے۔ ورنہ اگر بات ریگولر پولیس تک پہنچ گئی تو آپ کے ڈیڑی کو گرفتار کر کے ان پر فرو جرم
عائد کر دی جائے گی۔“
”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، اس رہنمائی پر۔“
”ظلق خدا کی خدمت، میری زندگی کا نصب العین ہے۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر درویشانہ
انداز میں کہا۔



شہلا چوہری کی گاڑی تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ خود ہی ڈرائیور کر رہی تھی۔
عمران شاہد کو اٹھا لے گیا تھا اور بے ہوش ٹرک ڈرائیور کو ٹرک پر ڈال دیا گیا تھا اور اس نے شہلا
کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اسے ٹرک ڈرائیور کے سلسلے میں کیا کرتا ہے۔ لہذا شہلا عمران کے چڑھے
جانے کے بعد، ٹرک ڈرائیور کے ہوش میں آئے کا انتشار کرتی رہی تھی اور پھر جیسے ہی ٹرک

کے اندر سے ہاتھ پر چلانے کی آوازیں آئی تھیں وہ ٹرک کے چھپلے حصے پر چڑھ گئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور نے آئکھیں کھول دی تھیں۔

”تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“ شہلا نے ثابت کر پوچھا اور وہ غون غون کرنے لگا کیونکہ ہوتلوں پر تو شیپ چپکا ہوا تھا۔

”ارے.... اوہ....“ شہلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں اور ڈبروں پر بھی نظر ڈالی اور جھک کر اس کے ہوتلوں سے نیپ کالنے لگی۔

منہ کھلتے ہی ٹرک ڈرائیور زور زور سے کہنے لگا۔ ”میں ہی یہ ٹرک یہاں لایا تھا۔ کسی نے عقب سے حملہ کر کے اس حال کو پہنچادیا۔“

”تم جھوٹے ہو۔“ شہلا نے تجزیجے میں کہا۔ یہ ٹرک ڈاکٹر ڈیوڈ یہاں کھڑا کر گئے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد پانچ آدمیوں نے کوئی پر جملہ کیا اور ڈاکٹر ڈیوڈ کے مریض کو زبردستی ادا کے گئے۔“

”ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔“

”تم جھوٹے ہو۔ جب ٹرک یہاں آیا تھا تو تم اس پر موجود نہیں تھے۔“ شہلا نے کہا۔ ”مجھ پر جملہ، ان جھلائیوں کے اس طرف ہوا تھا۔ براؤ کرم اب میرے ہاتھ پر چڑھ کھول دیجئے۔“

”تا ممکن... ہرگز نہیں۔ میں پہلے ڈاکٹر ڈیوڈ کو اطلاع دوں گی۔“

”ہوا کرو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اور اب میں یہ نیپ دوبارہ تمہارے ہوتلوں پر چپکا دوں گی۔ تاکہ تم میری عدم موجودگی میں شور چاکر کسی کو اپنے طرف متوجہ نہ کر سکو۔“

”رم سمجھے! میری حالت اچھی نہیں ہے۔“

”ڈاکٹر ڈیوڈ ہی تمہیں آکر کھولیں گے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“

”اچھا تو شیپ ہی دوبارہ نہ چپکائیے۔“

”یہ بھی ممکن نہیں ہے۔“ شہلا نے کہا اور جھک کر دوبارہ شیپ اس کے ہوتلوں پر چپکانے لگی۔ وہ چھپلے لگا اور شہلا بولی۔ ”مجھے طافت نہ کھاؤ۔ میں بھی گزور نہیں ہوں۔ بہتری اسی میں ہو گی کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے تک چپ چاپ پڑے رہو۔“

وہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتا رہا اور شہلا کو کھنکی کو مقفل کر کے شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ باپ کو کھنکی ہی پر موجود تھا۔ شہلا نے بدحواسی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اُسے عمران کی ہدایت کے مطابق اُس وقوعے کی اطلاع دی۔ شہباز چوہدری ایک لمبا ترنا گا اور سخت مند آدمی تھا لیکن اس اطلاع پر اُس کی حالت ایسی ہی نظر آنے لگی جیسے فوری طور پر اعصاب زدگی کا شکار ہو گیا ہو۔

”بہت نہ رہا ہوا... بہت نہ رہا ہوا“ وہ ہاتھ پر ایکٹنگ کر رہا ہوا۔ ”تب کیا ہو گا؟ ڈیوڈ شاید ہی اس پر یقین کرے۔“

”نہ کرے۔ جہنم میں جائے۔“ شہلا پر جنگل کر رہا ہوا۔ ”میں جھوٹ تو نہیں بول رہی۔“

”نن... نہیں... نہیں... تم جھوٹی نہیں ہو۔ لیکن ڈیوڈ تو کہتا تھا کہ اس مریض کے بارے میں کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”آپ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا؟“

”نہیں ڈیوڈ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔“

”لیکن میں جانتی ہوں۔ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے سے پہلے ہی وہ ہوش میں آگیا تھا۔ اور مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا تھا۔“

”کیا بتایا تھا؟“

”وہ ملکے سراغ رسانی کا ایک آفیسر، انپرنس شاہزاد تھا۔“

”میرے خدا...“ شہباز چوہدری تو نہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

”ظاہر ہے کہ اُسے اخالتے جانے والے بھی پوچھ لیں والے ہی رہے ہوں گے۔“

”انہوں نے کیا کہا تھا؟“

”کچھ نہیں۔ بس ایک آدمی میری طرف ریو اور تانے کھڑا رہا تھا اور بقیہ چار آدمی اُسے اخالتے گئے تھے۔“

”ڈیوڈ ہرگز یقین نہیں کرے گا۔“

”نہ کرے، جہنم میں جائے۔“

”تم نہیں سمجھتیں، شہلا... تم نہیں سمجھ سکتیں۔“ وہ خوفزدہ لبجھ میں بولا۔

”کیا نہیں سمجھ سکتی۔ میری ایک جھانپڑ کا ہے، وہ مٹا۔“

”پلیز، شہلا! یہ میری عزت کا سوال ہے۔“

”خیر اسے میری بات کا یقین کرنا ہی پڑے گا۔“ شہلا نے طویل سانس لے کر کہا اور اسے ٹرک ڈرائیور کے بارے میں بتاتے ہوئے بولی۔ ”میں اس کو اسی طرح بلکہ ابندھا چھوڑ آئی ہوں۔“

”یہ تم نے عقل مندی کا کام کیا ہے۔“ تھہرو! میں ڈیوڈ کو فون کرتا ہوں۔“

شہلا نے خاموشہ بنا کر رہ گئی۔ شہزاد کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ کامپیٹ ہوئے ہاٹھوں سے فون پر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے خوفزدہ سی آواز میں اس وقوعے کی اطلاع دی اور پھر خاموش رہ کر کچھ سنتا رہا۔ اس کے بعد ریسیور رکھ کر شہلا کی طرف مڑا تو چہرے کی حالت اسی نظر آرہی تھی جیسے برسوں سے بیمار ہو۔

شہلا نے خاموشی سے اس تغیر کو نوٹ کیا۔ کچھ بولی نہیں۔ شہزاد کری پر بیٹھ کر ہائپنے لگا۔ شہلا کو اب پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ اس کے باپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔۔۔ لیکن کس سلسلے میں؟۔۔۔۔۔ براہ راست اس سے پوچھنے کی بہت نہ پڑی۔ عمران کی ہدایات بھی مد نظر تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ اپنے باپ کو ذرہ برابر بھی شیر نہ ہونے دیتا۔

شہزاد تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ڈیوڈ خود آ رہا ہے۔“

”آپ کا یہ دوست ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔“

”اوہ... تم مت سر کھپا، اس معاملے میں۔“

”ویکھنے اس وقت میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ جب وہ آذی سنگڑا و ثابت ہوا تھا لیکن یہ براہ راست پولیس کا معاملہ ہے۔“

”کمال ہے۔ اس نے جو کچھ تم سے کہا، تم نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر وہ خود پولیس والا ہوتا یا اسے اخالے جانے والے پولیس سے متعلق ہوتے تو کیا وہ خاموشی سے رخصت ہو جاتے۔ تم سے پوچھ گئہ نہ کرتے۔ اے، اب تک تو انہوں نے میری ہر کوئی کے گرد گھیرا اداں دیا ہوتا۔“

یہ بات بھی معقول ہی تھی لیکن شہلا کو پھر عمران کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگی کہ خاموشی کا مظاہرہ تو مصلحت ہوا تھا، دونوں کے درمیان ایک سمجھوتے کے تحت۔ لیکن ہر حال یہ دلیل بھی تاقابلی ٹکست تھی۔ اس لئے شہلا نے صرف یہ پوچھنے پر اکتفا کی۔ ”تو پھر آخر وہ کون تھے؟“

”بد معاشوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے کسی ہم پیشہ حرف کی حرکت

”معلوم ہوتی ہے۔ دراصل ڈاکٹر ڈیوڈ کو عنقریب ایک سر کاری اعزاز ملنے والا ہے۔“

”چھا اگر یہ بات ہے تو سنگڑا والے معاملے کو کیا کہا جائے گا؟“

”بہت بھولی ہو، تم بھی۔“ شہزاد نہ سی نہیں کے ساتھ بولا۔ ”اتا بھی نہیں سمجھتیں۔“

ارے سنگڑا تو اس کا ایک طبی کارنامہ ہے، جس کی وہ اس طرح پہنچی کر رہا ہے۔

”میں نہیں سمجھی۔“

”آنے چوت نہیں لگتی۔ اگر ایک ایسی فوج تیار کی جائے تو وہ تاقابلی ٹکست ہو گی۔“

”لیکن اس کی یادداشت بھی تو غائب ہو گئی ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک بے حد کار آمد آدمی بن گیا ہے۔“

”آدمی یا مشین؟“ شہلا نے تلخ لمحہ میں کہا۔

”تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

”لیکن آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟“

”قدرتی بات ہے، شہلا! میں نے ایک ذمہ داری لی تھی جو پوری نہ ہو سکی۔ وہ بد معاش بالآخر ڈیوڈ کے مریض کو اخالے گئے۔“

”ٹھوڑی دیر بعد ڈیوڈ وہاں پہنچ گیا۔ بڑے سکون سے اس نے پوری رو دو اسی تھی اور خاصا فکر مندر نظر آ رہا تھا۔

”شہلا کہتی ہے کہ وہ پولیس کے لوگ تھے۔“ شہزاد بولا۔

”ارے نہیں۔“ ڈیوڈ نے نہیں کہا۔ اور پھر شہلا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اگر وہ پولیس کے

لوگ ہوتے تو ٹرک ڈرائیور کو باندھ کر وہیں کیوں ڈال جاتے؟“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔“ شہزاد بولا۔

”نہیں، بے بی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس ملک کے لئے ایک زبردست کارنامہ انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا تم نے سنگڑا کو نہیں دیکھا اور کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ پیدا کئی طور پر ایسا ہے۔“

”نہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسے آدمی سے مشین بنا دیا گیا ہے۔“

”بالکل، بالکل.... اور یہی آدمی کی معراج ہے کہ وہ مشین بن جائے۔ ہر قسم کے دکھ درد

سے آزاد۔"

شہلا نہ اسامنہ بنائے ہوئے اس کمرے سے چلی گئی اور ڈیوڈ نے شہباز کو گھوڑتے ہوئے
خت لجھ میں کھل۔ "پانی بینی کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔"

"وہ قابو ہی میں ہے لیکن جن باتوں کو نہیں جانتی، ان کے بارے میں پوچھنا قادر تی امر ہے۔"
"خیر دیکھا جائے گا۔ اب میں اس آدمی کو چیک کرنے جادہ ہوں جس نے ٹرک وہاں پہنچایا
تھا۔ کوئی کی کنجی کہاں ہے؟"

"شہلا کے پاس ہے۔ میں ابھی لا لای۔"
"شہردار! اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب اس کو بھی کی طرف نہ جائے اور اب کچھ دنوں
تک صرف گھر کی چہار دیواری تک مدد و در ہے تو بہتر ہو گا۔"

"وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی ہے۔" شہباز نے بے نی سے کہا۔
"اربے بہلاتے ہو۔" ڈاکٹر ڈیوڈ لاپ وائی سے بولا۔

ٹھوڑی دیر بعد اسے کوئی کی کنجی مل گئی اور شہباز نے پوچھا۔ "کیا میں بھی چلوں؟"
"نہیں۔ میں خود دیکھوں گا۔" ڈیوڈ ناخوشگار لجھے میں بولا۔

وہ وہاں سے روانہ ہو کر ایک پیلک ٹیلی فون بو تھے کے قریب رکا تھا۔ گاڑی سے اتر کر بو تھے
میں داخل ہوا اور کسی کے نمبر ڈائل کر کے ماٹھ پیس میں بولا۔ "میری گاڑی اس وقت پلازہ
سینما کے سامنے موجود ہے۔ دس منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچو۔ تمہیں مجھ سے دور بہ کر اس پر
نظر رکھنی ہے کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا۔"

"اور اگر ایسا ہو رہا تو پھر مجھے کیا کرنا پڑے گا؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔
"تم پہلے مجھے آگاہ کرو گے۔ پھر مستقل طور پر اسے نظر میں رکھ کر اس کے بارے میں
معلومات فراہم کرو گے۔"

"اوکے، سر!" دوسری طرف سے آواز آئی۔
"بس، روانہ ہو جاؤ۔" کہہ کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے رابطہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد اس نے ڈلش بورڈ کے خانے سے ایک
چھوٹا سا ٹھیک نکالا اور اس کا سوچ آن کر دیا اور آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ "میلو، نام... کیا تم

مخفی گئے ہو؟"

جواب میں کچھ نہ سن کر اس نے اسے گود میں ڈال لیا لیکن اس کا سوچ آف نہیں کیا تھا۔
ٹھوڑی دیر بعد ٹھیک نسیم سے آواز آئی۔ "میلو، ڈوک! میں پہنچ گیا ہوں۔ اب کیا حکم ہے؟"
"سابقہ ہدایت کے مطابق عمل.... میں روانہ ہو رہا ہوں۔" کہہ کر اس نے انہیں اشتاد کیا۔
ٹھیک نسیم کو بدستور گودھی میں پڑا رہنے دیا تھا۔ خاصی تیز رفتاری سے اس کی گاڑی روانہ ہوئی تھی۔
شہباز کے باغات تک بھی پہنچ گیا۔ ... لیکن اس کے گزار نے ٹھیک نسیم پر مکمل تعاقب کی
اطلاع نہ دی۔ آخر اسے خودھی اپنے گمراں کو مخاطب کرنا پڑا۔
"میلو، نام... تم نے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی۔"
"آپ کا تعاقب کسی نے بھی نہیں کیا، ڈاکٹر... اور یہاں تو بس ہماری ہی دونوں گاڑیاں
ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تو تم جھاڑیوں کے باہر ہی ٹھہرنا اور میں اپنی گاڑی عمارت تک لے جاؤں
گا۔ واپسی کے سفر میں بھی تمہیں دھیان رکھنا ہے۔"
"بہت بہتر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹھیک نسیم کا سوچ آف کر کے اسے ڈلش بورڈ کے خانے میں ڈال دیا اور اپنی
گاڑی عمارت کی طرف لیتا چلا گیا۔ عین ٹرک کے پیچھے روکی تھی۔ شاید انہیں کی آواز سن کر ٹرک
ڈرائیور ناک کے ذریعے حلق سے آواتریں نکالنے لگا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ چھلانگ مار کر ٹرک پر چڑھ گیا۔
اور پھر جیسے ہی اس نے ڈرائیور کے ہونٹوں سے ٹیپ نکلا وہ چینٹے لگا۔ "مجھ پر بے خبری
میں حملہ ہوا تھا۔"

"کہاں اور کب؟" ڈاکٹر نے بے آہنگی پوچھا۔

"میں ٹرک لے کر پہنچا۔ آپ کی گاڑی کھڑی دیکھی لیکن اس کے آگے بھی ناڑوں کے
نشان دیکھ کر مجھے شبہ ہوا۔ قریب سے دیکھا تو وہ، آپ کی گاڑی کے ناڑوں کے نشانات سے
مختلف تھے اور تازہ معلوم ہوتے تھے۔ میں ان نشانات پر چلتا ہوا، ایک ٹھیک نسیم کی پہنچا جو
خالی ہی تھی۔ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ میزی بے خبری میں کئی آدمی۔ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور
باندھ کر جھاڑیوں میں ڈال دیا اور پھر ایک انجھشن لگایا جس کے بعد کام جھے ہوش نہیں۔"

”تو پھر اس ٹرک بیک کیسے پہنچے؟“
”میں نے عرض کیا تاکہ اس کے بعد کام جھے ہو ش نہیں۔“
”ماڑی کار جسٹریشن نمبر یاد ہے؟“

”جی ہاں، سہر یے اودہ خدا کے لئے میری ہاتھ پیر بھی تو کھولیے۔“
”اوہ، ہاں....!“ کہہ کر ڈاکٹر جھکا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔ پھر بولا۔ ”تمہیں ٹرک
پرنپاکر میں سمجھا تھا کہ تم مزید ہدایات کا انتظار کیے بغیر واپس چلے گئے۔“

”بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا، جتاب!“ ٹرک ڈرائیور بولا۔
وہ دونوں ٹرک بے اڑ کر برآمدے میں آکھرے ہوئے اور ٹرک ڈرائیور نے کہا۔ ”ان
لوگوں میں سے ایک کی ٹھیک میں دیکھ چکا تھا۔ عجیب بے وقف، بے وقوف سا آدمی لگتا تھا۔“
”اور تم نے ابھی کسی نو سیڑ کا بھی ڈکر کیا تھا۔“ ڈاکٹر ڈیوڈ چونک کر بولا۔
”جی ہاں، نو سیڑ ہی تھی۔“

”تم شاید اس کے نمبر یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“
”جی ہاں اودہ مجھے یہ ہیں۔ سب سے پہلے میں نے نمبر ۴۱۲۷۵۰ نشین کرنے کی کوشش کی تھی۔“
”یہ بہت اچھی عادت ہے۔“ ڈاکٹر ڈیوڈ جیب سے نوٹ بک اور قلم نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس
نے ٹرک ڈرائیور کے ہاتھے ہوئے نمبر نوٹ کیے تھے اور پر تشویش انداز میں کچھ سوچتا رہا تھا۔



شاہد کو دوسرا بار ہوش آیا تو اس کی ناگاں پر پلاسٹر نہیں تھا۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کہہ بھی دہ نہیں تھا جس میں پہلی بار ہوش آیا تھا۔
جلدی سے اٹھ بیٹھا اور اس ناگاں کو جلدی جلدی اوپر سے نیچے مک مٹوئے لگا، جس پر پہلے
پلاسٹر پڑھا ہوا تھا۔ دوسرا قدام یہی تو ہو سکتا تھا کہ وہ بترے اڑ کر کمرے میں دوڑ لگانے کی
کوشش کرتا۔
ناگ بالکل ٹھیک تھی۔ تک کی جگہ درد تھا اور نہ کہیں کوئی بلکی سی بھی خراش نظر آئی۔

اپنی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد اسے وہ حسین چہرہ یاد آیا تھا۔ جھر جھری سی لے کر
رہ گیا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے کی کوشش کی تھیں لیکن ناکام رہا۔ دروازہ باہر سے
مقفل تھا۔

تھک ہاں کر پھر بستر پر آبیٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا اور جیسے ہی ٹلی فون پر نظر پڑی۔
چھپت کر اس کے قریب پہنچا اور رسیور اٹھا کر کیپن فیاض کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔
اور پھر دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”ہم افسوس ہے، جتاب! ہم اس نمبر پر آپ کی
کال ڈائریکٹ نہیں کر سکیں گے۔“

”کیوں؟“ شاہد بھتنا کر بولا۔ ”یہ کون سا یکچھ ہے؟“
”ایکچھ پاؤٹ بلینک!“

”بیہاں تو اس نام کا کوئی ایکچھ نہیں ہے.... اور ہاں، سنو! میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور
اپنے چیف سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔“

”اگر ایسا ہے تو ہولڈ آن کیجئے“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ شاہد ہونٹ سکوڑ کر چھپت
کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اسے جو آواز سنائی دی تھی کچھ جانی پچھانی سی لگی اور وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔
” عمران صاحب!“

”آہستہ، آہستہ۔ ورنہ لائن ڈین ہو جائے گی۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔
”آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟“

”گھر سے۔ لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اب کیا حال ہے تمہارا؟ ناگ کی کتنی ہڈیاں ٹوٹی ہیں؟“
”ایک بھی نہیں۔ سب بکواس تھی۔ لل... لیکن آپ کیا جائیں؟“
”وہ تیمار دار تو یاد نہیں آرہی؟“

”اوہ.... تو کیا میں وہاں نہیں ہوں؟“
”کیا تم ہاں اسی لئے رکھے گئے تھے کہ اپنی اصل حالت سے باخبر ہو سکو۔ لیکن یہ تو بتا دکہ
تم ان کے ہنچے کیسے چڑھے تھے؟“

”پہلے آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ میں کہاں ہوں؟“

اُن لوگوں کے قبیلے میں بہر حال نہیں ہو۔ ورنہ تمہاری ناگُ پر اب بھی پلاسٹر چڑھا ہوا ہوتا۔“
شاید نے تحریر انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عمران کو بتانے لگا کہ کس طرح ایک موڑ
سائکل سوار، اس کا گال نوچ کر بھاگا تھا اور وہ اس کے تعاقب کے دوران میں اس مصیبت میں
پر گیا تھا۔

”بس اب اس تھے کو میں ختم کرو۔“ عمران پوری بات سن کر بولا۔

”م..... میں نہیں سمجھا۔“

”میرا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی یہ کہانی بدلتی پڑے گی۔“

”میں اب بھی نہیں.....“

”اچھا بھروسہ! میں وہیں پہنچ کر تمہیں سمجھاؤں گا۔ انتظار کرو۔ میں آ رہا ہوں۔ اس دوران
میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مسہری کے ہنکے کی پشت سے لگے ہوئے سبز ہن کو دیا دینا۔ بزر
ہن یاد رکھنا۔“

”بہر حال، تو اب میں یہ سمجھوں کہ آپ کی تحویل میں ہوں۔“

”بالکل، بالکل۔“ دوسرا طرف سے کہا گیا اور پھر رابط مقطع ہونے کی آواز آئی۔ شاہد
نے رسیور رکھ دیا اور مرمر کر ہنکے کی پشت پر نظر ڈالی۔ کئی رنگوں کے بہن ایک ہی قطار میں موجود
تھے۔ طویل سانس لے کر وہ با تھر روم کی طرف بڑھ گیا۔

اور جب با تھر روم سے برآمد ہوا تو ایک بار پھر اس کی آنکھیں حیرت سے چھل گئیں
کپونکہ عمران کرنے میں موجود تھا۔

”اب تو مجھے یقین کریں لیتا پڑے گا۔“ شاہد جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔

”کہ میں بھوت ہوں۔“ عمران شرات آمیز انداز میں مسکرایا۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”فی الحال یہ بتانا مشکل ہے۔ ویسے وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری ملاقات کر قتل فیضی
سے ہو سکے اور شاید دوسرا مقصد یہ تھا کہ ایک اور سگردا درپیدا ہو جائے۔“

”م..... میں نہیں سمجھا۔“

”وہ تم پر کسی قسم کا تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے۔“

”عیছہے ازادوں گا۔“ شاہد غصیلے لہجے میں بولا۔ ”محے علم ہو چکا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟“

”شاید تمہارا اشارہ شہیاذ چوہدری کی طرف ہے۔“

”جی ہاں۔“

”وہ لوگ صرف تمہاری دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس حرکت کے ذمہ دار نہیں تھے۔ انہیں

یہی بتایا گیا تھا کہ تمہاری ناگُ ٹوٹ گئی ہے۔“

”آخر اس ڈھونگ کی کیا ضرورت تھی؟“

”تاکہ تم چپ چاپ پڑے رہو۔ فرار ہونے کی کوشش نہ کرو۔“

”تو پھر شہیاذ چوہدری وغیرہ اس کے لئے جوابde بھی نہیں ہو سکتے۔“

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم فی الحال اصل و اقعات کا اٹھار کسی پر بھی نہ کرو۔“

”کپتان صاحب کو کیا جواب دوں گا۔“

”میں نے کہا تاکہ کہانی بدلت دو۔ وہی کہانی ہر ایک کو سنا سکو گے۔“

”کہانی کیسے بدلت دوں؟ میری سمجھی میں تو کچھ نہیں آیا۔“

”تو پھر میری سمجھ سے کام لو۔“

”باتیئے.... کیا کہنا ہے؟“

”تم کبھی کبھی خوانچے فروشوں سے پوئیزو چسپ کی تھیلیاں خریدا کرتے ہو۔“

”آپ کیا جانیں؟“

”شہر کے سارے ندیوں سے پوچھ سے واقف ہوں۔ باسا اوقات سر راہ پوئیزو چسپ کھاتے
ہوئے پائے گئے ہو۔“

”بچپن کی بعض عادتیں زندگی بھر چھی رہتی ہیں۔“ شاہد کھسپا ہوا کر بولا۔

”پوچھا نہ کرو۔ ہاں تو تم نے سڑک کے کنارے کسی چلتے پھرتے خوانچے فروشوں سے ایک
تھیلی خریدی اور دو چار چسپ ہی کھائے ہوں گے کہ تم پر غشی طاری ہو گئی۔ دوبارہ ہوش آیا تو
کسی کے قیدی تھے لیکن تم ان لوگوں میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں کر سکو گے، جن سے قید
کے دوران میں تمہارا ساتھ پڑتا رہا تھا۔.... مطلب سمجھ رہے ہوئا، میر۔ یعنی ایک نقاب پوش
قید کے دوران میں تمہاری ضروریات پوری کرتا رہا تھا اور پھر اچاک آج تمہیں آزاد کر دیا گیا۔“

”اچھا تو پھر مجھے ناشتے سے پہلے بیوشاں ہوتا ہے یا ناشتے کے بعد؟“
ناشستے کے لئے زور دیگ کا بیٹن دباؤ۔ دس منٹ کے اندر اندر ہی ناشستے کی ٹرامی آجائے گی۔

”کہاں لا کر بند کیا ہے، مجھے؟“

”چلو، دباؤ، ٹھن!“

شہزادے فوراً ہی اس مشورے پر عمل کیا تھا۔۔۔ پھر دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ
وروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش ناشستے کی ٹرامی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔
”ش..... نقاب پوش بھی۔“ شہزادہ آہستہ سے بڑا بڑا۔

”تمہاری کہانی میں تھوڑی سی حقیقت بھی شامل ہو جائے تو کیا ہر جھ ہے؟“

شہزادہ کچھ نہ بولا۔ ٹرامی پر پوٹھوں چپس کی پلیٹ بھی نظر آئی اور وہ غیر شعوری طور پر منہ
چلانے لگا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

ناشستے کے بعد اچانک شہزادہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مم..... مجھ پر..... پھر بب..... بیوشاں!“
جملہ پورا کئے بغیر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

پتا نہیں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو اس بار خود کو سنگے فرش پر پڑا پیا اور آس
پاس کوڑے کر کر کٹ کی ڈھیریاں نظر آئیں۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اس بار ذہنی سلماندی کا احساس
نہیں ہوا تھا۔ اس ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے اچھی بھلی نیند کا سلسہ اچانک ٹوٹ گیا ہو۔

غُلشتہ حال کرہ تھا، جس کا دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ جس کے سامنے اس کی موڑ سائیکل بھی موجود
تھی۔ جلدی سے باہر نکلا اور گرد و پیش میں نظر درڑاتے ہی کچھ گیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔
نیچٹل ہائی وے کے ساتوں میں پر یہ دیران قارم واقع تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کس کی
ملکیت ہے۔ اپنے کپڑوں سے گرد جھاڑتا ہوا اٹھا اور موڑ سائیکل کی طرف بڑھا اور اسی وقت
اسے شہلا چوہری کی ڈھیریاں ساچھرہ یا و آیا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ اسی الجھن کے عالم میں
اس نے گاڑی اشارت کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔



ڈاکٹر فوریل قہر آکوں نظروں سے ڈیوڈ کو گھوڑے جا رہی تھی اور ڈیوڈ دم بخود تھا۔ ڈاکٹر
فوریل کے مقابل وہ ایسا ہی نظر آتا تھا جیسے کسی پہلا کے دامن میں کوئی بھر زدہ بکری اداں اور

”اس صورت میں مجھے اس جگہ کی نشاندہی تو کرنی ہی پڑے گی، جہاں میں قید تھا۔“

”اس کا تنظام بھی نہ گیا ہے۔ تھوڑی در بعد تمہیں وہ جگہ دکھادی جائے گی۔“

”اس طرح تو کوئی بے گناہ پھنس جائے گا۔“

”وہ فی الحال ایک ایسی جگہ ہے جس کا کوئی بھی دعییدار نہیں ہے۔ جو چاہے اس جگہ کو
استعمال کر سکتا ہے۔“

”اب مجھے اس جگہ کے بارے میں بتائیے۔ جہاں اس وقت موجود ہوں۔“

”اس کی نشاندہی تم زندگی بھرنہ کر سکو گے۔“

”کیوں نہ کر سکوں گا؟ آخر آپ مجھے ہبھاں سے نکالیں گے تو۔“

”تم پر اتنی بے ہوشیاں پہلے بھی طاری ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔“

”خدا کی پناہ! اب آپ بھی بے ہوش کریں گے۔“

”ای میں تمہارے سوال کی بھلائی ہے۔“

”میری شادی ہی نہیں ہوئی۔ سوال کہاں سے آئی؟“

”تم شاید ہیر و نتوں کے ایثار اور قربانی والی فلمیں نہیں دیکھتے۔“

”میں سرے سے دیکھتا ہی نہیں ہوں۔“

”تبھی تو ایسی بے دوقنی کی باتیں کر رہے ہو۔“

”خدارا جلدی سے مجھے عقائد بنا دیجئے۔ اب الجھن ہونے لگی ہے۔“

”شہلا چوہری جب یہ دیکھے گی کہ تم نے اپنی کہانی میں اس کا یا اس کے باپ کا نام نہیں لیا تو
وہ تم سے محبت کرنے لگے گی۔۔۔ اور اگر اس کے کسی کزن سے تمہاری مار پیٹ نہ ہو گئی تو ظالم سماج
کے اعتراضات کے باوجود بھی تمہاری شادی شہلا چوہری سے ہو جائے گی۔ اس ثابت ہوا کہ

تمہاری سوال کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی کہانی بدل دو۔ کیپٹن فیاض کے سرے سے ملے ہو۔“

”خدا کی پناہ! ایسا کوئی بوڑھا آج سک میری نظر سے نہیں گزرا۔“

”کیا مطلب؟“

”اب بھی خود کو میں باکیں برس کا لڑکا سمجھتا ہے۔“

”اور فیاض تو بھی بیدار ہی نہیں ہوا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

تھا کھڑی ہو۔ ڈاکٹر فوریل ایک بھمی شہمی محنت تھی۔ جسے کی مانسیت سے آواز میں بھی گھمن گرج کی سی کیفیت پائی جاتی تھی اور آنکھیں تو انہی کا خزانہ معلوم ہوتی تھیں۔
”تم احقیق ہو۔“ دیوڈ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھازی اور ڈیوڈ صرف پہلو بدل کر زہ گی۔ ڈاکٹر فوریل کہہ رہی تھی۔ ”ہر کام کا ذمہ لے کر خود ہی اسے پہنانے کی کوشش کرتے ہوا اور بالآخر وہ گزر جاتا ہے۔“

”مم... میں.... پھر کہتا ہوں، ڈاکٹر!“ وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ”انپر شاہد کو اخالے جانے والے پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے۔“

”کس بنا پر کہہ رہے ہو؟“

”اگر وہ پولیس والے ہوتے تواب تک شہزاد چوہدری کا گمراہاد شواری میں پڑھا ہوتا۔“

”اگر مصلحت انہوں نے خاموشی اختیار کی ہو تو....؟“

”ازے نہیں....“ ڈیوڈ زبردستی میں کرنواں کرنواں اتنا چالاک نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”پھر وہی بے وقوفی کی باتیں۔“ ڈاکٹر فوریل آنکھیں نکال کر بولی۔ ”ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ وہ سنگرواد کی طرف نہ صرف متوجہ ہو جائیں بلکہ اسے پہچان بھی لیں۔ تمہاری حماقت کی وجہ سے انہیں اس کا احساس بھی ہو گیا کہ کسی اور نے ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ تو کیا پھر انہیں اس نامعلوم پارٹی کی تلاش نہ ہو گی۔“

”ہاں، یہ ممکن ہے۔“ ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ ”لیکن ایسا ہوا نہیں ہے۔“

”خواب منت دیکھو۔“ وہ میر پر ہاتھ مار کر دھازی۔

”میں خواب نہیں دیکھتا۔ کیونکہ معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا ہوں۔“

”وہ بھی کوئی خواب نہیں ہو گا۔“ ڈاکٹر فوریل بے زاری سے بولی۔

”نہیں، ڈاکٹر.... یہاں ایک بلیک میلر ایسا بھی ہے جو اپنا مطالبه پورا نہ ہونے پر پولیس انفارمر بن جاتا ہے۔ میں تحقیقات کرچکا ہوں، اس کے بارے میں۔ وہ نو سیز گاڑی، جس کا

تمذکرہ ٹرک ڈرائیور نے کیا تھا، اسی بلیک میلر کی ثابت ہوئی ہے۔“

”کون ہے؟“

”علی عران نام ہے۔ سی آئی بی کے ڈائریکٹر جزل کا لڑکا ہے۔ اس کی بے راہ روی کی بیان پر ڈائریکٹر جزل نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ لوگوں کی نوہ میں رہتا ہے۔ ان کی کمزوریاں معلوم کرنے کے انہیں بلیک میل کرتا ہے۔ اگر وہ بلیک میل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں تو پویس کو مطلع کر دیتا ہے۔“

”میاں نے اپنا کوئی مطالبہ پیش کیا ہے؟“

”اُبھی نہیں.... لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی پیش کر دے گا۔“

”لیکن کیا وہ آفیسر خاموش رہے گا جسے تم نے روک رکھا تھا؟“

”اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا.... لیکن ٹھہروا!“ وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”وہ بے ہوش رہا ہو گا، اس وقت، جب اسے اس عمارت سے ہٹایا گیا ہو گا۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”اس آفیسر کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔ لہذا ہوش میں آنے کے بعد، اس عمارت کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ اگر اسے اپنے بارے میں کچھ بھی اندازہ ہو سکا ہو تو اب تک پورے علاقے میں تہمکہ جج جاتا۔

”کچھ بھی ہو۔ تمہارے دلائل مجھے مطمئن نہیں کر رہے۔ تم نے اس آفیسر کو اٹھانے کا فیصلہ خود نہیں کیا تھا۔ تمہیں اس کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔“

”یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ آئی ایس آئی والے سنگروں کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لے لیں۔“

”لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔“

”اسی پر تو مجھے حرمت ہے۔ ڈیوڈ نے پر تشویش لجھ میں کہا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ صرف اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

”دیکھا جائے گا۔“

”بیو تو قوفی کی باقی نہ کرو۔ میں بھی کسی کو جواب نہ ہوں۔“

ڈیوڈ کچھ نہ بولا اور وہ اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ ”اصل کام تم نہ کر سکے۔“

”آج شاید ہی ہو سکے کیونکہ وہ اپنے ماتحت کے معاملے میں الجھ گیا ہو گا۔“

”کیا مطلب؟“

”اچھا ب جاؤ اور مجھ سوچنے دو۔“ ڈاکٹر فریل ہاتھ اٹھا کر بولی۔
ڈیود اس کمرے سے نکل آیا۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اسی کے ایک حصے میں ڈاکٹر فریل کا کلینک بھی تھا، جہاں وہ لاولد عورتوں کا علاج کیا کرتی تھی۔



عمران کے اس فون کی سخنی بھی جو اُسی کے نام پر رجسٹر تھا۔ صندز کی کال تھی۔
”بیلو! کیا خبر ہے؟“ اس نے رسیور اٹھا کر ماٹھ پیس میں کہا۔
”رجسٹریشن آفس سے کسی نے آپ کی نویسٹر کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔“
دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کس نے.....؟“
”یہ نہیں معلوم ہو سکا۔“
”ظاہر ہے کہ کسی نے کی ہوں گی۔“
”سبھی میں نہیں آتا کہ آپ سے ایسی غلطی کو نکر سرزد ہوئی۔ ٹرک ڈرائیور کو وہیں نہ چھوڑ آنا چاہئے تھا۔“
”وہ غلطی نہیں تھی۔ دیہ و دانتہ اُسے ہاں چھوڑا تھا۔ میں تمہیں شہلا چوہدری کے بارے میں بتا چکا ہوں۔“

”بہر حال، مجھے یقین ہے کہ اب آپ بھی ان کی نظر میں آگئے ہیں۔“
”دیکھا جائے گا۔“ عمران نے کہا۔ ”مجھے یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ شہباز چوہدری ان معاملات میں کس حد تک ملوث ہے۔“

”اب میرے لئے کیا حکم ہے؟“
”بس تور ڈاکٹر ڈیوڈ پر نظر رکھو.... اور ہاں شاہد کی کیا خبر ہے؟“
”آئیں آئیں والوں کے زندگی میں ہے۔“

”خیر، تم ڈیوڈ کی نگرانی جاری رکھو۔“ عمران نے کہا اور رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ میر کے

”کیپشن فیاض کا ماتحت تھا، وہ آفیسر، جسے میں نے اٹھوایا تھا۔“
”حداکی پناہ!“ وہ پر ٹھیک کر بولی۔ ”کہنیں تمہارا دماغ تو نہیں اٹ گیا۔“
”لا علمی، دیوار کی نہیں کہلاتی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیپشن فیاض ہی کا استثنہ ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا تھا۔“
”ڈیکھو...“ وہ انگلی اٹھا کر بولی۔ ”اگر کھیل بیکر گیا تو ہم سب فنا ہو جائیں گے۔“
”کھیل نہیں بگزے گا، ڈاکٹر! تم مطمئن رہ اور یہ فکر رہو۔ کیپشن فیاض کی بیوی تمہارے کلینک میں ضرور داخل ہوگی۔ فی الحال، میں عمران کو پنچاؤں گا۔“
”پھر وارنگ دے رہی ہوں کہ احتیاط سے۔“
”اڑے سب ٹھیک ہے۔ اگر کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو میں اسے سنبھال بھی سکتا ہوں۔“
ڈیوڈ نے لاپرواہی سے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری اس غلطی کی اطلاع چیف کو دون یا شہزادوں۔“
”کیا ضرورت ہے؟“ ڈیوڈ نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔
”وہ ایسے کارکنوں کو فیلڈ میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جو کسی جگہ کی پولیس کی نظر میں آجائیں۔“
”بس تو پھر اسے اطلاع نہ دو ورنہ میرے ہی واسطے سے تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔“
”اور اگر اسے اپنے طور پر اس کا علم ہو گیا تو....؟“ ڈاکٹر فریل آنکھیں نکال کر بولی۔
”میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“ ڈیوڈ نے پیزاری سے کہا۔
”اس صورت میں چاراً تجام عبرت ناک ہو گا۔“
”اپنے طور پر اسے کیوں نکر علم ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم خود ہی اس کی معلومات کا ذریعہ ہیں۔“
”اس وہم میں نہ رہنا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو ہماری نگرانی کر رہے ہوں گے۔“
”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چیف کو اپنے کارکنوں پر اعتقاد نہیں ہے۔“
”وہ کچھ نہ ہو بولی۔ دفعتاً بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔“
ڈیوڈ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ بات ابھی اسیک میل سے آگے نہ بڑھی ہو گی۔ اگر وہ قابو میں آجائے تو سمجھو کر اس غلطی کا ازالہ ہو گیا۔“

بپر لکلا تو پڑو سیوں کی مکراہوں سے بھی دوچار ہونا پڑا لگکی وہ لکلا چلا گیا۔ ایک تیکی رکوائی اور تیکی سے اس جگہ پہنچا جہاں گیراج میں اس کے محکے کی کئی گازیاں کھڑی رہتی تھیں۔ سیاہ رنگ کی ایک مر سینڈر نکالی اور فیاض کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

فیاض موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی سے برآمدے ہی میں ملاقات ہو گئی۔... پہلے تو شاید وہ اُسے پہچان ہی نہیں سکی تھی پھر پہچان کر بے ساخت نہیں پڑی اور عمران نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ سوٹ بوٹ والوں پر ہمیں نہیں آتی۔ وہ کب اپنا لباس ہے؟“

”سوال تو ہے کہ غریب خانے کو اس لباس میں کیوں فواز آگیا ہے؟“

”اور نہیں تو کیا تیم خانے کو فوازوں کا؟“

”فیاض صاحب موجود نہیں ہیں۔“

”آپ کے والد صاحب سے ملنے آیا ہوں۔“

”تمیا مطلب...؟“

”ہم دونوں کو کہیں جانا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ ان پر تو کرم ہی فرمائے۔“

”اواؤ دوں کہ آپ کی صاحب زادی ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہیں۔“

”آخر بات کیا ہے؟“ وہ جھنجلا کر بولی۔

”میں کیوں بتاؤں بات؟ انہیں مطلع کر دیجئے کہ خادم حاضر ہے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”گھٹ گھٹ کر مرن جائیں گے، اگر آپ نے اسی کوئی پابندی لگائی۔“

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شلبی صاحب خود ہی دارد ہو گئے۔ پہلے تو عمران کو آنکھیں چھڑا چھڑا کر دیکھا پھر بولے۔ ”آے یہ کیا ہے؟“

”کہاں کیا ہے؟“ عمران ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”میں نے کہا۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔“

”دیکھئے، جناب! میں اس معاملے میں بہت سنئی متعلق ہوں۔ میں نے تو آپ سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا۔“

پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ سختی پھر بھی۔ رسیور اخالیا۔ اس بار آواز پیچائے میں اُسے دشواری ہوئی تھی۔

”کیا بھول گئے، میں شلبی بول رہا ہوں۔“

”اوہ!“ عمران باسیں ہاتھ سے سر سہلاتا ہوا بول۔ ”فرمائے؟“

”تم تو اس طرح غائب ہوئے، جیسے....“

”میں ہاں، جیسے....؟“

”تشیبیہ برداشت نہ کر سکو گے۔“

”میں ہاں، سینگ نہیں ہیں، میرے.... اب فرمائے؟“

”تفریح کی کیا رہی؟“

”تھت.... تفریح....!“ عمران نے دیدے نچائے۔

”ہاں، سنائے، ریالٹو میں آج کل بڑے غصب کا گلور شو ہو رہا ہے۔“

خواہ مخواہ عمران کے دانت نکل پڑے اور اس نے باسیں آنکھ بھی دبائی اور آہستہ سے بولال۔

”اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو؟“

”تو کیا ہوا؟.... اسے میاں رقص دیکھیں گے کوئی رقصہ کی گود میں تو بیٹھنا نہیں ہے۔“

”بالکل.... بالکل....“ عمران سر ہلا کر بول۔ ”تو پھر کب حاضر ہو جاؤ؟“

”آسکتے ہو تو ابھی آجائی۔ بہت بور ہو رہا ہوں۔“

”بس آیا۔“ عمران نے کہا اور دوسرا طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود

بھی رسیور رکھتا ہوا بڑا بڑا۔ ”ارے واہ، بڑے میاں۔“

تحوڑی دیر سکن کچھ سوچتے رہنے کے بعد ملبوسات کی ایک الماری کھول کر روائی کی تیاریاں

کرنے لگا۔ اور پھر جب فلیٹ سے نکل رہا تھا تو گلری کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس نے ایک زور

دار قہقہہ لگایا کیونکہ عمران سر سے پیر سک عرب معلوم ہو رہا تھا۔ نہیں سک لے کرتے اور سر پر

عقل و مندلیں سے آرستہ ہو کر فیاض کے سر شلبی صاحب کے پاس جا رہا تھا۔

”کیا کسی تیم خانے کا افتتاح کرنے جا ہے ہیں صاحب؟“ اس نے بدقت بھی پر قابو پا کر پوچھا۔

”نہیں، ایک دوست کی بیوی کو تیم کرنے جا رہا ہوں۔ چل اپنا کام کر۔“

”مجھ سے کیا سوال کرو گے؟“

”یہی کہ آپ نے خواتین کے غرائب کے کپڑے کی بشرت کیوں پہن رکھی ہے۔“ فیاض کی بیوی دہاں سے بھاگ کر ڈی ہوئی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ عمران کتنا منہ پھٹ واقع ہوا ہے۔ پہا نہیں یہ گنگوکس حد تک جاتی۔ لہذا اس نے مناسب یہی سمجھا ہوا کہ دہاں سے ملی ہی جائے۔ عمران نے شلبی کی طرف دیکھ کر پاسیں آنکھ دبائی اور مسکرا یا بھی!

”گاڑی لائے ہو۔“ شلبی نے پوچھا۔

”مر سید زیر... اس لباس کے شایان شان!“

”آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”آپ سمجھے نہیں!“ عمران گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بول۔ ”خیرا بھی سمجھادوں گا۔“

اور پھر جب مر سید زیر نگلے کے کپڑے سے نکل رہی تھی، اس نے کہا۔ ”رقصائیں مجھے کوئی عرب شیخ سمجھ کر ہماری ہی میز کے آس پاس منڈلاتی رہیں گی۔ نہیں سمجھے؟“

”ابے بہت گھرے ہو تم!“ شلبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”لوگ یونہی خواہ تمہیں یہ تو قبضتے ہیں۔“

”کون سمجھتا ہے؟“ عمران نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”ذر اتم تو بتائیے اسے بھی دیکھ لوں گا؟“

”بھک ملتے ہیں تم دل چھوٹانہ کرو۔“

”جی بہت اچھا...!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

”اوہاں تم اس تفریح کا ذکر فیاض سے نہیں کرو گے!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”بڑھاپا بھی طلاق پر رکھ دینے کے لئے نہیں ہوتا!“

”بڑھاپا وغیرہ بھی صرف یہ تو فی کی باتیں ہیں!“ عمران نے کہا۔

”زندگی صرف زندگی ہے۔ اس پر ادار کی چھاپ نہیں لگنی چاہئے۔“

”مگر دشواری تو یہ ہے کہ ہمیں پیدا ہونا پڑتا ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”بس بیدا ہوئے نہیں کہ اوداں میں تقسیم ہونے لگے۔ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ پٹ سے پک پڑیں۔ کہیں سے پلے پلاۓ۔“

”اب اسی ایک لکٹے کو رکیدتے چلے جاؤ گے!“ شلبی نے جھنجلا کر کہا۔

”پھر جیسا آپ فرمائیں۔“

”حسن کی رنگینیوں کی باتیں کرو، مہ جینوں کو یاد کرو جن سے کبھی سابقہ رہا ہو۔“

”ارے ہاں، وہ تھی ایک.... لیکن کچھ عجیب سی لگتی تھی!“

”کون تھی؟“ شلبی نے لہک کر پوچھا۔

”مہ جیں ہی نام تھا مجھے دیکھ کر رسمی ترانے لگتی تھی!“

”رسمی ترانے لگتی تھی!“ شلبی نے حیرت سے پوچھا۔

”بڑے خوف ناک سیستگوں والی تھی۔“

”میاں بک رہے ہو....!“

”غالبا جان کی بکری تھی جسے وہ پیار سے مہ جیں کہتی تھیں۔“

”اڑے تم واقعی گھاڑی لگتے ہو۔ اچھا پہلے موڈل ناؤن کی طرف چلو۔ وہ نیک کہتا تھا۔“

”تو ہوڑی ہی سی دیر میں اس نے تمہارے بارے میں اندازہ کالیا تھا۔“

”کس کا ذکر ہے؟“

”ڈاکٹر ڈیوڈ کا۔ کہہ رہا تھا کہ تم کسی نفیاٹی مرض میں مبتلا ہو۔ اگر یہ سبق دور ہو جائے تو

”شاندار پرنسپلی نکل آئے گی۔“

”لیکن یہ سبق دور کیسے ہو؟“ عمران نے دزدناک لمحے میں پوچھا۔

”بہت آسانی سے دور ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نفیاٹی امراض کا باہر ہے اور وہ تمہارے لئے وقت نکالنے پر آمادہ بھی ہے۔“

”واقعی۔“ عمران نے بے حد خوش ہو کر پوچھا۔

”ہاں بھی۔ وہ میراگہر ادost ہے۔“

”سب تو میری شادی بھی ہو سکے گی۔“ اس نے پچکانہ مسرت کا اظہار کیا۔

”بس تو پہلے اُوھری نکل چلو۔ بعد میں اُسے بھی اپنی تفریح میں شریک کر لیں گے۔ خاصا

”زندہ دل آدمی ہے۔“

”ضرور.... ضرور.... اگلے چوراہے سے گاڑی موڑ لوں گا۔“

”تو تمہیں کبھی کسی لڑکی نے لفت نہیں دی۔“

”نہیں جناب! بس میرا مصکلہ اڑاتی رہتی ہیں۔“
”حالانکہ تم خاصے دلکش ہو۔ اگر میں جوانی میں ایسا ہوتا تو سارے شہر کی لڑکیاں میرے
چھپے دوڑ پڑتیں۔“

”پھر آپ کا کیا حشر ہوتا۔“ عمران نے بڑی مصصومیت سے پوچھا اور شبی خاموشی سے
اُسے گھونٹنے لگا۔

کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ ”میرے چھپے بھی دوڑتیں ہیں لڑکیاں لیکن نہ گئے پاؤں۔“

”نگے پاؤں کیوں؟“
”چپلیں ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔“

”مٹی پلید کر رہے ہو اپنی؟“

”محبت شروع کرتا ہوں۔ لیکن اچاک کوئی نہ کوئی یو قوئی سرزد ہو جاتی ہے۔ مثلاً بچھلے
سال ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے ہی دن سے محبت کرنے لگی۔ تیرے دن اپنی می
سے طولیا اور چوتھے دن میں اُس کی ماں کو پکپڑ دکھانے لے گیا۔“

”اس کی می کو کیوں؟“

”وہ مجھے اس سے بھی زیادہ انچھی گی تھیں۔ بات بات پر بیٹھا بینا کہتی رہتی تھیں۔ لیکن
انہیں شکایت تھی کہ بھی کوئی انہیں پکپڑ دکھانے نہیں لے جاتا۔ لہذا میں روزانہ پابندی سے
صرف انہیں پکپڑ دکھانے لے جانے لگا اور پھر اس لڑکی نے پدرہ نیں دن بعد مجھے بے تحاشہ
گالیاں دیں اور گھر سے نکال دیا۔“

آخری بیٹلے پر عمران کا لہجہ بے حد دردناک ہو گیا اور شبی نے اُس کا شاند تھپک کر
کہا۔ ”بالکل پواہندہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کاڑی اب موڈل ٹاؤن کی طرف جا رہی تھی۔“

”ڈاکٹر ڈیوڈ کو آپ کب سے جانتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ترقبیا میں باہمیں سال سے۔“

”کیا بیٹھے سے بیٹل رہا ہے۔“

”نہیں.... امریکہ میں تھا۔ ابھی جاں ہی میں واپس آیا ہے۔“

”اور یہ ڈاکٹر فوریل۔“

”اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ ڈیوڈ کی دوست ہے!“

”میں ڈیوڈ بھی آپ ہی کی طرح زندہ دل اور رنگیں مزاج ہے۔“

”ذہن تاؤسے بھی ساتھ لینے کی تجویز کیوں پیش کرتا۔ اُس سے تفصیلی ملاقات جنمیں
خوش کر دے گی۔“

”لیکن فیاض سے بھی اُس کی ملاقات ہو چکی ہے۔“

”بھوئی تھی یو نہیں سرسری کی، ایک بار۔ فیاض یار ہوائی قسم کے آدمی ہیں۔ پا نہیں تم جیسے
زندہ دل آدمی سے کیسے نبھی ہے۔“

”تو اس آپ بیٹھن کا انتظام آپ ہی کے ذمہ ہے۔“

”اور کیا....؟“

”بڑی اچھی بات ہو گی۔ اگر ایسا ہو جائے۔“

موڈل ٹاؤن میں پہنچ کر شبی کی رہنمائی میں اس کی کوئی سک رسانی ہوئی جہاں ڈاکٹر
فوریل اور ڈیوڈ کا قائم تھا۔ ایک جگہ عمران کو صدر کی گاڑی بھی گھری ہوئی دکھانی دی جس کا
مطلوب یہ تھا کہ ڈیوڈ اس وقت کوئی ہی میں موجود ہے۔ عمران نے گھری دیکھی۔ رات کے
ساری ہی آٹھ بجے تھے اور سط نومبر کا زمانہ تھا! کسی قدر خلکی بڑھ گئی تھی۔

گاڑی پھاٹک پر پہنچی تو چوکیدار نے ڈیلی گھر کی سر نکال کر پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”لیکن ڈیوڈ صاحب موجود ہیں۔“ شبی نے پوچھا۔

”موجود ہے ہمارا!“

”پھاٹک کھول دو۔ میں شبی ہوں۔“

”اچھا۔ اچھا شبی سا ب۔“ کہہ کر چوکیدار پھاٹک کھونے لگا۔

”کاڑی روشن سے گذرتی ہوئی پورچ مک آئی۔ پھاٹک سے یہاں تک خاصا فاصلہ تھا۔ پورچ
میں تیز روشنی تھی۔“

”چلو اترو۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ رہائشی حصے میں صرف وہی دونوں ہوتے ہیں۔“

لہذا کسی ایسے ملازم کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا جو ہمارے کارڈ ان تک پہنچائے۔ ڈاکٹر فوریل کو

دیکھنا۔ آئی سمجھ عورت شاکری کسی نظر سے گزرا ہو۔“

عمران گاڑی سے اتر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ فضا پر عجیب سامنانا طاری تھا۔ اس نے سر کو جبش دے کر شبی کی طرف دیکھا۔

”کیا سچنے لگے۔“

”کچھ بھی نہیں۔“

”تو چلو۔“ شبی نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ برآمدے میں پہنچ اور شبی نے کال مل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ ”اب ڈیوڈ... یا فوریل ہی آکر دروازہ کھولیں گے۔“

”عمران کی پیشانی پر ٹکنیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس طرح یہاں آکر اس نے غلطی تو نہیں کی۔ باتوں کی زو میں شاکری بھی بھول گیا تھا کہ ڈیوڈ اس کی کارگزاری سے واقف ہو چکا ہے اور یہ اُسی ٹرک ڈرائیور کے قحط سے ہوا ہو گا جس کے ذہن میں اس کی نوسیر کے نمبر محفوظ رہ گئے ہوں گے۔“

”میباہت ہے!“ شبی نے پھر کال مل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ ”بھی سک کوئی بھی نہیں آیا۔“

”عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر دروازے کے پینڈل پر تھی۔ وفاخاں نے شبی سے پوچھا۔“

”لیا آپ نے اسے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ آپ آرے ہیں۔“

”نہیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اندر ہی موجود ہیں۔“ اور پھر چوکیدار نے بھی بتایا ہے کہ وہ دونوں اندر ہی موجود ہیں۔

”اچھا اگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو آپ کیا کریں گے!“ عمران نے پوچھا۔

”میں دروازہ کھول کر اندر جا سکتا ہوں۔“ شبی نے اکٹر کہا۔ ”میرے ڈیوڈ سے ایسے ہی تعلقات ہیں۔“

”اچھی بات ہے تو پھر چلیے۔ اگر دروازہ اندر سے مقتل نہ ہو۔“

”ہاں ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ باتھ روم میں ہو گا اور فوریل اپنے کلینک کی طرف نکل گئی ہو گی!“ کہتے ہوئے شبی نے دروازے کا پینڈل گھما یا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پھر وہ اندر داخل ہوتا ہو امران سے بولا۔ ”آؤ۔ آؤ۔ چلے آؤ۔“

وہ ایک طویل راہداری میں تھے۔ ایک دروازے پر رک کر شبی نے کہا۔ ”یہی ڈیوڈ کا کمرہ ہے۔“ پھر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی لیکن اندر سے کوئی آوازنہ آئی۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں بھی آپ کو بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا پڑے گا۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ اس نے اس بار شبی کی آنکھوں میں بھی الحص کے آثار دیکھے۔ شاید اس دروازے کا پینڈل گھماتے ہوئے پچھا بھی رہا تھا۔ عمران نے اسے بائیں جانب بٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے پینڈل گھما کر جھیکلے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ لیکن اس سے بھی وہاں کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر جب وہ دونوں دروازوں کے مقابل ہوئے تو شبی کے حلق سے کھٹی کھٹی کی چیز بکل گئی۔ کیونکہ سامنے ہی فرش پر ڈاکٹر ڈیوڈ کے سر اور دھرالگ الگ پڑے ہوئے تھے۔

”یہ... یہ... کیا ہے...“ وفاخاہ عمران کو جھبھوڑ کر بولا۔

”کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو دوسرے ضرب دے دیا ہے۔“ عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ”تت... تم درندے ہو۔“ شبی نے جھنجھلا کر کہا اور بے تھاشہ ”قتل... قتل... پولیس... پولیس... پچھنئے لگا۔“

”کیوں بور کر رہے ہیں۔ خاموش رہئے... سیدھے ریائٹو چلے گئے ہوتے تو کیوں پڑتے اس زحمت میں؟“

”تمہارا ادماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ ایک آدمی قتل ہو گیا ہے۔ لاش تمہارے سامنے پڑی ہوئی ہے اور تم اس طرح کی پاتیں کر رہے ہو!“

”جو لاش متاثر کرنی ہے اس سے متاثر بھی ہو جاتا ہوں۔“ ”ارے وہ تمہارا علاج کرنا چاہتا تھا۔“

”یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اب یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر فوزیل کا کیا ہشر ہو۔“

”ڈیوڈ میرا دوست تھا۔ بہت اچھا دوست۔“

”آہستہ بولنے کہیں قاتل آس پاس ہی نہ موجود ہو۔“

”میں چوکیدار کو آواز دیتا ہوں۔“

”نی اخال خود کو قابو میں رکھئے اور میں ٹھہریے میں ذرا گاڑی سک جانا چاہتا ہوں۔“

”اوہ۔ تو مجھے یہاں تھا چھوڑ جھاگنے کا رادہ ہے۔“
”نبیں۔“

”تو پھر گاڑی تک کیوں جانا چاہتے ہو۔“

” عمران نے کرے کا دروازہ بند کر دیا اور پر تھکر انداز میں بولا۔

”اچھی بات ہے۔ آپ بھی چلنے... ہاں کیوں نہ پہلے ہم اُس حصے کی طرف چلیں جہاں ڈاکٹر فوریل کا لینک ہے۔!“

”میں یہی کہتا ہوں فوراً پولیس کو اطلاع دو۔“

”میں یہی کرنے جا رہا تھا۔ اس عمارت کا فون استعمال نہیں کرتا چاہتا۔“ عمران نے دروازے کے پینڈل کو رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

”وہ راہداری سے نکل کر پھر برآمدے میں آکھڑے ہوئے اور عمران نے صدر دروازے کے پینڈل کو بھی رومال سے صاف کیا۔

”مم.... میں کہتا ہوں چوکیدار... کو آواز دو۔“

”ٹھہر جائیے... میں پہلے پولیس کو فون کر دوں... میری گاڑی میں واڑیں سیت موجود ہے...!“

”اچھا... اچھا...“ شلبی نے طویل سانس لے کر کہا۔

” عمران نے گاڑی میں بیٹھ کر سفری ٹرانسپریٹ کا سوچ آن کیا اور دھیرے دھیرے صدر کو کال کرنے لگا۔

”اث از صدرر...!“ ریسیور سے آواز آئی۔

”تم یہاں کتنی دیر سے موجود ہو۔“

”قریبادو گھنٹے سے!“

”ڈاکٹر ڈیوڈ کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے۔“

”جی ہاں...!“

” اُس کے بعد کوئی اور بھی عمارت میں داخل ہوا تھا۔“

”جی ہاں۔ کچھ دیر پہلے سیاہ رنگ کی ایک مر سینہ پر“

”اُس کے علاوہ۔“

”جی نہیں اس کے علاوہ نہ کوئی گاڑی آئی اور نہ کوئی فرد کپاڑ میں داخل ہوا۔“

”کوئی باہر نکلا تھا۔“

”جی نہیں کوئی نہیں۔ کیا آپ عمارت میں موجود ہیں۔“

”مر سینہ پر میں... میں ہی تھا۔ یہاں ڈاکٹر ڈیوڈ کی لاش ملی ہے۔“

”خدا کی پناہ! میرا خیال ہے کہ قاتل اب بھی عمارت ہی میں موجود ہو گا۔“

”خیال میں دیکھوں گا۔ اب تم عمارت کے عقب میں چلے جاؤ اور ادھر سے نکای کا کوئی راستہ تلاش کرو۔ میں یہاں دیکھتا ہوں۔“

ٹرانسپریٹ کا سوچ آف کر کے گاڑی سے نکلا اور پھر شلبی کے پاس پہنچ گیا۔ شلبی کا چہرہ پینے میں ڈوب گیا تھا عمران نے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”بہت پسند آ رہا ہے۔“

” رومال ہے میرے پاس!“ شلبی نے ناگواری سے کہا اور جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ خشک کرنے لگا۔

”کیا فیاض کو فون کیا ہے؟“ شلبی نے پوچھا۔

”فیاض کو کیوں کرتا۔ علاقے کے تھانے میں اطلاع دی ہے! اب چلے گیا۔“

”کیا کروں ادھر جا کر۔“

”ڈاکٹر فوریل کو اس قتل کی اطلاع نہ دیں گے!“

” تمہارا دویہ میری سمجھ سے باہر ہے!“ وہ برآمدے سے انتباہ ہوا بولا اور عمران نے کہا۔

” یہ عمارت آپ کی دیکھی بھائی ہے۔ ورنہ آپ کو زحمت نہ دیتا۔“

کلینک میں پہنچ کر شلبی اُسے سیدھا ڈاکٹر فوریل کے کرے کی طرف لیتا چلا گیا۔ ویسے اس وقت کلینک میں بھی سننا تھا۔ صرف ایک نرس اور کپاڑ نذر کے علاوہ اور کوئی نہیں دکھائی دیا تھا۔ ڈاکٹر فوریل اُنہیں دیکھتے ہی کری سے اٹھ گئی۔

” پہلو.... مسر شلبی۔“ اس نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ

عمران کو دیکھیوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ غالباً اس کے طیبے ہی نے اُسے خصوصی توجہ دینے پر

مجبور کر دیا تھا۔

”پپ پولیس کیوں ساب!“ چوکیدار ہکایا۔
 ”ڈیوڈ صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔“
 ”ارے نہیں۔ ساب!“ چوکیدار اچھل پڑا۔
 ”ڈیوڈ صاحب کے آنے سے پہلے یہاں کون آیا تھا؟“
 ”کوئی نہیں ساب! سارا دون بعد بس آپ لوگ آیا تھا۔“
 ”مگر ڈیوڈ صاحب کے ساتھ گاڑی میں اور کوئی بھی تھا؟“
 ”نہیں ساب اکیلا تھا۔“

”اچھا..... خیر.... تم ہوشیار رہنا ابھی پولیس آجائے گی۔“ کہہ کر عمران نے گاڑی گزیر میں ڈال دی اور چھاٹک سے نکلا چلا آیا۔ عمارت کے عقب میں پہنچنے کے لئے خاصا بڑا چکر لینا پڑا تھا۔ عمارت کے اس سلسلے کے بعد ویرانہ ہی تھا۔ تاریکی میں گاڑی کی ہیئت لاست دور درست ناہموار زمین پر پھیل رہی تھی۔ جلد ہی اُسے صدر کی گاڑی بھی نظر آگئی۔ لیکن وہ خالی تھی۔ عمران نے اپنی گاڑی بھی اسی کے قریب روک دی۔ پولیس کے پہنچنے سے قبل ہی انہیں ان اطراف سے نکل جانا تھا۔ گاڑی کی لاست بھجا کر اس نے انہیں بند کر دی۔

تمہوڑی دیر بعد ٹیکروں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی ادھر ہی آ رہا تھا۔ وہ سنبل میٹھا۔ آنے والا صدر ہی تھا۔ عمران کے استفسار پر بولا۔ ” بلاشبہ کوئی پارک کی دیوار چھلانگ کر اندر پہنچا تھا۔ دیوار پر ایک جگہ نشانات ملے ہیں.... اور شائد میں نے اسی شخص کی گاڑی بھی دریافت کر لی ہے جس کا ایک ناٹر فلیٹ ہو گیا ہے اور انہیں ابھی تک گرم ہے۔“

”اس کا مطلب پہنچ ہو سکتا ہے کہ واردات کو زیادہ دیر نہیں گذر دی۔“
 ”وزاصل ٹیکروں کے نشانات نے گاڑی تک رہنمائی کی ہے.... گاڑی کو یہاں سے جوں توں لے جا کر قریب ہی ایک ننک نالے میں اتار دیا گیا ہے۔ نالے کے اونپر جہازیاں ہیں۔ بہر حال جب تک اس گاڑی کی خاص طور پر تلاشی نہ ہو کسی کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہو سکتی۔“
 ”نمبر پلیٹ موجود ہے۔“

”جی ہاں.... پی کے تھری سکنی ایسٹ۔ کور دلا۔ موڈل سیونٹی سیون۔“
 ”گذشت.... تو جلدی ہی کوئی اُسے وہاں سے نکال لے جانے کے لئے ضرور آئے گا....!“

”میا آپ اپنی بیٹی کو لے آئے ہیں!“ فوریل نے شلبی سے پوچھا۔
 ”نہیں....! لیکن ڈیوڈ....!“ شلبی کی آواز تھر آگئی۔
 ”ڈاکٹر ڈیوڈ آرام کر رہے ہیں۔ کیا انہیں آپ کی آمد سے مطلع کر دیا جائے۔“ عمران کی نظر فوریل کے پھرے پر تھی۔
 ”میں ڈیوڈ کے کمرے سے آ رہا ہوں۔ لیکن وہاں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ سر ڈھڑ سے الگ کر دیا گیا ہے۔“

”نہیں....!“ فوریل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔
 ”یقین کجھے! ہم دیکھ کر آ رہے ہیں۔“
 وہ دھرم سے کری پر گر گئی اور اس کا سر میز پر جھکت چلا آیا۔
 ”بیہو شہ نہ ہونے پائے!“ عمران نے بوکھائے ہوئے انداز میں کہا اور نرس کو آوازیں دیتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔
 نرس اور کپاؤنڈر کو ڈاکٹر فوریل کی طبیعت کی اچانک خرابی کی اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فوریل کے مطب کی طرف دوڑ پڑے۔

وہ سچ مجھ بیہو شہ ہو گئی تھی۔ لیکن کے فون پر عمران نے ملاجئے کے پولیس اسٹیشن کو اس حادثے سے مطلع کیا۔... لیکن اس وقت شلبی اس کے پاس موجود نہیں تھا۔ تھانے میں اطلاع دینے کے پانچ منٹ بعد اس نے شلبی سے کہا کہ وہ کیپشن فیاض کو بھی مطلع کر کے... خود وہیں ٹھہرے۔
 ”اور کیا تم جا رہے ہو؟“ شلبی نے بوکھا کر پوچھا۔

”مجبوری ہے!“ عمران نے بسور کر کہا۔ ”کیپشن فیاض نے مجھے اس لباس میں دیکھ لیا تو ضرور اس کی وجہ پوچھے گا اور میں جھوٹ نہیں بول سکوں گا۔“
 ”یعنی کہ....“

”صاف صاف بتا دینا پڑے گا کہ ہم کس ارادے سے نکلے تھے۔“
 ”جاوے.... جاوے.... دفع ہو جاوے۔“ شلبی مضطربانہ انداز میں بولا۔
 عمران نے باہر نکل کر گاڑی سنبلی اور ٹھیک چھاٹک پر پہنچ کر رکا۔ چوکیدار کو قریب بلا کر اُس سے کہا۔ ”شلبی صاحب اندر ہیں اور میں پولیس کو اطلاع دینے جا رہا ہوں۔“

”جی ہاں.... میرا بھی بھی خیال ہے۔ میں دیکھوں گا۔ بے فکر رہئے۔ میں نے اسی نالے میں ایک جگہ اپنے لئے بھی تجویز کر لیے ہے...!“

”حجاڑ رہتا... چاہو تو اپنی مدد کے لئے کسی اور کو بھی بلا لو...!“
”ضروری نہیں سمجھتا۔“

”ٹھیک ہے تو میں چلا... پولیس پہنچنے ہی والی ہو گی۔ لیکن دھیان رکھنا کہ کہیں ناگزیر ہی کے نشانات کے ذریعے پولیس تمہاری گاڑی تک نہ پہنچ جائے۔“
”اس کا بھی انتظام کر لیا جائے گا۔“

”تو پھر میں چلوں!“
”جی ہاں...!“

◇
دوسری صبح کے اخبارات میں ڈاکٹر ڈیوڈ کے بھیانہ قتل کی خبر ڈاکٹر فوریل کے تفصیلی بیان کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ جس کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ اور ڈاکٹر فوریل گھرے دوست تھے۔ ڈاکٹر فوریل خواتین کے امراض کی ماہر تھی۔ خصوصیت سے بانجھ پن کا ازالہ کرنے میں خاصی شہرت رکھتی تھی۔ ڈیوڈ اُسے امریکہ سے یہاں لایا تھا تجویز یہ تھی کہ دونوں مشترکہ طور پر کام کریں گے۔ اس سلسلے میں ڈیوڈ نے یہاں اپنے بعض ذی اثر لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔... ساتھ ہی فوریل نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ ڈیوڈ اُسے ہمیشہ ایک پُر اسرار آدمی لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کے بارے میں ایک بے نام ہی خلش اس کے ذمہ میں ہمیشہ رہی تھی۔ ڈاکٹر فوریل نے اُس کے قتل کا شہر کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔... کسی ایسے فرد کی بھی نشاندہی نہ کر سکی جس سے کبھی ڈاکٹر ڈیوڈ کی سلیکٹ گلائی ہوئی ہو۔

بہر حال اس کے بیان کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ ایک بہت اچھا لیکن پُر اسرار آدمی تھا۔ خبر پڑھ کر شہلا چوبدری نے اپنے باپ کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی! وہ شام کے بھی سو ہی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور شہزاد چوبدری سامنے کھڑا آکھیں ملتا نظر آیا۔
”کیا بات ہے رات دیر نے سویا تھا!“

”بڑی اہم خبر ہے ڈیٹی۔!“

”کیا بات ہے؟“

”کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو قتل کر دیا۔...!“

”نہیں!“ وہ لڑکھا کر کئی قدم پہچھے ہٹ گیا۔

”خود دیکھ لیجھ!“ اس نے اخبار باپ کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں کمرے میں جا بیٹھے اور شہزاد خبر دیکھنے لگا۔

”غالباً آپ کو صدمہ تو ہوا نہ ہو گا۔“ شہزاد نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”بہت بڑے جگہ سے پیچھا چھوٹا! ہر وقت دھڑ کار رہتا تھا نہ جانے کب ذیل و خوار ہو جاؤں۔“ شہزاد طویل سانس لے کر بولا۔

”آخروہ تھا کیا چیز!“

”بہت نہ اآدمی تھا۔ بس کیا بتاؤں۔“ بسا اوقات ہم نادانشی میں کوئی بہت بڑی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور شومنی تقدیر سے کوئی اس پر گواہ بھی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ نہ اآدمی ہوا تو غلطی کرنے والے کی پوری زندگی و بال ہو جاتی ہے۔ وہ بہت برا بیک میلر تھا بے بی!“

”اب تو آپ مطمئن ہیں۔“

”ہاں بظاہر۔ اگر کسی دوسرے بیک میلر نے اُسے قتل نہیں کیا ہے!“

”کیا مطلب!“

”بسا اوقات بیک میلنگ کا مواد ایک گراں بھاگنے کی طرح ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”ہو سکتا ہے کسی دوسرے بیک میلر نے اُسے قتل کر کے بیک میلنگ کا سارا مواد اپنے قبھے میں کر لیا ہو۔ اور اب وہ ہمیں بیک میل کرنا شروع کر دے۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے تک آئے ہوئے کسی فرد ہی نے اُسے قتل کر دیا ہو۔ کیا اس دروازہ میں آپ نے نہ سوچا ہو گا کہ کاش آپ اس کو قتل کر سکتے!“

”کتنی بھی بار سوچا ہے۔“

سلسلے میں براہ راست اس سے یا اس کے باپ سے پوچھ گھن نہیں کر سکی تھی۔ کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا نہیں تھا۔ تو پھر کیا اس سلسلے میں اُسی سے رابط قائم کیا جائے۔ وہ سوچتی رہی تھی کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ دیا جس پر نظر پڑتے ہی وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کیا تم نے انہیں سننگ رومن میں بخادیا ہے۔“ اس نے ملازم سے پوچھا۔
”جی ہاں۔“

اور جب وہ سننگ رومن میں بچپن تو اسکے شہاد اس کا منتظر تھا۔
”تکلیف دی کی معانی چاہتا ہوں۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔
”اوہ۔ کوئی بات نہیں تشریف رکھتے۔ اب آپ کیسے ہیں۔“
”میں پہلے ٹھیک تھا اور اب بھی ٹھیک ہوں۔ پہنچیں کیوں میری ناگ پر پلاسٹر چڑھادیا گیا تھا۔“
”میں نہیں سمجھتی۔“

”بڑی کہیں سے بھی نہیں نوٹی تھی۔“

”تو آپ ہم پر کوئی فرد جرم عائد کرنے آئے ہیں!“
”قطعی نہیں! بس تصدیق کرنی تھی۔ اس نے سوچا تھا شائد کسی اور نے آپ کا یا آپ کے ذیہی کا نام لے لیا ہو گا۔“

”بھی نہیں! وہ میں ہی تھی لیکن جو لوگ آپ کو اٹھا کر لائے تھے ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی تھا اور اسی نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ کی ناگ کی بڑیاں ثوٹ گئی تھیں۔“

”بہر حال اسی لئے میں اب مناسب نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں کا نام لیا جائے کیونکہ آپ لوگوں کو بھی دھوکا دیا گیا ہے۔ لیکن کیا آپ بتائیں گی کہ آپ کی دبی کو خٹی سے مجھے کون لے گیا تھا۔“

”خداجانے۔ بس آپ رات کو حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئے تھے۔“
شہاد طویل سانس لے کر رہا گیا۔

”تو آپ ہم لوگوں کا نام نہیں لیں گے!“ شہلا نے پوچھا۔
”ہرگز نہیں! خواہ آپ لوگوں کو دشواری میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟“

”دراسا پا تو تھا۔“ شہلا تھارٹ سے بولی۔ ”کیا خیال ہے آپ کا ڈاکٹر فوریل واقعی اس کی اصلیت سے واقف نہ ہوگی۔“

”خدا ہی جانے۔ ڈیوڈ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کسی خاص مقصد کے حصول ہی کے لئے اس کو یہاں لایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ اُسے بھی بلیک میل ہی کرتا رہا ہو۔“
”لیکن وہ اس کا اعتراف کیوں کرنے لگی!“ شہلانے کہا۔

دفعہ فون کی گھنٹی بھی اور شہباز نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لی۔ دوسری طرف سے ایک انجمنی کی آواز آئی اور شہباز نے کہا۔ ”ہاں میں شہباز ہی ہوں۔“

”لیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ڈیوڈ کی موت کے بعد تم آزاد ہو گئے ہو۔“
”تم کون ہو؟“ شہباز نے گرج کر پوچھا۔ اُسے انکش میں مخاطب کیا گیا تھا اور بولنے والے کا الجہہ غیر ملکی تھا۔

”میں کوئی بھی ہوں!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ڈیوڈ مخفی ایک مہرہ تھا۔ اور میرے لئے کام کرتا تھا۔... اس کی موت سے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اب تم براہ راست ڈاکٹر فوریل سے تعادن کرو گے۔“

شہباز نے کچھ کہنا چاہا پھر اضطراری طور پر رسیور کریل پر تخت دیا اور کرسی کی پشت گاہ سے لکھ کر ہاتھ پنپنے لگا۔ چہرے پر خوفزدگی کے آثار گھرے ہوتے جا رہے تھے۔

”کون تھا۔ کیا بات ہے ذیہی۔...!“ شہلا اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔
”کچھ نہیں کوئی نہیں! جاؤ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

لہجہ اتنا خراب تھا کہ شہلا وہاں نہ رک سکی۔ لیکن اس کی فکر مندی میں اس رویے سے مزید اضافہ ہو گیا تھا وہ سوچ رہی کیا اس کے باپ کا یہ خیال درست ثابت ہوا ہے کہ ڈیوڈ کی موت کسی دوسرے بلیک میلر کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے اور اب سارا بلیک میلک اسٹف اُس کے قبیلے میں آگیا ہے۔ وہ بوجھی اور الجھتی رہی۔ اسی عالم میں ناشتے کی میز تک بچپن لیکن آج اُسے تھنا شاشتے کرنا پڑا۔ باپ نے ناشتے خلاف معمول اپنی خواب گاہ میں کیا تھا۔ شہلا کی تشویش بڑھتی چلی گئی۔
سچھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرے۔ دفعتائی سے عمران یاد آیا جس نے پوری طرح ان کے معاملات کی پرده پوشی کی تھی۔ یعنی کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا تھا جس کی بناء پر پوچھیں شہادت کے

"واقعی اس سلسلے میں ہم آپ کے ہمیشہ احسان مند رہیں گے۔"

"کیا آپ ان لوگوں میں سے کسی کا حیله بتا سکیں گی جو مجھے بحالت بیوی شی آپ کی کوئی لے گئے تھے؟"

"اس وقت وہاں نہ میں موجود تھی اور نہ ڈیڑھی۔ ملاز ملوں اور خاندان کے چند دوسرے زادوں نے آپ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کی تھی اور میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو شائد عینی کا حیله یاد ہو۔"

"اچھا تو اب اجازت دیجئے؟"

"یہ کیسے ممکن ہے! کم از کم کافی تو چیجے۔"

"نہیں شکریہ! پھر کبھی دیسے بر سبل تذکرہ.... کیا آپ مشریعی عمران کو جانتی ہیں؟"

"آپ اپنے بھلے کے ڈائریکٹر جزل کے صاحب زادے کی بات تو نہیں کر رہے۔"

"جی ہاں وہی۔"

"میں انہیں جانتی ہوں۔ کبھی کبھی رائفل کلب میں ملاقات ہوتی ہے۔"

"کیا وہ اس دوران میں اس دیہی کوئی میں آئے تھے جب میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔"

"نہیں تو بے... وہاں ان کا کیا کام...؟"

"اچھا بہت بہت شکریہ۔"

وہ چلا گیا اور شہلا سوچتی رہی کہ آخر اس ملاقات کو کس غائب میں فٹ کرے۔ سنتگ رومن سے اثر رہی تھی کہ اس کا باپ آگیا۔

"ابھی کون آیا تھا۔" اس نے چڑپے پن کا مظاہرہ کیا۔

"انکپڑا شاہد..... جس کی نائگ پر پلاسٹر چڑھا کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے ہمارے حوالے کیا تھا۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" شہماز چوہدری نے خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

"یہی کہ اس نے اپنی رپورٹ میں ہمارا ذکر نہیں کیا۔"

"آخر کیوں؟ اس میں کیا چال ہو سکتی ہے؟"

"میں کیا جاؤں! شہلا بھجنگلا کر بولی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا باپ اتنا بزرد ہے۔"

"اب تم کسی سے بھی نہیں ملوگی۔ کوئی بھی آئے ملنے سے انکار کر دو۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ ہم اس جبال سے نہیں نکل سکے اذیوڈ کسی نامعلوم آدمی کا نامانندہ تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کچھ دیر قبل تمہاری موجودگی میں جو کال آئی تھی اُسی کی تھی۔ لگش بولنے والا کوئی غیر ملکی تھا۔ اُس نے ہدایت کی ہے کہ اب مجھے براوا راست ڈاکٹر فوریل سے تعاون کرنا ہو گا۔"

"اور اصل بلیک مسئلہ وہی ہے!"

"ہاں اس نے بھی کہا ہے۔ تمہارے سامنے ہی میں نے جھنگلا کر رسیور رکھ دیا تھا لیکن تمہارے چڑپے جانے کے بعد پھر اُس کی کال آئی۔ کیا تم علی عمران ناہی کسی شخص کو جانتی ہو۔"

"اُوہ.... ہاں کیوں.... اُس کا یہاں کیا ذکر۔"

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ شخص یہاں آئے تو میں اُسے کسی مشردوب میں بے ہوٹی کی دوادے دوں اور اس کے بے ہوش ہو جانے پر اُسے مطلع کر دوں لیکن یہ علی عمران ہے کوئی۔"

"سی آئی بی کے ڈائریکٹر جزل کا لڑکا۔"

"خدا جانے کیا ہوئے والا ہے۔"

"اب تو ڈیڑھی آپ کو ہتھا ہی پڑے گا کہ آپ کس سلسلے میں بلیک میں ہو رہے ہیں اور یہ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو! وہ پیر ٹھیک کر دھاڑا۔" ہمیں وہی کرتا پڑے گا جو ہم سے کہا جا رہا ہے...." پھر وہ صوفے پر گر گیا اور کسی نفع سے بچ کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شہلا ہبکا بکھڑی رہ گئی۔

پیشہ س

ابھی میری علاالت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ میں نے اس کے باوجود بھی کتاب لکھ لی اور آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

بس اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسمانی کرب سے ذہن کی مزید کھڑکیاں کھلتی ہیں شائد برحمت پروردگار میرے ساتھ بھی ایسا بھی ہوا ہے۔ جب بھی آنکھ کھلتی ہے تھوڑا بہت لکھ لیتا ہوں۔ جسمانی طور پر اتنا گھٹ گیا ہوں کہ خود اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ کبھی آئنے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تو بے اختیار یہی پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ ”بڑے میال کس کا پتہ پوچھ رہے ہو۔“

”اوھر میری خیریت دریافت کرنے کے لئے اتنے خطوط آئے ہیں کہ فرد افراد اہر ایک کا جواب لکھنا ممکن ہے۔ بہر حال میں اپنے سارے مجوہ کا بے حد شکر گذار ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازیں۔ آمین۔

کچھ بھائی ایسے ہیں کہ اس عالم میں بھی ایسے سوالات کر جاتے ہیں جن کی طرف متوجہ ہوئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

ایک بھائی نے پوچھا ہے کہ جمہوریت اچھی یا ڈکٹیٹر شپ۔ اور اسلامی مزاج ان دونوں میں سے کے سہار سکتا ہے۔

بھائی اگر آپ اسلامی نکتہ نظر سے پوچھتے ہیں تو پہلے بھی کبھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت جیسی کسی شے کی گنجائش

دوسرا حصہ

(دوسرا حصہ)

نہیں۔ اسلام تو اللہ کی ڈکٹیشنری شپ کا نام ہے۔ جمہوریت میں دھارے کے ساتھ بہنا پڑتا ہے۔ جبکہ اسلام دھارے پر چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کے لئے صرف ایک ایماندار فرد کی حکومت کافی ہے کہ وہ اینماندار فرد اپنے احکامات نہیں بلکہ قرآنی احکامات ہم سے منواتا ہے۔ لہذا امیرے بھائی اسلام اور جمہوریت کو اجماع ضدیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں جمہوری نظام پنپ نہیں سکا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہاں جمہوریت کے علیبرداروں کو بھی ڈکٹیشنری بننا پڑا ہے اور بالآخر یہی چیزان کے زوال کا باعث نبی کہ زبان پر تو جمہوریت کا نفرہ ہوتا تھا لیکن کرتوتے ڈکٹیشنروں سے بھی بدتر۔

غائب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجھ۔

پھر جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں صرف دوست گئے جاتے ہیں بقول اقبال "بندوں کو پر کھانہ نہیں جاتا" جو چاہے دولت کے مل بوتے پر بحیثیت امیدوار کھڑا ہو کر منت ہو جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دفتر کی کلرکی کے لئے تو آپ کو فرست کلاس گریجویٹ چاہئے۔ لیکن قوم کی باغ ڈور "لٹھ" قسم کے افراد کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ شیخ مرغی سپلائر انگوٹھا چھاپ تو قومی اسمبلی میں پہنچ کر قانون سازی فرمائیں اور سینکڑ کلاس گریجویٹ کو چیڑ اسی بنا نے کے لائق بھی نہ سمجھا جائے۔ ہے سمجھ میں آنے والی بات؟
.... لا حول ولا قوة

ایسا صفحہ

سلیمان نے زور دار قہقہہ لگایا۔

"اس میں دانت نکالنے کی کیا بات ہے۔"

"ہے جناب کیونکہ آپ واقعی بہت بھولے ہیں۔ وہ چس پینے لگا ہے۔ کسی نے پٹی پڑھا دی
ہے مرغ نڈاؤں کے ساتھ چرس کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچا تی۔"

عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور سلیمان جلدی کنگھا کرنے لگا۔
”وہ ہے کہاں؟“ عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”ہوتا کہاں اپنے کرے میں ہے۔“

”تو پھر مردی چکا ہو گا کیونکہ خرانے کی آوازیں بھی نہیں آ رہیں۔“
”آسے آپ سورو پے یومیہ دیتے ہیں۔ مجھے صرف پچاس دے کر دیکھئے پاس پڑوس کے
خرانے بھی رکوادول۔“

”آپ بلاؤ۔“

”سالاچ س کے نئے میں ہوا تو مجھے جان سے مار دے گا۔“

”جاتا ہے یا میں ہی مار دوں جان سے۔“

وہ بدستور کنگھا کرتا ہوا چلا گیا۔ اب عمران نے گلرخ کو آواز دی۔

”جی صاحب جی!“ وہ فوری طور پر کرے میں داخل ہوئی۔ شاید قریب ہی کہیں موجود تھی
یا پھر چپ کر دنوں کی گفتگو سن رہی ہو گی۔

”سلیمان کو کچن میں نہ گھسنے دیا کر۔“

”کیوں صاحب جی۔“

”ہانڈیوں میں جو میں گراٹا ہو گا۔“

”جو میں نہیں ہیں اس کے سر میں۔“

”تو پھر یہ ہمہ وقت کنگھا کیوں کیا جاتا ہے۔“

”کسی نے اسے بتایا ہے کہ اس طرح زندگی بھر بال سفید نہیں ہوتے۔“

”اچھا... اچھا۔ ایک کنگھا مجھے بھی لادے۔“

”آپ بھی صاحب جی....!“

”تجربہ کروں گا۔“

”آپ کے سر میں تو ایک بھی سفید بال نہیں ہے۔ اس کے بال کھڑی ہو چلے ہیں۔“

”یہ کھڑی سور کی دال بھی بن سکتی ہے۔ میں مجھے غصہ آنے کی دیر ہے۔“

”آپ کو غصہ آئے گا۔“

”کیوں نہیں آئے گا۔“

”کیسے لگیں گے غصے میں۔“

”چل بھاگ ورنہ آہی جائے گا۔“

”وہ چپ چاپ واپسی کے لئے مڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جوزف کرے میں داخل ہوا۔ سلیمان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ عمران اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی اُسے شلوار سوت میں نہیں دیکھا تھا۔

”اس طرح مت دیکھو بآس.....“ جوزف کے دانت نکل پڑے۔

”دیکھنے کی چیز لگ رہا ہے....!“

”میں تھوڑا تھوڑا کر کے سملان ہو رہا ہوں۔“

”یہ بڑی اچھی بات سنائی تو نہ۔ لیکن اپا انک اس کی کیوں سوچ جی۔“

”اوہ رشیدیوں کے گوٹھ میں ایک مولیٰ صاحب ہے۔ وہ مجھ کو چ س پلا کر لکھر دیا کرتا ہے۔“

”چ س پلا کر۔“ عمران اچھل پڑا۔

”ہاں باس وہ کہتا ہے کہ چ س اللہ کی طرف نے جاتی ہے اور شراب کا راستہ شیطان کی طرف جاتا ہے۔ اس نے مجھے قبروں پر بیٹھنے ہوئے فقیروں کو چ س پتے دکھایا تھا اور کہا تھا کہ یہ دگ محض چ س کی وجہ سے خدار سیدہ ہوئے ہیں۔“

”ابے یہ چ س آدمی کو ابدر سے کھو کھلا کر دیتی ہے۔“

”میں تو کھو کھلا نہیں ہوں۔“

”کب سے پی رہا ہے۔“

”ایک بخت سے۔“

”بل ایک ماہ بعد دیکھو۔“

”کچھ بھی نہیں ہو گا باس میں دن بھر میں پچاس روپیوں کا مکھن اور دو دوھہ ہضم کر ڈالتا ہوں۔“

”لیکن شیدیوں کے گوٹھ میں تیرا کیا کام۔“

”کالا۔ کالوں ہی میں کھپ سکتا ہے۔“

”اس گھر میں کتنے آبنوں ہیں!“

”ایک گاڑی کے رجسٹریشن نمبر میک اور موڈل سے پتا لگتا ہے کہ ”کس کے نام پر جزر ہے؟“

”بہت بہتر۔ میں نوٹ کر رہا ہوں۔ آپ فرمائیں۔“

”نی کے تحری کسکتی ایس۔ نویونا کورول۔ موڈل سیوٹی سیون۔“

”اوکے سر...“

”جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔“

”تل لیکن نہبیرے جتاب.... ذرا ایک منٹ ہو لڑ کیجئے۔ شاید آپ نے صحیح کوئی اخبار نہیں دیکھا۔“

”میں ضرور تعاون کیتا ہوں اخبار۔ آج ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔“

”میں ابھی آپ کو بتاتا... دیے ہو سکتا ہے مجھے غلط یاد ہو۔“

”جاو۔ جلدی کرو۔“ عمران نے کہا اور رسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔

”تھوڑی دیر بعد میک زریو کی آواز آئی۔“ یہ کسی شہلا چوہدری کی گاڑی ہے جو کل دو بیجے چوری ہو گئی تھی۔ شہلا نے اُس کی گشادگی کی روپرٹ پر نشان کے تھانے میں درج کرائی ہے۔ ساتھ ہی پانچ ہزار روپے انعام کا اعلان بھی کیا ہے۔“

”بس کافی ہے۔“ عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے گاڑی میں آبیٹا۔ اس گاڑی میں دھماکا ہوا اور کوئی جلتی ہوئی چیز میری بائیں ران میں چھپ گئی۔ بڑا سالو ہے کاٹکرا تھا۔ میں نے اُسے کھینچ لیا۔ میں چھوٹ پڑا خون کا فوارہ خدا کا شکر ہے کہ بڑی پر ضرب نہیں ہے۔“

”تم مجنہ یہ اطلاع دے رہے ہو کہ گاڑی دھماکے سے اڑ گئی۔“ عمران نے کہا۔ ”جی ہاں۔ شاید وہ اُس میں نائم بم چھوڑ گئے تھے۔“

”مگر کی اور بات ہے بس۔“

”دفع ہو جا۔ میں تیری طرف سے مایوس ہو چلا ہوں۔“

”وہ خاموشی سے واپسی کے لئے مزگیا۔“

”تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بیجی۔ عمران نے رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے صدر کی

”کمزوری آواز آئی۔“ میں سول اسپتال سے بول رہا ہوں۔“

”کیوں؟ خبریت تو ہے نا...!“

”زخمی ہو گیا ہوں۔ ران میں گہرا زخم ہے۔ خون بہت ضائع ہوا ہے۔ پرانی بیٹت وارڈ کمرہ

”نمبر ۳۱ میں ہوں۔“

”میں ابھی آیا۔“ عمران نے کہا اور جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے سول اسپتال کی طرف

”روانہ ہو گیا۔“

”صدر واقعی بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔“

”یہ ہوا کیسے۔“ عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا کہ گاڑی کے قریب ہی میں نے ایک ایسی جگہ دریافت کر لی ہے۔“

”جباں چھپ کر میں پہ آسانی گاڑی کی گمراہی کر سکوں گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک زبردست

”دھماکا ہوا اور کوئی جلتی ہوئی چیز میری بائیں ران میں چھپ گئی۔ بڑا سالو ہے کاٹکرا تھا۔ میں نے

”اُسے کھینچ لیا۔ میں چھوٹ پڑا خون کا فوارہ خدا کا شکر ہے کہ بڑی پر ضرب نہیں ہے۔“

”تو تم مجھے یہ اطلاع دے رہے ہو کہ گاڑی دھماکے سے اڑ گئی۔“ عمران نے کہا۔

”جی ہاں۔ شاید وہ اُس میں نائم بم چھوڑ گئے تھے۔“

”تمہاری طرف سے تشویش ہو گئی ہے۔“ عمران بولا۔

”فکر نہ کیجئے بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

”بہر حال گاڑی بتاہ ہو گئی۔ لیکن اُس کا نمبر محفوظ ہے۔ میں خود دیکھ لوں گا۔“

”عمران کچھ دیر بیٹھ کر دھماکے سے روانہ ہو گیا۔ اور راستے سی میں ایک پیک فون بو تھے سے

”بلیک زریو کو کاں کیا۔“

”لیں سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ایک منٹ نہبیرے انہیں اطلاع دیتی ہوں۔“

”عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکر لیا۔“

پہاڑیں کیوں اس وقت بہت مگن نظر آ رہا تھا۔ نہ آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے اور نہ پیشانی پر تشویش کی لکیریں۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے شکار کھلنے لگا ہو۔

ٹھیک آدمی گھنے بعد اطلائی گھنٹی بھی اور عمران صدر دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھولتے ہی اُس نے شہلا کی تحریر زدہ سے آواز سنی۔

”ارے نہیں....!“
”میں معافی چاہتا ہوں محترم۔ آپ سے ملنابے حد ضروری تھا اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آپ اندر بے خوف و خطر تشریف لے آئیے۔“

”اوہ... ایسا بھی کیا۔ مجھے آپ پر اعتماد ہے۔“

اس کے اندر واخن ہو جانے پر عمران نے دروازہ بند کیا اور اُسے سنگ روم میں لے آیا۔
”کیا آپ شاکرہ کے انکل ہیں...!“ شہلا نے پوچھا۔
”نہیں میں خود ہی شاکرہ بھی ہوں۔ رائق لکب میں آپ دونوں زیادہ تر ساتھ رہتی تھیں۔ اس لئے اس کا نام یاد رہ گیا تھا۔“

”تو آپ ہی بول رہے تھے۔ اس نے حیرت سے کہا۔“

”ہاں اور اس مجبوری کی بناء پر کہ آپ کافون نیپ کیا جا رہا ہے۔“

”یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ عمران صاحب ہم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”شام آپ کو علم نہ ہو کہ ڈاکٹر ڈیوڈ اصل آدمی نہیں تھا۔ کسی کا کار پر دواز تھا۔ اصل بیک میلر کوئی غیر ملکی ہے۔“

”مجھے علم ہے۔ صرف وہی نہیں نیپ کرا رہا آپ کافون بلکہ ہم بھی کر رہے ہیں۔ آپ مجھے ہمیں بتانا چاہتی ہیں تاکہ اُس نے مجھ سے متعلق آپ لوگوں کو خصوصی ہدایات دی ہیں۔“

”جج... جی... ہاں۔“

”تب پھر جب آپ کا دل چاہے مجھے بے ہوش کر کے اس کے حوالے گز نکلتی ہیں۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ.... لعنت ہے اس پر۔“

”میں سمجھا ہوں شہلا صاحبہ۔ خیر اس معاملے کو پھر دیکھیں گے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کی گاڑی کہاں سے چوری ہوئی تھی۔“

تمہوزی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بیلو شاکرہ.... خیریت تو ہے.... آج میں کیسے یاد آگئی۔“

”ایک اشد ضرورت کے تحت۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ میں صدا کی خود غرض ہوں۔“

”چلوانے لیتی ہوں۔ لیکن یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔“

”دو ماہ ہوئے پہلا پر گئی تھی دہاں سے دو کل کارڈ کا مرض لے کر پڑی ہوں۔ ڈاکٹر آپریشن کی بات کرتے ہیں لیکن میری بہت نہیں پڑتی۔“

”یہ تو بہت نرمی خبر سنائی تم نے۔“

”میا تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو۔“

”تمہارے گھر....!“

”نہیں میں اس وقت انکل کے گھر پر ہوں۔ تمہارا بڑا احسان ہو گا اگر آ جاؤ۔“

”ہر چند کہ ڈیڈی نے مجھے کچھ دنوں کے لئے صرف گھر تک محدود کر دیا ہے لیکن میں

ضرور آؤں گی۔ تم اپنے انکل کا بیٹا بیادو۔“

”عمران اُسے پڑھتا نے لگ۔“

”میں سمجھ گئی۔ آجھے گھنے کے اندر پکنچ جاؤں گی۔“

”بہت بہت شکریہ میں زندگی بھر احسان مندر ہوں گی۔“

”بکواس کے جائے گی۔ میں آرہی ہوں۔“

عمران نے رسیور کریٹل پر رکھ کر طویل سانس لی۔ کچھ موچتا رہا پھر جلدی بلکہ زیریو کے نمبر ڈائل کل کے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ”ویکھو میں اس وقت ثی تھریں میں ہوں۔ شہلا چوہری یہاں مجھ سے ملنے آرہی ہے۔ تم خاور اور چوہاں کوئی تھریں کی طرف اس ہدایت کے ساتھ فوراً بچوں دو کہ اگر کوئی شہلا کا تعاقب کرتا ہو انا نظر آئے تو اسے کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں۔ سائیکو میشن اٹھا کر لے جائیں۔ اگر وہ اپنے ساتھ اور کسی کو بھی لینا چاہیں تو کوئی مضاائقہ نہیں۔“

”بہت بہتر جتاب....!“

”جلد از جلد....!“ کہہ کر عمران نے رسیور کریٹل پر رکھ دیا۔

”دن دہارے جناب! پرنس اسٹریٹ میں۔ میں شاپنگ کرنے کے واپس آئی۔ تو گاڑی غائب تھی۔“
”ڈیوڈ کے قتل کے سلسلے میں اُسی کا استعمال ہوا تھا۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“
”میں گاڑی کی ڈگی میں کوئی فالتو پہبید موجود تھا۔“
”شہلا اُسے جرأت سے دیکھتی ہوئی بولی۔“ جی نہیں۔“

”بس تو پھر وہی گاڑی تھی۔ قاتل آپ کی مودل ناؤن والی کو ٹھی کے عقی پارک کی دیوار پھلائیگ کر اندر داخل ہوا تھا۔ وابسی پر اُس نے دیکھا کہ گاڑی کا ایک ناٹر فلیٹ ہو چکا ہے۔ اس نے اپسیروں نیل جلاش کیا ہو گا نہ ملنے پر گاڑی کو ایک قریبی خلک نالے میں دھکیل لے گیا۔ اور پھر اُس میں ایک نائم بم بھی چھوڑ گیا۔“

”خدا کی پناہ تو وہ دھماکہ جس کا ذکر اخبارات میں آیا ہے۔“

”آپ کی گاڑی میں ہوا تھا اور اس کے پر خیز اڑ گئے تھے۔“

”شہلا تھوڑی دیر میک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔“ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بھی بلیک مملک ہیں۔“

”اُبھی میرے بارے میں آپ بہت کچھ سنیں گی۔ مثلاً منہ سے لوہے کے گولے نکالتا ہے۔ ریز بلیڈ چباتا ہے اور زندہ سانپ کو کٹڑی کی طرح کر کر چباؤتا ہے۔“

”سخیگی اخیار تک جمع عمر ان صاحب میں بہت پریشان ہوں۔“

”ارے محترمہ..... میں.... لیکن نہ سہریے۔ کیا میں آپ پر اعتماد کر سکتا ہوں۔“

”اسی طرح جیسے میں نے آپ پر اعتماد کر لیا ہے۔“

”اچھا تو نئے میں محکمہ خارجہ کے شعبہ کار خاص سے تعلق رکھتا ہوں۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“

”کیا ٹھیک ہے۔“

”میں آپ پر اعتماد کر لوں گی۔“

”نہ کریں جب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن دوسرا اہم بات یہ ہے کہ آپ کی گاڑی چوری نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اُسے وہاں سے آپ کے والد صاحب لے گئے تھے۔ وہ خاصے جانے

پچانے آدمی ہیں۔ جب میرے آدمی اس کے بارے میں چجان میں کر رہے تھے تو ایک فرد ایسا بھی ملا جس نے آپ کے والد کو گاڑی لے جاتے دیکھا تھا۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ وہ چک کر بولی۔
”یہی کہ وہ بچارے اس قابل کہاں کہ عقی پارک کی دیوار پھلائیگ سکیں۔ لیکن گاڑی انہی کے تو سطح سے قاتلوں تک پہنچی تھی۔“

”اگر یہ بات ہوتی تو وہ مجھے گشدگی کی روپرٹ نہ درج کرانے دیتے۔“

”بس سوچتی رہے لیکن ہوا بھی ہے۔“

”اچھا ایک بات اور..... میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرا تعاقب کیا جاتا ہے۔ ایک یوریشن لڑکی اسکوڑ پر ہوتی ہے۔ اس وقت بھی وہ میرے پیچے پیچھے جا چکے آئی تھی۔“

”اب تعاقب نہ کر سکے گی۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”واپسی پر اندازہ لگایجئے گا۔“ عمران نے کہا۔ ”کیونکہ اب وہ میرے آدمیوں کی تحویل میں ہو گی۔“

”غیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کسی نے چھیڑ چھاؤ کی تو مارا جائے گا۔“ شہلا نے کہا اور ویٹھی بیک سے اعشاریہ تمین دو کاریو اور نکال کر عمران کو دکھایا۔

”پرمٹ ہے اس کا۔“

”جی ہاں۔ پکا پرمٹ.....!“

”ٹھیک ہے۔ آپ بہت دلیر لڑکی ہیں میں جانتا ہوں۔ اچھا خیر اب آپ جائیے میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ لیکن نہ سہریے یہ بھی دکھادوں کہ میرا حلیہ کیا ہو گا۔ عمران نے کہا اور اسے دیں بٹھا کر خود دوسرے کرے کرے میں چلا گیا۔“

شہلا خاصی پریشان نظر آنے لگی اور پھر جب پانچ یا چھ منٹ بعد عمران کی واپسی ہوئی تو وہ چونکہ پڑی..... انھی ہی رہی تھی کہ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”یہی رہے میں ہوں۔“

”خدا کی پناہ آپ بہر و پئے بھی ہیں۔“

عمران نے اپنا ایک ریٹریٹ میک اپ استعمال کیا تھا۔

اُسے فتحرٹھن کے پائیں باغ میں داخل ہوتے دیکھا۔ جہاں شہلا چوہدری کی اور آپ کی گاڑی پارک تھی وہ دونوں الرٹ ہو گئے۔ چوہاں جو دوسرا پوزیشن پر تھا اُس نے اُسے اپنا اسکوڑ بھی دیں روتے دیکھا تھا۔ جہاں خود اُس کی گاڑی پارک تھی۔

”کہاں کو منظر کرو۔“ عمران جلدی سے بولا۔

”پھر یہ ہوا جتاب کہ چوہاں نے اسکوڑ کی بیٹری کے نرٹھل سے وہ پیسہ نکال دیا جو خاور نے اُسے ناٹ کرنے کے لئے لگایا تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں بالکل سناتا تھا۔ گاڑیاں بھی نہیں گزد رہی تھیں۔ اس لئے وہ سب کچھ بے آسانی ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے لڑکی کو پائیں باغ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ گلی میں پیچی ہی تھی کہ شہلا چوہدری کی کار پائیں باغ سے برآمد ہوئی۔ ادھر اس نے اپنا اسکوڑ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی اور جب اسٹارٹ نہ ہوا تو پھر پیٹھ کر نرٹھل کے ساتھ وہی کرنے جارہی تھی جو خاور نے کیا تھا کہ ان دونوں نے اسے آلیا۔ اب شادک بات اُس کی بھجھ میں آگئی تھی۔ اس لئے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئی۔ بہت تیز معلوم ہوتی تھی۔ جوڑو کرنے پر بھی دسٹرس رکھتی ہے۔ بڑی مشکلوں سے قابو میں آئی۔ چوہاں کو اس پر ڈاٹ گن چلانی پڑی تھی۔ جب یہوں ہو گئی تو اخا کر گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ میں نے جو یا کو ہدایت دی ہے کہ اُسے محکملی حوالات میں ڈال دیا جائے اور آپ کے علاوہ اس سے کوئی بھی گفتگو نہیں کر سکتا۔“

”یہ تم نے بہت اچھا کیا۔“ کہہ کر عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی سائیکو مینشن کی طرف جارہی تھی اور اب وہ راشد پٹھان کے میک اپ کی بجائے سائیکو مینشن کے ایک ماہر نفیات کے میک اپ میں تھا۔ جس وقت وہ سائیکو مینشن کی حوالات میں داخل ہوا لڑکی ہوش میں تھی اُسے دیکھتے ہی اُنھیں بیٹھی۔

”میں کہاں ہوں اور تم کون ہو۔ میرے ساتھ جو غیر قانونی حرکت ہوئی ہے اس کے لئے تمہیں بھگتنا پڑے گا۔“

”آرام سے بیٹھی رہو۔“ عمران نے ہاتھ اخما کر زری سے کہا۔ ”یہ ذہنی مریضوں کا ہستال ہے۔“ اچھا تو پھر یہاں میرا کیا کام۔ بس مجھے اتنا یاد ہے کہ دو بد معافشوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا میں ان

”اجھی طرح دیکھ لیجئے۔ میں اسی روپ میں آپ سے ملا کروں گا۔“

”آپ واقعی بامکمال آدمی ہیں۔“ وہ اٹھتی ہوئی بڑی۔ اور عمران سے مصافحہ کر کے رخصت ہونے لگی تو عمران نے کہا۔

”یاد رکھئے گا اس میک اپ میں میرا نام راشد پٹھان ہے۔“

واتھی وہ ایک سفید قام لڑکی ہی تھی اور بڑی مشکلوں سے چوہاں اور خاور کے قابو میں آئی تھی اور پھر اسے اسکوڑ سیست سائیکو مینشن میں پہنچا کر وہاں کی حوالات میں ڈال دیا گیا۔ جو یا کو ایکس ٹوکی طرف سے اطلاع ملی کہ عمران کے علاوہ اور کوئی اُس لڑکی سے کسی قسم کی گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اوھر عمران ابھی تک اُسی عمارت میں تھا جہاں اُس نے شہلا چوہدری سے ملاقات کی تھی۔ کچھ دیر بعد چلنے ہی والا تھا کہ بیک زیر و کی کاں آئی۔ وہ عمران کو اطلاع دے رہا تھا۔ ”وہ ایک سفید قام لڑکی تھی جناب خود میں بھی نکل کھڑا ہوا تھا۔ پچھم خود اسے دیکھا اُس نے ٹھیک ٹھی تھرٹھن کے سامنے اپنی گاڑی روک دی تھی اور بیٹھ کر اُس کے انہن کو دیکھنے لگی تھی۔ گویا ظاہر کرتا چاہتی تھی کہ اسکوڑ کے انہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ کچھ دیر بعد خاور اس کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے بولا۔ ”میاں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔“ وہ شکریے کے ساتھ اس پر راضی ہو گئی۔ خاور نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ بیٹری کے تار کا نرٹھل ڈھیلا ہے۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا پیسہ نکال کر اُسے کسی قدر خم کیا اور نرٹھل کے گرد لگا کر اُسے ناٹ کر دیا۔ اس بار گاڑی اسٹارٹ ہو گئی اور لڑکی ایک بار پھر اُس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ چوہاں اور خاور نے اپنی گاڑی سامنے والی گلی میں پارک کی تھی اور اوھر اوھر اُس کی تھی اور اس کی تھی اور اس کا صدر اور کا اسکوڑ پھر اوھر ہی پلٹ آیا اور اتفاق سے اس بار اس نے بھی اسکوڑ وہیں روکا جہاں صدر اور چوہاں کی گاڑی پارک تھی لیکن وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔ اسکوڑ وہیں چھوڑ کر وہ اُن تھرٹھن کی طرف بڑھ گئی۔ خاور اور چوہاں جہاں تھے وہاں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے

”تم نے ابھی لکھ اپنا نام نہیں تھا۔“

”تم نے پوچھا کب تھا۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”میں کلارڈ کسن ہوں۔“

”لیکن یہ نام سوئیڈش تو نہیں معلوم ہوتا۔“

”میری پیدائش انگلینڈ میں ہوئی تھی۔ میرا باپ ان دونوں سفاریت خانے میں ملازم تھا۔“

”اس وقت بھی وہ اذیت پسند تھا۔“

”کیا بتاؤں ڈاکٹر میری پیدائش بھی اس کی اذیت پسندی کا نتیجہ ہے۔ میری ہاں پورے دن سے تھی کہ ایک روز میرے غلام باپ نے اس کے پیٹ پر خون کر سید کر دی۔ بس میرے ماں مرتے مرتے پچھی اور مجھے شام کو بردستی دنیا میں آتا پڑا تھا۔ آپ یہش ہوا تھا۔“

”مجھے تم سے ہمدردی ہے لڑکی۔“

”لیکن میں ساری دنیا کے مردوں سے شدید نفرت کرتی ہوں۔“

”ضرور ضرور۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔ ”ایسے حالات میں یہ ناگزیر ہے۔“

”تو پھر تم مجھ سے میرا یہ کو مپلکس مت چھینو۔“

”ہم مجبور ہیں لڑکی ہم جس پر سی سوئیڈن کی طرح ہمارے یہاں قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ قابل سزا جرم ہے۔“

”بس میں اُسے دیکھتی ہی تو ہوں۔ کبھی مل بیٹھنے کی کوشش نہیں کی۔“

”کیا تم ہر وقت دستانے پہنچ رہتی ہو۔“

”ہاں ڈاکٹر میرے ہاتھ ہر وقت ٹھنڈے رہتے ہیں۔ اگر دستانے نہ پہنچوں تو ہاتھوں میں درد ہونے لگتا ہے۔“

”اجھی بات ہے تو فی الحال ہم اسی کا علاج کریں گے۔ تم سے تھہارا کو مپلکس نہیں چھینیں گے۔“

”شکر یہ ڈاکٹر! لیکن میں اُس ٹھنڈس سے ضرور ملتا چاہوں گی جس کی شکایت پر یہاں پہنچائی گئی ہوں۔“

”تھہارا یہ خواہش فوراً پوری کر دی جائے گی۔“ ڈاکٹر امتحا ہوا بولا۔ ”میں اسے ابھی بھیجا دیں گے۔“

کا مقابلہ کرتی رہی۔ جب مجھ پر قابو نہ پا سکے تو کسی نے ڈارٹ گن چلائی اور میں بے ہوش ہو گئی۔“

”ہاں تم بے ہوش ہی کی حالت میں یہاں لاٹی گئی تھیں۔ وہ بد معاش نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق ایک سرکاری ہجکے سے ہے جو ذہنی امراض میں جاتا لوگوں کے بارے میں جھان جیں کر کے انہیں جبرا یہاں لے آتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک سرکاری ادارہ ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں تو نہیں آرہیں۔“

”دیکھو یہ سب کچھ ایک میزز آدمی مسٹر راشد پٹھان کی شکایت پر ہوا ہے کیونکہ تم اس کی محبوہ شہلا چہدری کا تعاقب کرتی ہو۔“

”وفیض لڑکی نے زور دار قہقهہ لگا کر کہا۔“ اچھا تو یہ بات ہے؟“

”ہاں بھی بات ہے...!“

”تب تو پھر راشد پٹھان میرا قیب تھہرا۔“ وہ بڑی ڈھنائی سے بولی۔

”اوہ تو تم واقعی اُس لڑکی شہلا چہدری کا تعاقب کرتی ہو۔“

”بہت دونوں سے۔ جب سے اُسے دیکھا ہے وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔“

”تو اس سے تعارف کیوں نہ حاصل کر لیا۔“

”صورت سے مغدور بھی تو لگتی ہے۔ اگر گھاس نہ ڈالی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔“

”اب تم خود ہی بتاؤ کہ تمہارے لئے ذہنی شفاخانہ ضروری ہے یا نہیں۔“

”وہ کچھ نہ بولی۔ سر جھکائے پیشی رہی۔“

”یہ ایک غیر فطری اور غلط رجحان ہے۔ کیا تمہارے باپ اور بھائی بہت ظالم ہیں؟“

”بہت زیادہ ڈاکٹر۔“

”کس ملک سے تعلق رکھتی ہو....!“

”سوئیڈن سے۔“

”لیکن ہاں کے مرد تو بے حد شریف ہوتے ہیں۔“

”سب نہیں ڈاکٹر۔ کچھ تو انتہائی درجے کے اذیت پسند ہوتے ہیں۔ اب میرے باپ ہی کو

لے لو۔ ذرا ذرا اسی بات پر بھی میری بوڑھی ماں کو مارتا پہنچا رہتا ہے۔“

ڈاکٹر چلا گیا اور اس نے قتل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔ دفعہ اس کے چھرے کی رنگت بدیل گئی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح غرانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور عمران راشد پھان کے میک اپ میں اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی وہ پھر معقول پر آگئی۔ عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگی۔ کیونکہ پہلی ہی نظر میں وہ اسے اول درجے کا یوں قوف لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ ہی ایسی تھی جیسے پیدائشی احتمل ہو۔

”تم راشد پھان ہو۔“ اس نے مھکلہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

”بب... بب... بالکل...!“

”میرے ساتھ یہ بر تاؤ کیوں کیا؟“

”تم لفظی ہو۔“

”کیا مطلب...!“

”شہلا کا پیچھا کیوں کرتی ہو؟“

”وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔“

”ارے واہ کیا بات ہوئی۔ یہاں عورتیں عورتوں کا پیچھا نہیں کرتیں۔ ہم بے حد شریف لوگ ہیں۔“

”ہوا کرو۔ لیکن میں سو بیٹھ شہل ہوں جا رے یہاں ایسی کوئی پابندی نہیں۔“

”تو پھر سو بیٹھنے پڑی جاؤ۔“

”اے بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم دیکھ لینا۔“

”ارے جاؤ... لے جا چکیں... وہ... وہ میری ہونے والی ملکیت ہے۔ بہت جلد ہماری ملکتی کا اعلان ہو جائے گا۔“

”اس کے باوجود بھی میں اسے یہاں نہیں رہنے دوں گی۔ تمہارا دل چاہے تو تم بھی چلو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ ہم دونوں مل کر اسے چاہیں گے۔“

”م... میں اپنے والد صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔“ عمران بوکھلا کر بولا۔

”انتے بڑے ہو گئے ہو اور اب بھی باپ سے پوچھ کر بتاؤ گے۔“

”ہاں ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے۔“

”تم مسلمان لوگ بھی عجیب ہو...!“

”تم مسلمانوں کے بارے میں کیا جانو...!“

”میں نے باقاعدہ اسنڈی کی ہے۔ اور کچھ دنوں تک مسلمان بھی رہ چکی ہوں۔“

”کچھ دنوں تک کی کیا بات ہوئی۔“

”ایک انڈو فیشی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اُسے مزید متاثر کرنے کے لئے۔“

”اس کے بعد...!“

”در اصل میں کسی بھی نہ ہب سے تعلق نہیں رکھتی۔“

”خیر مجھے کیا!“ عمران شانے سکوڑ کر بولا۔

”لیکن تم لوگ بڑی عجیب قوم ہو۔ کہتے ہو ناکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں۔“

”ہاں ہیں۔ بالکل ہیں۔ یہاں خون یا مٹی سے قوم نہیں نہیں۔ بلکہ دین بتاتا ہے قوم۔“

”میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے یہاں اخوت و مساوات کے بڑے چੜپے ہیں لیکن تمہاری قوم کے پچھرے یہ عدد افراد نظر و فاقہ اور صبر و قیامت کی زندگی گزارتے ہیں اور پچھیں

فیض کا یہ عالم ہے کہ دن بھر میں دوڑھائی پوٹ لیوٹر اپنے کپڑوں پر اپرے کر ڈالتے ہیں۔ دور

کیوں جاؤ حال ہی میں تمہارے ملک سے لاکھوں روپیوں کے شکاری بازار خریدے گئے ہیں۔“

”ارے وہ تیل والے عرب بھائی تھے۔“

”تمہاری ہی قوم کے فرد تھے۔“

”بالکل تھے۔“

”تو پھر یہ کیسی اخوت و مساوات ہے کیا وہی رقم جو بازوں پر ضائع کی گئی تمہاری فاقہ زدہ“

”آبادیوں کے کام نہیں آسکتی تھی۔“

”یہ معاملہ بڑا میڑھا ہے۔“

”آخر کیوں میڑھا ہے۔“

”بات در اصل یہ ہے کہ ہمارا صحیفہ آسمانی انہی کی زبان میں اترتا ہے۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو گئی کہ عربی کے ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔ ہو سکتا ہے بعض الفاظ سے تیل والوں کو اس کی

چھوٹ مل گئی ہو۔

”مجھ سے نہیں اڑ سکتے۔ میں نے بہت پڑھا ہے۔ مال کے بارے میں تمہارے یہاں نمایادی اصول یہ ہے کہ سارا مال خدا کا ہے اور لوگوں کے پاس اللہ کی نعمات کے طور پر رہتا ہے۔ اور اسے صرف اُسی کے احکامات کے تحت صرف کیا جا سکتا ہے۔“

عمران بغلیں جھائختے لگا اور وہ نہ کہا۔ ”ساری دنیا کے مذاہب کا لڑپر آنکھا کر دیا جائے تو اسلامی لڑپر کا عشر عشیر بھی نہ ثابت ہو گا۔ اس کے باوجود بھی تم لوگوں کا یہ حال ہے۔“

عمران کا سازا جسم پسینے سے بھیگ پکا تھا۔ بازار ٹھوک نگل رہا تھا۔ وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ دروازہ کھلا اور جولیا نافٹر واٹر نس کے لباس میں اندر داخل ہوئی۔

”اوہ۔ تو مجھ یہ کوئی ہستال ہی ہے۔“ کلارا چونک کر بولی۔

”ہاں بھی اور کیا ہم جھوٹے تو نہیں ہیں۔ یہاں ذہنی امراض کا علاج ہوتا ہے۔“ عمران نے کہا۔

جو لیا نے عمران سے کہا۔ ”نہیں کلینک میں چلتا ہے۔“

کلارا اٹھتی ہوئی بولی۔ ”ضرور ضرور..... میں دیکھوں گی کہ تم میرا یہ کومپلکس کیسے دور کرتے ہو۔“

وہ راہہ رپی میں نکل آئے اور کلارا اچاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”عمارت شاندار لگتی ہے کیا میں پوری عمارت دیکھ سکوں گی۔“

”ضرور، ضرور۔ ایک ایک کمرہ...!“ جولیا نے کہا۔ ”اچھا تو چلو پہلے تمہیں پوری عمارت ہی دکھادی جائے۔“

”تمہارا بہت بہت شکر یہ۔“

کلارا اور جولیا ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور عمران ان کے پیچے تھا۔ وہ دونوں ایک بڑے کرے میں داخل ہوئیں اور عمران دروازے ہی پر رک گیا۔ لیکن جولیا مڑ کر بولی۔ ”آؤ تم بھی آؤ۔ تم تو ہمارے انچارج کے دوست ہو۔ تم سے کیا پرده۔“

عمران بچکا بہت کے ساتھ کرے میں داخل ہوا۔ جولیا نے دروازہ بند کر دیا اور کلارا سے بولی۔ ”نکوڈ سرکٹ فلی وی پر میں تمہیں پورا کلینک دکھادوں گی۔“

”تم لوگوں نے بھی خاصی ترقی کر لی ہے۔“ کلارا کے لہجے میں حیرت تھی۔ جھیں لمحے اسکریں والے فلی وی کا سونگ آن کر دیا گیا۔ جولیا ریموت کنٹرول استعمال کر رہی تھی۔

سب سے پہلے تجربہ گھا کا منظر دکھائی دیا۔ پھر وہ کمرے دکھائے گئے جہاں مریض آرام و آسائش کی زندگی بر کرتے تھے۔ اچاک کلارا کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور عمران بھی خوفزدہ لہجے میں ”نائی فادر“ کہہ کر زہ گیا۔ کیونکہ اس کرے میں بیٹھا رہا تھا فرش پر ریگ رہے تھے۔ ”اس کا کیا مطلب ہے؟“ کلارا نے پوچھا۔

”بعض مریضوں کا طریق علاج۔“

منظرا پھر بدلا۔ اس کرے میں بہت بڑے بڑے گوشت خور چوہے ایک مردہ بکرے پر نوٹ پڑ رہے تھے۔

”خدا یا۔ یہ بھی طریق علاج ہے۔“ کلارا آہستہ سے بولی۔

”ہاں یہ بھی ہے۔“ جولیا نے کہا اور اس منظر کو فریز کر دیا۔

”گیوں کیا۔ میرا طریق علاج یہی ہو گا۔“

”نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل ہمارے چیف کی کال آنے والی ہے۔ وہ تم سے لفٹنگو کرنا چاہتا ہے۔“

وہ فٹا کرے میں شیپ کی آوازیں گوئختے گئیں پھر ایکسو یعنی بیک زیر و کی آواز آئی۔

”شام بیکر مس ڈکسن۔“

”شام بیکر مس ٹریف۔“ کلارا نے مصکنہ اڑانے کے سے انداز میں جواب دیا۔

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔“

”ابھی تک تو نہیں ہے۔“

”اور مس ڈکسن اب پچی بات۔“

”کیا مطلب۔ مس ٹریف....!“

”تمہارا اس بیک میلر سے کیا تعلق ہے جس نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو قتل کرایا۔“

”میں یہ نام پہلی بار سن رہی ہوں مس ٹریف۔“

”کیا تمہیں چوہوں والے کمرے میں بند کر دیا جائے۔“
”وہ کس لئے مشر صیف...!“

”میں جانی۔ نرس مفتر کوڈی فریز کر دو۔“
”بچی بات اگلوانے کے لئے۔ چوہے بکرے کی لاش چٹ کر جانے کے بعد آپس ہی میں الجھ پڑے تھے۔ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔“

”بچھا تو مشر صیف۔ تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں کسی ڈاکٹر ڈیوڈ کو نہیں جانتی۔ میرا فرنٹ کزن سوینڈن کے سفارتخانے میں سینڈ سکریٹری ہے۔ پیری الکھنم نام ہے۔ میں تفریحی سفر پر یہاں آئی ہوں اور اُسی کے ساتھ مقیم ہوں۔ تم تصدیق کر سکتے ہو۔“

”تو تم ڈاکٹر فوریل کو بھی نہیں جانتی۔“
”نہیں مشر صیف...!“

”اور تمہارا اس گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس نے ایک پتھر کا آدمی شہر میں چھوڑ رکھا ہے۔“

”میں نے اس حیرت انگیز آدمی کے بارے میں شاپر در ہے لیکن دیکھا نہیں۔ میرا کسی قسم کے کسی گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”اچھی بات ہے مس ڈسکن تم اس کرے میں ضرور جاؤ۔“
کلارا نے قہقهہ لگایا اور بولی۔ ”ضرور مشر صیف میں تیار ہوں لیکن وہاں بھی کچی ہی بات میری زبان سے نکلے گی۔“

اسی بار ایکس ٹوکی آواز نہیں آئی تھی۔ جو لیانے نئی وی بند کر دیا۔ دروازہ خود بخود کھلا اور دو افراد اسین گئیں سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

”ارے مجھ پیچاری کے لئے اس کی کیا ضرورت تھی۔“ کلارا نے کہا۔ ”میں بخوبی اس امتحان میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔“

جو لیانے مسلح آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ کلارا کو کمرے سے نکال لے گئے۔
جو لیا عمران کی طرف مزکر بولی۔ ”اب کیا خیال ہے مشر راشد پٹھان۔“

”اس نے میری عقل پکرا دی ہے۔ اس نے قبل اسلام پر بحث کر کے مجھے زیج کیا تھا اور اب

”یہ دیکھو۔ خیر آن کروٹی وی اور ان آلات پر بھی نظر رکھنا جن سے چوہے کنٹرول ہوتے ہیں۔“
جو لیانے ریموت کنٹرول کے مختلف بٹن دبائے۔ کمرے کا منظر پھر تی وی پر نظر آیا۔ لیکن اب کمرے کا آدھا فرش بالکل صاف ہو گیا تھا اور چوہے ایک مخصوص حد کے اندر اچھل کو د رہے تھے۔ دروازہ کھلا اور کلارا کو اندر دھکیل دیا گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ کلارا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ چوہے اُسے دیکھ کر مزید پر جوش نظر آنے لگے تھے لیکن اپنی اُسی حد کے اندر جس میں کچھ دیر پہلے نظر آ رہے تھے۔

”وختا کلارا اُنی وی کیسرے کی طرف رخ کر کے زور سے ہٹی اور بولی۔ ”غائبًا تم دونوں دیکھ رہے ہو گے۔“

”ہاں، ہم دیکھ رہے ہیں۔“ جو لیانے اوپنی آواز میں کہا۔

”اب تم جو بول سکو گی۔“

”محض دھمکی سے؟“ کلارا نے سوال کیا۔

”کیا مطلب!“ جو لیا جھنجھلا کر بولی۔

”ان چوہوں کو مجھ پر حملہ آور ہونے دو۔ ان کے لئے کوئی حد نہ مقرر کرو۔ ویسے میں اعتراف کروں گی کہ تم حقیر لوگ بھی خاصی ترقی کر گئے ہو۔“

”عمران جو لیا کی طرف دیکھ کر رہا گیا کچھ بولا نہیں۔“

جو لیا بھی جواب طلب نظر وں سے عمران کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آخر عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”صرف تم چوہے ریلیز کرو۔“

جو لیانے پھر ریموت کنٹرول کا ایک بٹن دبایا۔ تم چوہے اچھل کر کلارا کے سینے پر آئے لیکن وہ جوں کی توں کھڑی رہی اور ساتھ ہی بخشی بھی رہی۔ چوہے اس کے سینے میں اپنے دانت

انداد دینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن شاکدا نہیں اس میں ناکامی ہو رہی تھی۔
عمران بھراہی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خدا کی پناہ.... دوسرا پتھر!“

”کیا مطلب....!“

”تم دیکھ نہیں رہیں۔ جلدی سے خطرے کا الارم بجاو۔ ورنہ یہ اب توڑ پھوڑ کرتی ہوئی بیہاں سے نکل بھاگے گی۔ لا اور ریموت کنٹرول ادھر لا اور جا کر الارم بجاو اور مسلح آدمیوں کو

ہو شیار کر دو۔“

جو یا لے نے فوراً تعیل کی۔ اور هر قی دی کی اسکرین کا منظر دہشت ناک تھا۔ کلا رانے تینوں چو ہوں کی ٹانگلیں چیر چیر کر انہیں دوسرے چو ہوں کی طرف اچھال دیا تھا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ کلا رانے پھر کسمرے کی طرف دیکھا۔ عمران کو اس کی آنکھیں اپنی آنکھوں میں چھپتی ہوئی میں حسوس ہو رہی تھیں۔

”کہو تو اب ان سکھوں کو کچل کر رکھ دو۔“ کلا رانے بلند آواز سے کہا۔ عمران خاموش رہا۔ وہ اُسے دیکھنے سکتی تھی لیکن آواز بہر حال سن لیتی اور عمران بھیشیت راشد پھان پھان اپنے اختیارات کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وفتحا خطرے کا الارم بنجھ لگا۔ اور هر کلا را کی ایک ہی نکر سے کمرے کا دروازہ پاش پاش ہو گیا۔ عمران نے ریموٹ کنٹرول کے سارے سوچ آف کر دیئے اور قی دی کا اسکرین تاریک ہو گیا۔ پھر وہ خاصی یوکھاہٹ کے ساتھ اس نکر سے میں برآمد ہوا تھا۔ اس نے نامی گنوں کی تڑپڑاہت سنی۔ ساتھ ہی کلا را کے قہقہے بھی سن رہا تھا۔ کئی ایسی چینیں بھی سینیں ہیں جیسے چینچے والے دم توڑ رہے ہوں۔

وہ دیوانوں کی طرح اور هر دوڑتا پھر رہا تھا۔ لیکن کلا را سے مذبھیت نہ ہوئی۔ آخر وہ اپنے مخصوص کمرے میں جا گھسا اور دروازہ مقفل کر کے ماں پر ایکس نو کی آواز میں چینخ لگا۔ ”اے نکل جانے دو۔ روپکے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بھی سنگواد بن گئی ہے۔“ پھر شاہزاد اس کی ہدایت پر فوری طور پر عمل ہوا تھا اور کلا را کے راستے کی رکاوٹیں خود بنو دو رہوتی چلی گئی تھیں۔

تحوڑی دیر بعد سائکلو میشن پر قبرستان کا سناٹا طاری ہو گیا تھا اور پھر آخر میں پانچ مسلح آدمیوں کی موت کی خبر ملی۔

عمران نے اپنے کمرے سے نکل کر جو یا کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اس کا کہیں بجا نہ تھا۔ آخر کسی نے بتایا کہ وہ اُس لڑکی کلا را کے کانڈھے پر بے ہوش پڑی تھی۔

”ندما کی پناہ۔“ عمران بڑ بڑا۔ ”تو وہ اُسے بھی لے گئی۔“

سب سے زیادہ گر اُسے اس بات کی تھی کہ اب سائکلو میشن کا راز بھی آشکار ہو جائے گا۔



آئی ایس آئی کا ذرا ریکٹر بے چینی سے سر دیز کلب کے لان پر ٹھیل رہا تھا۔ شاہزاد کی کامنٹر ہد تھوڑی دیر بعد ایک گاڑی کیا توڈ میں داخل ہوئی اور پاک لگگ لاث پر جا رکی۔ اس پر سے ایک خیدہ کردا لا بڑھا اتر اور چھڑی میکتا ہوا کر علی فیضی کی طرف بڑھنے لگا۔

”اسلام علیکم کر عل صاحب۔“ اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

”و علیکم السلام! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”حالانکہ آپ میرے ہی منتظر تھے۔“

”نہ رہے نہیں۔ خدا کی پناہ مسٹر عمران۔“

”محبوب امیر دیپاں کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ شاہزاد میں آپ تک پہنچنے نہ سکتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے آدھا شہر انہی لوگوں کا الجیث بن گیا ہو۔“

”چلے چلے۔ اندر پہنچ کر گفتگو ہو گی۔“

وہ اُسے اپنے مخصوص کیبین میں لایا اور عمران اُسے شروع سے اب تک کی کہانی سنانے لگا۔ کرٹل فیضی بار بار پیشانی سے پیسٹ پونچھ رہا تھا۔ آخر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کیوں نہ اُس عورت فوریل کو گرفتار کر لیا جائے۔“

”وہ بہت باخبر لوگ ہیں کرتل صاحب! اُس سے قبل ہی وہ بھی مار دی جائے گی۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”دیکھ کر تل صاحب ہم سب ایک ہی کاڑ کے لئے کام کرتے ہیں۔ ہمارے درمیان صرف طریق کا اختلاف ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں مسٹر عمران۔ لیکن آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔“

”یہی کہ جتنی جلد ممکن ہو آپ سنگواد کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ یہ سارا اودھم اسی سلسلے میں ہوا ہے۔“

”تحویل میں لے لینے کے بعد کیا کریں گے۔“

”آپ کو صرف اس پر نظر رکھی پڑے گی کہ وہ اُسے کیوں آپ کی تحویل میں دینا چاہتے ہیں۔“

اس کا نام سائیکو میشن رکھا گیا ہے۔
 ”علی عمران کا تم لوگوں سے کیا تعلق ہے؟“
 ”وہ بھی اُسی ادارے کا ایک ممبر ہے۔“
 ”بیک میل نہیں ہے۔“
 ”ہرگز نہیں۔ لیکن کبھی ضرور ناپوزیکی کرتا ہے۔“
 ”تمہارا چیف کون ہے؟“
 ”ایس ٹو...!“
 ”یہ کوڈ نیم ہے۔ اصل نام بتاؤ۔“
 ”ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا نہ آج تک کسی نے اُسے دیکھا ہے! فون پر اُس سے ہمیں
 ہدایات ملتی ہیں۔“
 ”اچھا اب تم بوجاؤ۔“

جو لیا کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور وہ ذرا ہی دیر میں بے خبر ہو گئی۔ دوسرا بار آنکھ کھلی تو خود کو کسی پارک کی نیچے پڑا پیلا۔ صبح ہونے والی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی اور پارک سے باہر نکلنے پر اندازہ ہوا کہ وہ سائیکو میشن سے زیادہ قابلہ پر نہیں ہے۔ اُس نے ایک ٹینکی رکوائی اور ذرا سیور کو سائیکو میشن کی بجائے اپنے بنگلے کا پتہ بتایا۔ ذہنی حالت ٹھیک تھی اور اُسے سب کچھ یاد تھا۔ وہ سائیکو میشن کا راز افشاء کر بچکی تھی۔ عمران کے پارے میں اُس نامعلوم آدمی کو سب کچھ بتاچکی تھی۔

گھر پہنچ کر پتا نہیں کس طرح اُس نے ڈرائیور کو ادا یگی کی تھی اور صدر دروازے کا قفل کھولا تھا۔ اب اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ کسی نہ کسی طرح سب سے پہلے عمران سے رابطہ قائم کرے۔

اس نے جیسے ہی سنگ روم میں قدم رکھا چل پڑی۔ عمران ایک صوفے پر گھڑی سا بنا پڑا سورہا تھا۔

جو لیا نے طویل سائنس لی اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر اُسے بغور دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا۔ آخر یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ سوچتی رہی اُس

کر عل قیضی کسی سوچ میں پڑ گیا اور عمران نے کہا۔ ”سائیکو میشن کی حفاظت بھی اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ ابھی تک کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ عمارت کسی سرکاری کار خاص کے ملکے سے تعلق رکھتی ہے۔ عام آدمی بھی سمجھتا چلا آیا ہے کہ وہاں تقسیاتی مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔“

”اچھی بات ہے مسٹر عمران میں نہیں سپاہیوں کا دستہ وہاں کے لئے مقرر کر دوں گا۔ لیکن آپ لوگوں کا سر برآہ کون ہے؟“

”اُسے آج تک کسی نے دیکھا نہیں۔ ایکس ٹو کھلاتا ہے۔ بذریعہ فون ہمیں ہدایات دیتا ہے۔“

”تو آپ اسی کی ہدایت پر ہم سے اس حد تک کھل گئے ہیں۔“

”ظاہر ہے۔ سب کچھ اسی کے حکم پر ہوتا ہے۔“

”اچھا مسٹر عمران آب ہم سکونا دیعنی کر عل شہزاد کو اپنی تحول میں لے لیں گے۔“



جو لیا کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا پایا لیکن لاکھ سو شنوں کے باوجود بھی وہ اُس پر سے اٹھنے کی کیونکہ اس کے ہاتھ میربڑی طرح جکڑے ہوئے تھے۔ کرسی کی بناوٹ صاف تاریخی تھی کہ وہ کشفیں چیزیں ہے۔ جو لیا کا نپ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر اتنی تیز روشنی پڑی کہ آنکھیں بند کر لینے کے باوجود بھی روشنی کی شعاعیں اُس کی آنکھوں کو چھیدے ڈال رہی تھیں۔

دفعہ ادا چینتے گئی۔ پھر کمرے میں اندر ہیرا اچھا گیا۔ اور آنکھوں کی تکلیف بترنے محدود ہوتی چلی گئی۔ ہاتھ پیدوں کی جان نکل کر رہا تھا۔ ذہن بالکل آزاد ہو گیا تھا۔

دفعہ اندر ہیرے نہیں کسی نے سوال کیا۔ ”تمہارا نام کیا ہے۔“

”جو لیا فائزہ واٹر۔“

”کس کے لئے کام کرتی ہو؟“

”محکمہ خارج کی سیکرٹ سروس کے لئے۔“

”سائیکو میشن کی اصلاحیت بتاؤ۔“

”وہ پردہ ہے ہمارے ملکے کا۔ بظاہر ذہنی امراض کا علاج ہوتا ہے وہاں۔ اسی مناسبت سے“

تم کی معلومات حاصل کی ہیں۔

آخر وہ خود ہی بولی۔ ”تم خلافِ معمول بہت خاموش ہو۔“

”میں ان پانچوں کے لئے معموم ہوں۔ جنمیں کلارا نے نہیں مارا بلکہ وہ ایک طرح سے خود گئی تھی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”کلارا کے جسم سے ٹکر اکر بیٹھی ہوئی گولیاں خود ان کے جسموں میں پوسٹ ہو گئی تھیں۔“
”خدا کی پناہ....!“ جو لیامنہ کھوں کر رہا گئی۔

”کلارا نے کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ تو صرف نکل جانے کے لئے دروازے توڑی تھی۔“

”کہیں پھر زیر ولینڈ کا چکر تو نہیں شروع ہو گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس بار دوسرا ہی کھیل ہے۔ ایک بڑی طاقت ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ہم نے جو نیاراست اختیار کیا ہے اُسے ترک کر دیں۔“

”یعنی اسلامی ملکت کی تخلیل۔“

”ہاں۔ سیکی بات ہے۔“

”لیکن یہ طریق کا رہا....!“

”آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آجائے گا۔“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔ ”اب ذرا جلدی کرو۔ میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔“

جو لیامنہ وحی نثار ہی تھی۔

پھر سینڈوچ کی پلیٹ اور کافی پاٹ عمران کے سامنے رکھ دیا اور مضطربانہ انداز میں بولی۔ ”میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد میری کہانی بھی سن لو...!“

”سناؤ۔“ عمران نے سینڈوچ کے تعاقب میں کافی کا گھونٹ روائے کر کے کھا۔

جو لیامنہ سے متانے لگی کہ کس طرح ہوش آنے پر اس نے خود کو کشفیشن چیز پر جکڑا ہوا پیلا۔
”پہلے وہ کرہ رہشن تھا۔“ جو لیا کہتی رہی۔ ”پھر ہاں انہیں اکر دیا گیا اور ایک آواز سوالات کرتی رہی۔ میں نے بتایا کہ میں وزارت خارجہ کے ملکہ کا گرد خاص سے متعلق ہوں۔ تمہارے

سے تو یہی سمجھا جاسکتا تھا کہ اُسے اس کی واپسی کا یقین تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سید گھی گھر ہی آئے گی!

اس نے بڑے پیار سے عمران کو آواز دی۔ اور وہ پہلی بار آواز پر ہڑپڑا کر اٹھتا ہوا بڑا بڑا۔
”ارے باب رے کس نے پیچاں لیا۔“

”اندھیرے میں کچھ بجھائی نہیں دیتا۔ میں جلاو۔“

جو لیامنہ اٹھ کر بلب روشن کر دیئے اور عمران آنکھیں مل مل کر اُسے دیکھتا ہوا بولا۔
”جو لیامنہ... یعنی کہ بالکل فتنہ واڑ ہو۔“

”ہاں عمران!“ اُس نے پھر بڑے پیار سے کہا۔

”خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ میں تو مایوس ہو گیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ سکنڈ اوڈی تمہیں اٹھا لے گئی تھی۔“

”مجھے کچھ بھی یاد نہیں عمران۔ بس میں نے یہ کیا تھا کہ خطرے کا الارم بجا دیا تھا۔ اُس کے بعد کچھ بھی یاد نہیں۔ اور میں جبور تھی۔ اس غلطی پر جو مجھ سے سرزد ہوئی۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔ شاند کشفیشن جیتیر...!“

”خدا کی پناہ...!“

”کسی بات کی پرواہ نہ کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ ایکس ٹوٹے اگر کوئی تعزیری کا رروائی تمہارے خلاف کی تو اس سے بھی نپٹ لوں گا۔“

”شکریہ! عمران مجھے تم سے سیکی امید تھی۔“

”جو کچھ انہوں نے پوچھا تھا تمہیں یاد ہے؟“

”لفظ بلفظ...!“

”اچھا تو جاہو۔ پہلے عسل وغیرہ کرو۔ کافی پیڑو اور پلاو۔ بقیہ باتیں کچن میں ہوں گی۔“
تموزی دیر بعد دونوں کچن میں نظر آئے۔ کافی پاٹ سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور جو لیا فرائیک ٹین میں اٹھتے توڑ رہی تھی اور اس بات پر سخت تحریر تھی کہ آخر عمران اتنا خاموش کیوں ہے۔ اُس سے سوالات کیوں نہیں کر رہا؟ کیوں نہیں پوچھتا کہ ان لوگوں نے اُس سے کس

دفتار کی طرف سے چھ آدمی نمودار ہوئے جن کی دھمکی پہنچاں میں کام کرنے والوں کی تھی۔ انہوں نے ایک اسٹرچر بھی اٹھا رکھا تھا۔ وہ ہیلی کوپر کے قریب پہنچا اور کاراؤکس کو بڑی اختیاط سے اتار کر اسٹرچر پر لٹا دیا۔ حالانکہ وہ اتنی ہی سخت مند نظر آرہی تھی کہ جہاں بھی جانا چاہتی پیدل بھی جاسکتی تھی۔

اسٹرچر اٹھا کر وہ ایک طرف چل پڑے اور ہیلی کوپر ہیلی پیڈی پر کھڑا رہا۔ ایک درے سے گزرنے کے بعد وہ ایک غار میں اترے چلے گئے۔ اور یہ غار کیا تھا ایک عجیب ہی دنیا تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہالی وڈی کی سائنسی فلم کے سیٹ پر پہنچ گئے ہوں۔ کلاراؤک ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ اطمینان سے لیٹی چھت کی طرف تک تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر دو نرسوں سمت وہاں پہنچا اور اس کا معاملہ کرنے کے بعد بولا۔ ”چھوٹا کر شل کام نہیں کر رہا اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”جو کچھ بھی ہو اُسے جلد از جلد ٹھیک ہونا چاہئے۔“ کلارا نے کسی قدر تحکماں لجھ میں کہا۔ ”ایسا ہی ہو گا مادام۔ آپ بے فکر رہیں۔ صرف تین دن لگیں گے۔ دراصل دوسرا کر شل گانا پڑے گا۔“

”چھوٹا کر شل ضائع ہو جانے ہی کی بناء پر میں حملہ آوری کی صلاحیت کھو یہی تھی۔ دیکھو ڈاکٹر... اگر دوسرا کی پار ایسا ہوا تو تینجے کے تم ذمہ دار خود ہو گے۔“

”ناممکن مادام! اب ایسا نہیں ہو گا۔ وہ کر شل جن لوگوں کی گمراہی میں تیار کرائے گئے تھے انہیں ضرور سزا ملے گی۔ اور اب سارے کر شل تبدیل بھی کئے جائیں گے۔ پرسوں صحیح سے آپ کو صرف آرام کرنا ہو گا۔ حتیٰ کہ آپریشن تھیز...!“

”زیادہ بھی تقریر کی ضرورت نہیں!“ کلاراؤکس ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”مجھے علم ہے۔“ ”اور ویسے آج اور کل آپ اپنے سارے مشاغل جاری رکھ سکتی ہیں۔“

کلارا نے بیزاری سے اس طرح ہاتھوں کو جبش دی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ ”دفع ہو جاؤ۔“

بارے میں بھی بھی بتایا۔ اور اس کے پوچھنے پر اسے یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ تم یا میں میز نہیں ہو۔ لیکن کبھی کبھی ضرورتا پور ضرور کرتے ہو۔ پھر سائکو میشن کے بارے میں پوچھا گیا۔ بتا پڑا۔ پھر بات چیف تک پہنچی اور کہا گیا کہ ایکس تو تو کوڈ نہیں ہے۔ اصل نام بتا۔ جانتی ہوتی تو اسے بھی اگلنا پڑتا۔“

”بس اتنی ہی باتیں ہوتی تھیں۔ میرا مطلب ہے سنگواد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔“ ”قطعی نہیں۔“

”ہوں۔“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔ اور جو لیا نے کہا۔ ”اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے قبل میں نے خود کو عظیم پارک کی ایک فتح پر بیدار ہوتے پیا تھا۔“

”بڑا مزہ آیا ہو گا۔“ عمران با میں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔ ”بس شروع ہو گئی بیہودگی۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔



ہیلی کوپر مکی فوج کا ترمیتی ہیلی کوپر معلوم ہوتا تھا۔ اس پر اسی قسم کے نشانات تھے لیکن حقیقت کیا تھی خدا ہی جانے۔ کیونکہ اس ہیلی کوپر کو جو شخص اڑا رہا تھا اس کے پہلو میں کلارا ڈسکن یہی تھی۔ یہ پائکٹ دیسی ہی تھا لیکن اس کے جسم پر فوجی وردی نہیں تھی۔ ہیلی کوپر شمال مغرب میں پواز کر رہا تھا۔ جلد ہی پہاڑوں کے سلسلے شروع ہو گئے۔ لیکن پائکٹ اپنی مشائق کا مظاہرہ کر رہا تھا کبھی کبھی کلارا اسے ٹوکتی بھی تھی۔ لیکن وہ ہنس کر کہتا۔ ”فلکر نہ کجھے سس! میں پانچ سال تک سر کس میں اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتا رہوں۔“

”پھر بھی نجات رہوا!“

”بہت بہتر من!“

ہیلی کوپر پواز کر تارہ۔ واقعی یہ بے حد مشاق تھا۔ ورنہ اس علاقے میں ہیلی کوپر اڑانا کارے دارو۔

بالآخر ایک جگہ ہیلی کوپر نے لینڈ کیا۔ یہ جگہ خاصی مسطح تھی۔ یعنی غالباً مستقل طور پر ہیلی پیٹھ ہی کی حیثیت سے استعمال کی جاتی تھی۔



شہلا چوہری کا باپ شام کی چائے پی کر اٹھا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ شہلا بھی میر پر موجود تھی۔ شہزاد نے اسے فون انڈڑ کرنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ سر ہلا کر بولی۔ ”نہیں آپ ہی

ویکھئے۔ ورنہ اگر اس بیک میڈر کی آواز ہوئی تو مجھ سے گالیاں عیسیے گا۔

”آب بار بار بیک میڈر نہ کہا کرو پتا نہیں کب کس کے سامنے زبان سے نکل جائے اور ہم دشواری میں پڑ جائیں۔ اُس نے اپنا نام جیکوار بتایا ہے۔“

فون کی گھنٹی پر سورج رہی تھی۔

شہباز نے کال رسیو کی اور شہلا نے محوس کیا کہ اس کے چہرے کی رنگت بدلتی ہے۔ تو سورج جیکوار ہی کی کال تھی۔

شہباز کہہ رہا تھا۔ ”یقین کرو میں نہیں جانت۔ وہ کون ہے۔ اُس کے ہتھیارے ملنے والوں سے واقع نہیں ہوں۔۔۔ تم اس سے پوچھ لو۔۔۔ ہاں موجود ہے۔“

شہباز نے باز تھے جیسی کو ہتھیلی سے ڈھانک کر آہستہ سے کہا۔ ”وہی ہے پوچھ رہا ہے کہ راشد پٹھان کون ہے۔“

وہ تیری سے آگے بڑھی اور رسیور باب کے ہاتھ سے لے کر بولی۔ ”میں شہلا بول رہی ہوں۔ کیا بات ہے۔“

”راشد پٹھان کون ہے؟“

”میرا دوست ہے۔“

”صرف دوست۔۔۔؟“

”اس سوال کا مطلب!“ شہلا کو طرارہ آگیا۔

”اس سوال کا مطلب یہ کہ وہ خود کو تمہارا ملکیت کہتا ہے۔“

”ہاں وہ کئی بار مجھ سے شادی کی درخواست کرچکا ہے۔ لیکن چونکہ ڈیٹی کے ائمے فتن کا نہیں ہے اس لئے میں ابھی سورج رہی ہوں۔“

”تمہارا فرست کزن بھی ہے؟“

”ہر دے وہ تھوڑا سا سخت ہے۔ لیکن اُس نے کس سے کہا ہے کہ وہ میرا فرست کزن ہے۔“

”اُسی لڑکی سے جو تمہارا تعاقب کرتی رہتی تھی۔“

”تب تو بالکل ہی سخت ہے۔ لیکن آخر تم میرا تعاقب کیوں کراتے ہو؟“

”ہم تمہارے ہی توسط سے علی عمران ناہی آدمی پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔“

”تا ممکن۔۔۔ کیونکہ میری اس سے ملا قاتل نہیں ہوتی۔“

”تا ممکن کو تم ہی ممکن بتاؤ گی بے بی۔“

”وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا اور وہ رسیور کریٹل پر رکھ کر باپ سے بولی۔ ”اگر وہ جیکوار ہے تو میں بھی پیغمبر تھیں ہوں اگر اس کا ذرخراہ نہ چبایا تو کچھ بھی نہ کیا۔“ باپ نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔ ”پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ شادی وادی کا کیا چکر ہے۔“

”راشد سخت ہے اور بس۔ کوئی چکر دکر نہیں ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ حالانکہ آپ نے خود مجھے آزاد خیال بتایا ہے لیکن شادی میں اپنی مرضی سے نہیں کروں گی۔“

”لیکن بیٹی ایسی بات ہوئی کیوں۔۔۔؟“

”کافی کا ایک کپ آپ بھی چیج اور میں بھی چیتی ہوں۔ سکون سے سب کچھ بتا دوں گی۔“ آپ سے چھاپ کر کچھ نہیں کرنا پا چاہتی۔ بن نتیجہ معلوم ہونے کا انتظار تھا۔ سو ہو گیا۔ ”اُس نے کہا اور کافی کی پیالی باپ کی طرف بڑھا کر اپنے لئے انٹیلے لے گئی۔ شہباز چوہری کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

شہلا ایک گھونٹ لے کر بولی۔ ”راشد پٹھان یونیورسٹی میں میرے ساتھ تھا۔ راکفل کلب کا ممبر بھی تھا۔ بڑا اچھا نشانہ باز ہے بس میرا حرفی سمجھ لجھتے۔ وہ اس قصے میں ہرگز شامل نہ ہوتا۔ اگر مجھے یہ نہ محوس ہوتا کہ جب بھی میں گھر سے باہر قدم نکالتی ہوں میرا تعاقب شروع کر دیا جاتا ہے۔“

”کون تعاقب کرتا ہے؟“

”ایک سفید قام غیر ملکی لڑکی۔۔۔؟“

اس کا باپ طویل سانس لے کر رہ گیا اور شہلا بولی۔ ”راشد کو بچپن ہی سے سراغِ رسانی کا شوق رہا ہے۔ میں نے اس کا ذکر اُس سے کیا تو اُس نے کہا فکر نہ کرو میں دیکھ لوں گا اس معاملے کو اور اُس نے بچھ دیکھ لیا اور نہ یہ جیکوار اُس کا حوالہ ہرگز نہ دیتا۔ بہر حال راشد نے لڑکی کر لگھر لیا اور اس سے پوچھ گئے کی۔ لیکن اُس لڑکی نے جس قسم کی بیہودہ باتیں کیں اُسے میں لکھ کر تو دے سکتی ہوں آپ کے سامنے زبان سے نہیں کہہ سکتی۔ اس پر راشد کو بتاؤ آگیا اور اس نے کہا کہ وہ اُسے جیل بھجوادے گا۔ کیونکہ میں اس کی مغثیر ہوں۔“

”اوہ۔ میں سمجھ گیا۔“ شہباز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”خدا اب تو مجھے اٹھا ہی لے۔ یہ ذلتیں میں کیسے برداشت کروں۔“

”اس کی فکر نہ کیجئے۔ غلطیاں بھی انسان ہی سے ہوتی ہیں۔ فرشتوں سے نہیں۔“ وہ کچھ بولا نہیں۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر میز پر جمک گیا۔ شہلا اٹھی اور اس کے عقب میں کھڑی ہو کر آہستہ آہستہ اس کے شانے دبانے لگی اور پھر بے حد فرم لجھ میں بولی۔ ”آپ نے ہمیشہ مجھے بیٹا سمجھا ہے اور اب میں اسے ثابت کر دوں گی کہ میں آپ کا بیٹا ہیں ہوں۔“

”مجھے تیری زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔“ شہباز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے کچھ بھی نہیں ہو گا۔ میرے دوست بے حد ذہین اور دلیر ہیں۔“

”لیکن دیکھو۔ اس شخص.... عمران سے دور ہی زہنا۔“ ”وہی ہو گا۔ جو آپ چاہیں گے۔ آپ کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ کروں گی۔“ ”آب آخری بات کہوں گا۔ اُسے غور سے سنو۔ اس کے بعد پھر تم میری زبان سے کچھ بھی نہیں سنو گی۔“

”ضرور ڈیڈی...!“ ”یہ ڈیڈو بھی میرا ایسا ہی دوست تھا جس پر مجھے فخر تھا۔ لیکن اس نے میری ایک غلطی سے تجاوز فاکدہ اٹھایا۔ حتیٰ کہ دوسرے بلیک میل کے ہاتھوں مجھے فروخت کر دیا۔“

”اوہ ڈیڈی میں سمجھ گئی آپ کیا کہنا چاہیے ہیں، لیکن راشد پٹھان کو میں نے اصل معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ورنہ وہ اس لڑکی کو محض پوچھ چکھ کر کے نہ چھوڑ دیتا۔ بلکہ پولیس کے حوالے کر دیتا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار رسیور شہلا ہی نے اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے جیگوار کی آواز آئی۔ ”یہ بہت اچھا ہوا کہ تم مل گئیں۔ مجھے تمہارے اور راشد پٹھان کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے اپنے طور پر تصدیق کر لی ہے کہ وہ اچھا آدمی ہے میں تمہارے باپ سے شادی کی سفارش بھی کر سکتا ہوں۔“

”بھی نہیں شکریہ! میں نے اسے بھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔ اس نے وہ ساری باتیں اس

”بیہودہ لڑکی کی باتوں پر کبھی تھیں۔“

”خیر... خیر... تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔“ دوسری طرف سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

شہباز ماضر بانہ انداز میں بیٹی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس بار کی گفتگو بھی اس نے حرف بھر ف دہراتے ہوئے کہا۔ ”پتا نہیں یہ مرد و دچاہتا کیا ہے۔“

”بیٹی میرا مشورہ مانو تو اب صرف گھر ہی نک مددود ہو جاؤ۔ کسی سے بھی نہ ملو۔ خواہ راشد پٹھان ہو یا اور کوئی۔“

”بھی ہاں۔“ وہ پر ٹکر لجھ میں بولی۔ ”میں بھی اُب تک یہی سوچ رہی ہوں۔“



کرتل فیضی نے اس بار عمران کو اپنے دفتر آنے کی دعوت دی تھی۔ کوئی بے حد اہم معاملہ تھا۔ عمران اسی میک اپ میں دہاں بھی جا پہنچا۔ جس میں سرو مز کلب میں اس سے ملاقات کی تھی۔ فون پر اُسے پہلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ اسی میک اپ میں ہو گا اور اپنام عمران کی بجائے ٹیلی جعفری بتایا تھا۔ ہر حال انکو اُڑی و عنڈو کے قریب ہی کرتل کا ایک آدمی موجود تھا۔ جو اُسے سیدھا کرتل کے آفس میں لیتا چلا گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد دونوں تمہارہ گئے اور کرتل نے عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں مسٹر عمران۔“

”ہم سب ایک ہی مشینری کے پڑے ہیں۔ اس نے شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کرتل۔ آپ فرمائیے۔ کوئی خدمت میرے لائق۔“

”بھی ہم نے سگناد کو اپنی تھویں میں نہیں لیا۔ لیکن اب فیصلہ کر لیا ہے کہ اس جلد از جلد...“ وہ جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ سرخ انسرو منٹ کی گھنٹی بھی اس نے جلدی سے رسیور اٹھا کر ماڈ تھیں میں کہا۔ ”لیں سرا؟“ دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر ”بہت بہتر جتاب“ کہہ کر رسیور کریٹل پر رکھ دیا اور سبز رنگ کے انسرو منٹ کا رسیور اٹھا کر بٹن دبایا اور ماڈ تھیں میں بولا۔ ”وی۔“ بھی صاحب تمہارے منتظر ہیں فوراً پہنچو۔“

پھر سیور کھکھ طولی سانس لی اور خالی خالی نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔
”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا مسٹر عمران... کہ آپ میک اپ کے ماہر ہیں۔ میں نے ذہنی حی صاحب سے ذکر کیا تھا۔ کہنے لگے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ بے نفس نہیں آپ سے اس منے پر گفتگو کریں گے۔“

”یعنی مجھے میک اپ کا ماہر نہ ہونا چاہئے۔“

”اوہ یہ بات نہیں۔ دراصل وہ آپ سے تھوڑے وقت کے خواہاں ہوں گے۔ تاکہ اپنے چند آدمیوں کو آپ کے پروردگار سکیں۔“

”میک آپ کی فرینگ کے لئے؟“

”تی ہاں بھی بات ہے۔“

”جی مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر کسی کام آسکوں۔“

”آدم برسر مطلب مسٹر عمران۔ آپ نے مجھے کلاراؤ کسن کی آواز کاٹپ بھجوایا تھا۔“

”جی ہاں!...“

”اس وقت اسی لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ اب ہم آپ یعنی روم میں چلیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ایک کہانی اور سن لیجئے۔“

عمران ہمہ تن گوش ہو بیٹھا۔ کرٹل کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے گفتگو کے آغاز کے لئے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

”ہاں تو مسٹر عمران کل شام ہمارا ایک ترمیتی ہیلی کوپٹر واپس آیا اور اسے اڈانے والا انجینئر جیسے ہی نیچے اترنے لگا۔ گرا اور مر گیا۔ دراصل ہیلی کوپٹر میں پہلے کوئی خرابی واقع ہو گئی تھی۔ جسے درست کرنے کے بعد وہ اسے آزمائش پر واپس پر لے گیا تھا۔ لیکن واپسی پر بیچارے کا یہ حرث ہوا۔“

”یا وہ ہیلی کوپٹر میں تھا تھا؟“

”جی ہاں!...“

”اور اس آزمائشی پر واپسی کی مدت کتنی تھی۔“

”غیر معنوی یعنی قریباً پانچ گھنٹے...!“

”بیرت انگیز۔“

”ہیلی کوپٹر میں نصب شدہ کیسرے نے کچھ تصاویری ہیں۔ اور کچھ آوازیں بھی ریکارڈ کی ہیں۔ اسی لئے آپ کو زحمت دی گئی ہے۔“
”اوہ تو پھر چلے آپ یعنی روم کی طرف۔“
”جی ہاں۔“ کرٹل اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں آپ یعنی روم کی طرف آئے۔ ”یہاں شام کوپٹر سے ساری تیدیاں کر لی گئی تھیں۔“
”نصب سے پہلے عمران کو کلاراؤ کسن کی آواز کا وہ ٹیپ اور اس کا تجزیہ سنوایا گیا جو خود اس نے کرٹل کو بھجوایا تھا۔ اس کے بعد جو ٹیپ چلا یا گیا اس میں ایک مرد اور ایک عورت کی آواز تھی۔ عورت کی آواز اس نے فوراً پہچان لی۔ یہ کلاراؤ کسن کی آواز کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد مرد کی آواز بھی بدل گئی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کلاراؤ کسن اپنا طبی معافہ کر رہی ہو۔ پھر کرٹل کا ذکر نہ کل۔ کسی چھوٹے کرٹل کی بات تھی اور آپ یعنی تھیز کا حوالہ تھا۔ لیکن کلارا نے ڈاکٹر کو نوک دیا تھا۔ لیکن جملہ پورا نہیں کرنے دیا تھا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد عمران نے کرٹل سے کہا۔ ”آپ نے ہیلی کوپٹر میں لگے ہوئے کسی کیسرے کا بھی ذکر کیا تھا۔“
”ہاں اُس کی فلم بھی ڈیوپ پر کر لی گئی ہے۔ جب تک ایک ایک کپ کافی کا ہو جائے۔“
”ایزو یو پلیز کرٹل۔“

وہ آپ یعنی روم سے نکلنے کے لئے آپنے میں آئے اور عمران پر تکلف لجھ میں بولا۔ ”تو گویا آپ کا وہ انجینئر پاٹکٹ ایک غیر قانونی حرکت کا رنکب ہو رہا تھا۔“
”بائلک!...!“
”لیکن ایسے لوگ احمد نہیں ہوتے۔ اُسے علم رہا ہو گا کہ کیسرہ اور ٹیپ ریکارڈر ہیلی کوپٹر میں پوشیدہ ہیں۔“

”ظاہر ہے مسٹر عمران....!“
”تو پھر کسی ایسی غیر قانونی میم پر روانہ ہونے سے قبل اُس نے اُن کے سوچ آف کیوں نہیں کر دیتے تھے۔“

”یہی سوال ہماری الحصہ کا باعث بنا ہوا ہے۔“

”پہلے کلارا جس مرد سے گفتگو کرتی رہی تھی وہ آپ کا یہی پاٹکٹ تھا۔“

”جی ہاں۔“

”پھر دوسرے مرد سے گفتگو کی تھی۔“

”ہمارے لئے وہ آواز نہیں ہے۔ کلارا کی آواز کو بھی شاہزادہ کر سکتے۔ اگر آپ پہلے ہی اس کا شیپ نہ بھجوادیتے۔ میرا محکمہ آپ کی بڑی قدر کرتا ہے مسٹر عمران۔ وہ چھپلی بار شیر اس والی پینٹنگ کے سلسلے میں کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی۔ جس کی بناء پر آپ کو بھی تکلیف پہنچی تھی اور ہمیں بھی خمیازہ بھگتا پڑا تھا۔“

”ارے وہ کوئی بات نہیں۔“ عمران نہ کر بولا۔ ”یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔“

”لیکن تھریسا اور سنگ کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو رکا کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے....؟“

”اگر میں بنے کچی بات بتا دی تو ایک بار پھر آپ کا محکمہ مجھ سے برگشتہ ہو جائے گا۔ لیکن میرے کچھ اصول ہیں۔ انہی کے تحت کام کرتا ہوں۔ اس کی بھی کبھی پرواد نہیں کی کہ کب سر سلطان اپنے محکمہ سے بھی چلتا کرتے ہیں۔ پیٹ پالنے کے بھتیرے گر آتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا سانس کس بھی کھول کر بیٹھے گیا تو بقیہ زندگی آرام ہی سے گذرے گی۔“

”آپ واقعی عجیب ہیں مسٹر عمران۔“ کرنل فیضی نے طویل سانس لے کر کہا۔

”بات صرف اتنی ہی ہے کہ کرنل کہ میں اپنی کوئی اسکیم کسی بڑے یا چھوٹے سے ڈسکس نہیں کرتا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مجھے اپنوں ہی میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی فوج کا ایک انجیئر...!“

”خدای خانے ابھی اور کہنے اور کہاں ہوں۔“

اس دوڑان میں وہ کافی بھی پیٹے رہے تھے۔ پھر بزرگ دالے فون کا بزر بولا۔ کرنل نے کال ریسیو کی اور رسیور دوبارہ کریٹل پر رکھ کر عمران سے بولا۔ ”چلنے پر جیکٹر تیار ہے۔“

پروجیکشن روم میں یہ مختصر ہی فلم دیکھی گئی اور روشنی ہونے کے بعد عمران نے کہا۔ ”یہ کلارا اڑکس ہی تھی۔ لیکن کیمرہ اُسی حد تک چلا ہے کہ پائلٹ اور اس کی گفتگو شیپ ریکارڈر نے محفوظ کی ہے۔ لیکن شیپ کی بقیہ گفتگو کہاں ہوئی تھی۔ اور اس منظر کو کیسے نے کیوں ریکارڈ نہیں کیا۔“

”یہ سب سے بڑا سوال ہے مسٹر عمران؟“ کرنل فیضی امتحنا ہوا بولا۔ ”چلنے دفتر ہی کی“

”طرف چلتے ہیں۔“

وہ پھر دفتر میں آئے اور کرنل نے کہا۔ ”پائیک اتنا حق نہیں ہو سکتا کہ اس مہم کو ریکارڈ ہونے دیتا۔ ظاہر ہے کہ اُس کی لامعی میں کیمرے اور شیپ ریکارڈر کو چالایا گیا ہو گا۔“
”سائنس کی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔
”پھر وہ کر شل والی گفتگو۔“

”یہ سارا سٹ اپ ہے کرنل۔ اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں اس سلسلے میں یوں قوف بنا ہوں۔ وہ خود ہی ہمارے ہاتھ لگانا چاہتی تھی۔ تاکہ یہ مواد آپ تک پہنچ سکے۔“
”آخر کیوں؟“

”اُس نے کہ چھوٹے کر شلز کی ناکارگی کی بات ہم تک پہنچے لور ہم یقین کر لیں کہ سنگواد جارحیت کا مرکب نہیں ہو سکتا۔ البتہ خود اپنی حافظت کر سکتا ہے۔ یہ سارا ہنگامہ مخفی اسی لئے ہو رہا ہے کہ آپ سنگواد کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لے لیں۔“

”ہاں یہ تو کرتا ہی پڑے گا۔ لیکن ایک شرط پر کہ اسے سائیکلو میشن میں رکھا جائے۔“
کرنل فیضی نے کہا۔

”اُس کا فیصلہ سر سلطان ہی کر سکیں گے۔ ویسے سائیکلو میشن کو اب میں غیر محفوظ کر جانا ہوں۔“
”دیکھئے مسٹر عمران۔ اس کی کلینیکل حیثیت تو قائم ہی رہے گی۔ بقیہ معاملات سے ہمیں کوئی سر دکار نہیں۔ ہم سنگواد کا اچار توڑا میں گے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنی تحویل میں لے کر سب سے پہلے اس کا طبی معاملہ ہی تو کرائیں گے۔“

”واقعی کرنل یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ میں سر سلطان سے ڈسکس کروں گا۔“



شہلانے اب تک کی روپورٹ عمران کو دے دی تھی اور عمران کو اس پر جزید غور کرنا پڑا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔ راشد پھان کی حیثیت مجرموں کی نظر میں بہت زیادہ مشکوک ہو گئی تھی۔ لہذا اب مناسب نہیں تھا کہ وہ راشد پھان کے میک اپ میں اُس سے ملتا۔ دونوں کے

در میان ہوٹل والے فون پر گفتگو ہو رہی تھی۔

”میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“ عمران نے کہا۔

”کیا سمجھے گے؟“

”یہی کہ تم سے راشد بٹھان کے میک اپ میں نہ ملوں۔“

”ہاں میں تبی چاہتی ہوں۔“

”کوئی اوہیزہ خواری کیسار ہے گا۔ جسے تم نشانہ بازی میں اپنا استاد کہہ سکو۔“

”ہاں یہ ممکن ہے۔ تھے میرے ایک استاد پروفیسر شکور۔ افریقہ چلے گئے تھے۔ بہت دنوں سے ان کا کوئی پتہ نہیں۔“

”ان کی کوئی تصویر ہوگی۔“

”وس سال پہلے کی ہے۔“

”کوئی مضائقہ نہیں تم اسے میرے پتے پر بذریعہ ذاک بھیج سکتی ہو۔“

”آج ہی روانہ کر دوں گی۔“

”اور پھر میں کہیں نہ کہیں مل جاؤ گا تھیں۔“

”تم مجھے ان لوگوں سے بھی عجیب لگ رہے ہو۔ مسٹر!“

”میرے باپ بھی کبھی کبھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن مسٹر نہیں کہتے۔ اس لئے کہ چنگیز خان کا ہواں کی روگوں میں دور رہا ہے۔“

”اچھا میں تصویر بھجوائے کا انتظام کرنے جارہی ہوں۔“

عمران رسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا جوزف جیچے کھرانا بخایاں لے رہا تھا۔

”آپ کی تعریف...!“ عمران اُسے نیچے سے اوپر تک گھوڑتا ہوا بولا۔

”اکو کا پٹھا“ جوزف نے اردو میں کہا۔

”صرف چالیس یصد...! بھی دم نہیں نکلی۔ یا نکل آئی ہے؟“

”تم نے میرے سور و پے یومیہ کیوں بند کر دیئے بس۔“

”اس عمر میں زیادہ بھی دودھ کھانا مناسب نہیں ہوتا۔“

”میں سمجھوں گا سلیمان کے پتے سے!“

”اس سے کیا سمجھے گا۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”اسی نے بہکایا ہے تھیں۔“

”ہاں، یہ اطلاع ضرور دی تھی کہ تو چس پینے لگا ہے۔“

”گھٹیاں ہی نہیں پیتا۔ اس کا ایکسریکٹ استعمال کرتا ہوں۔ سگریٹ پر لکھر کھینچی اور بس۔“

”اور جوانی برقرار رکھنے کے لئے بھی دودھ۔“

”میں مر جاؤں گا بس اگر تم نے چس چھڑواں۔ پوری اسلامی دنیا میں پی جاتی ہے اور اسی اسلامی ملک میں بنائی جاتی ہے۔ اور پھر تمہاری آسمانی کتاب میں چس کا کوئی ذکر بھی نہیں ملت۔“

عمران نے خاموشی سے پس نکلا اور ایک لال نوٹ کھینچ کر اس کی طرف بڑھا ہا ہوا بولا۔ ”معافی چاہتا ہوں مسٹر جوزف...! لیکن یہ بہت بُرا ہے مسٹر جوزف کے تم بھی مسلمانوں کی طرح کو اس زیادہ کرنے لگے ہو۔ اور کام کا دور دور تک پا نہیں۔“

”جوزف کے دانت نکل پڑے اور وہ فرش پر ایک گھٹنا میک کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کسی بادشاہ سے کوئی انعام لے رہا ہو۔“

”بس اب دفعہ ہو جاؤ۔ لیکن یاد رہے کہ اگر کبھی زیادہ نشے میں دکھائی دیتے تو چڑی اوہیزہ دوں گا۔“

”نہیں باس ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ چس تو کتے کو بھی آدمی یاد ریتی ہے۔“

”کیا یہ تیری آسمانی کتاب کی رائے ہے؟“

”نہیں باس! یہ تو سلیمان کہتا ہے۔ اُسی مردوں نے مجھے چس کا مشورہ دیا تھا۔“

”سلیمان نے۔“

”ہاں باس....!“

”اچھا! باس اُب تم جاؤ۔“

جوزف چلا گیا اور عمران نے گلرخ کو آواز دی ساتھ ہی بغلی ہو لستر سے ریو اور بھی نکال لیا۔

تھا۔ گلرخ دوڑی آئی تھی۔ لیکن ہاتھ میں پتوں دیکھ کر نہ لٹک گئی۔

”سلیمان کہاں ہے؟“

”مشینی شوہر کھنے لگے ہیں۔“

”تو پھر کیا میں جھے گوئی مار دوں۔“

”وہ بھی تو چاہتا ہے کہ کوئی مجھے گوئی مار دے۔“

”تب تو زندہ رہے گی۔ لیکن آج شام سے تو یہ کہلاتے گی۔“

”جچھوٹے سرکار۔“ وہ بے حد خوش ہو کر بولی۔

”بھاگ جا...“ عمران اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ اور وہ چپ چاپ کھکھ کی گئی۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے رسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فیاض کے سر ٹھلی کی آواز آئی۔

”آہا قبلہ فرمائیے!“ عمران چپک کر بولا۔

”بے بی نے فیاض کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عربی ڈریں میں تھے۔“

”اوہ چھوڑیے۔ یہ بتائیے اب علاج کا کیا ہو گا۔“

”اب تو ناممکن ہے کہ فوریل کی طرف یہ دونوں رخ بھی کر سکیں گے۔ آخر ڈیڑھ کو کس نے مار ڈالا۔“

”فیاض سے پوچھئے۔ کیونکہ وہ غفتریب سپرینڈنڈنٹ سے استثنیت ڈائریکٹر ہونے والے ہیں۔“

”کیا واقعی۔“

”اکبھی اسے نہ بتائیے گا۔ ورنہ میرے ذیہی کی بدناہی ہو گی۔“

”نووال ہی نہیں پیدا ہو تا مسٹر عمران۔“

”میرے لائق کوئی خدمت!“ عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

”بیس کچھ دیرے کے لئے مجھے اپنے پاس بلالو...!“

”آجایے۔ میں اپنے فلیٹ ہی میں ہوں۔“ عمران نے کہا اور اسے فلیٹ کا پتہ بتانے لگا۔

رسیور رکھ کر اس نے گل رخ کو آوازوی۔ وہ آئی تو لیکن کسی قدر سکھی ہوئی تھی۔ عمران

نے اسے دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ پھر وہ بھی روہانی نہیں ہنسنے لگی تھی۔

”دیکھ میں اپنی خواب گاہ میں جا رہا ہوں۔ ابھی ایک بوڑھا ٹھلی ناہی آئے گا۔ اس سے کہہ

دیتا کہ میں غسل کر رہا ہوں۔ وہ انتظار کرے اور تم اس کے لئے کافی بنانا۔ اور مٹھرو۔“ عمران

نے کہا اور الماری کھوٹل کر ایک شیشی سے ایک کپسول نکالا اور اسے دیتا ہوا بولا۔ ”جب پانی کھول

جائے تو یہ اس میں ڈال دیجو۔۔۔ پھر کافی۔ لیکن خرد راء اس کافی کا ایک گھوٹ بھی خود نہ لجو۔“
”میں سمجھ گئی بیہوش کریں گے بڑھے کو۔“

”ہاں، بھی بات ہے۔ بس جا...!“

وہ چل گئی۔ اور عمران خواب گاہ میں پہنچ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ ابھی پوری طرح فارم میں بھی نہیں آیا تھا کہ گھنٹی بجی۔

”خدا کی پناہ اتنی جلدی!“ عمران بڑا بڑا۔ ”کیا بذریعہ تار آیا ہے۔
دوسرے ہی لمحے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

”کون ہے؟“

”گلرخ سرکار...!“

ایک میلا کپکلا سا بچہ ہے۔ آپ کا نام لے رہا ہے۔ کوئی خط دینا چاہتا ہے۔ آپ ہی کے ہاتھ میں۔“

”آنے یہیں لیتی آ...!“

”گلرخ چل گئی اور تھوڑی دیر بعد ایک میلے کپلے لا کے کے ساتھ واپس آئی جس کی عمر بارہ یا تیرہ سال رہی ہو گی۔

”آپ ہیں عمران صاحب!“ لڑکے نے پوچھا۔ عمران نے گلرخ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور وہ چل گئی۔ تب اس نے لڑکے کے سوال کا جواب دیا۔

”ہاں میں ہی ہوں۔“

”بی بی جی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ان کا خط پا کر مجھے دس روپے انعام دیں گے۔“

”ہاں ہاں ممکن ہے۔“ عمران جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ ”لادھکت کہاں ہے۔“

”پہلے انعام صاحب۔“

”لے بابا...!“ عمران نے دس کافوٹ اس کی بھتلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ لڑکے نے لفاف میں اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس سے لفاف نے کر عمران صدر دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔ پھر خواب گاہ میں واپس جا کر لفاف کھولا۔

”اگر آپ مجھے بھی کچھ تھوڑے سے کپسول دے دیں تو سلیمان کی میاہی مار دوں۔“
”کیون کواس کرتی ہے اس کی میانے تیر اکیا بگاڑا ہے۔“

”اے لو صاحب۔ ارے اسے جانا نہیں تھا میرے لئے۔“
”چل بھاگ نہیں تو دوں گا ایک ہاتھ۔“

”تو آپ کہاں جا رہے ہیں۔“
”باہر...! اسی لئے تو بڑے میان کو کپسول دلوایا تھا۔“

”دیکھیں صاحب یہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ جائے کے بعد پتا نہیں۔“
”بس ایک اچھا آدمی جوزف اس پر مسلط کر جاؤں گا۔“

”تب ٹھیک ہے۔“
”جانی ہے کون ہیں یہ صاحب۔“

”میں کیا جانوں۔“

”کیپن فیاض کے سر...!“
”اے غضب۔“

”اے کہیں سے فون کر دوں گا کہ ابے اخواں۔“
”نہیں صاحب وہ آئے تو اودھ مچ جائے گا۔ بس یہ جا گئیں اور خود ہی چلتے پھرتے نظر آئیں۔ بہتر یہی ہو گا۔“

”اچھا چل یو نہیں کہی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ یہ سات بجے جا گے گا۔“
”جاگ کر آپ کو پوچھا تو کیا کہوں گی۔“

”کہہ دینا کہ نہا کر آئے تو آپ سورہ ہے تھے۔ جگایا نہیں باہر چلے گئے۔ دس گیارہ بجے رات تک واپسی ہو گی۔“
”بہت اچھا۔ لیکن جوزف سے بھی کہہ جائے۔“

عمران جوزف کو خصوصی ہدایات دے کر فلیٹ سے لکلا چلا آیا۔ نوسٹر باہر موجود تھی۔
اطمیمان سے ڈرائیور کہا رہا۔ سرخ رنگ کی کورولاؤ سیٹ کا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر ایک موڑ پر اچاک تعاقب کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر عمران دور تک دیکھنا چلا گیا تھا لیکن سرخ کورولاؤ نظر

اندازہ غلط نہیں تھا تھا۔ خط شہلا چوہدری ہی کا تھا۔ اس نے ایک مختصری تحریر کے ساتھ پروفیسر شکور کی تصویر اور رائل کلب کے ویرائی پروگرام کا ایک دعوت نامہ بھی بھجا تھا۔ جو اسی شب کو منعقد ہونے والا تھا۔ تحریر نے مطابق پروفیسر شکور ایک براز مینڈ اور شکاری تھا۔ پروفیسر صرف کلب میں کھلاتا تھا وہ بھی اس لئے کہ کسی قدر شعبدہ کار بھی تھا۔

عمران نے تصویر دیکھی جس کی پشت پر تحریر تھا دس سال پہلے کی تصویر۔ عمران کے لئے کوئی دشوار مسئلہ نہیں تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ چہرہ داڑھی والا بھی ہو۔

تحوڑی ذیر بعد پھر اطلاعی تھنھی کی آواز سنائی دی اور عمران دم سادھ کر لیٹ گیا۔ شائد پانچ منٹ بعد گرخ دروازہ کھول کر آئی اور آہستہ سے کہا۔ ”بھا آئی ہوں۔ اب کافی ہانے جاری ہوں۔ لیکن صاحب بدھا حرام زادہ لگتا ہے۔“

”جادفع ہو جا...! کہیں یہ کھسر پھر سن لی تو تکمیل گزر جائے گا۔“

وہ چلی گئی اور عمران اٹھ کر کپڑے بدلتے لگا۔ فلیٹ سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔ سڑک اور عقبی گلی میں گمراہی کرنے والے موجود تھے اور وہ میک اپ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے تو اب پروفیسر شکور کی حیثیت اختیار کرنی تھی لیکن یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گمراہی کرنے والوں کی رسائی رانہ پیلس تک بھی ہو جاتی۔

اس نے محدود دائرہ کار والے مرنس میسر پر چوہاں سے رابطہ قائم کیا جو اپنی ٹیم سمیت عمران کی گمراہی کرنے والوں کی گمراہی کر رہا تھا۔ اور یہ شیخ خاور اور نعمانی پر مشتمل تھی۔ بہر حال اس نے آگاہ کیا کہ وہ رانہ پیلس جانا چاہتا ہے لہذا تعاقب کرنے والوں کو وہاں تک پہنچنے سے باز رکھنا اس کی ذمہ داری ہو گی چوہاں نے اطمینان دلایا کہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔

اس نے کہا ”ہمارے پاس تیز رفتار جیپ ہے۔ ہم ان کی گاڑی کو ناکارہ بنادینے کی کوشش کریں گے۔“

”جس طرح بھی چاہو کرو۔“ عمران نے کہا۔ ”بس وہ رانہ پیلس نہ دیکھنے پائیں۔“

”بے فکر ہو یار۔ کیوں خواجوہ کاں کھار ہے ہو۔“ چوہاں نے کہا۔

”اگر نفلطی ہوئی تو ناک بھی کاٹ لوں گا۔ اور اینڈ آل“ کہہ کر عمران نے سوچ آف کر دیا۔
اوھر گرخ پھر کمرے میں آئی اور کھلی کھلی کر تھی ہوئی بوی۔ ”ڈھیر ہو گئے صاحب۔“

حاتم کی روشنی میں گستگو کروں۔

”ہاں، میں یہی کہنا چاہتا ہوں اور خود بھی شکور کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔“

”لیکن جتاب کبھی کبھی رانا صاحب کی شکل میں یہاں تشریف لایا تھے۔ ورنہ خواہ مخواہ پڑھی ہماری طرف سے شکوہ و شبہات میں پتلا ہو جائیں گے۔“

”تم نہیں کہتے ہو! اب خیال رکھوں گا۔ ہاں تو کلب جانے کے لئے شکاری گاڑی نمبر چار نکلوادو۔“

”بہت بہتر جتاب۔“ بلکہ زیر و نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ شکاری گاڑی نمبر چار میں چار مخصوص اور غیر معمولی خوبیاں تھیں۔ پہلی خوبی تو یہ تھی کہ ایک بین دبانتے ہی گاڑی کی دونوں سامانوں اس طرح اور امتحان جاتی تھیں جیسے وہ کوئی گاڑی نہیں بلکہ سامان بان ہے۔ دونرا بین دبانتے سے دونوں اطراف سے سب میشین گنوں کی چھوٹی چھوٹی نالیں برآمد ہوتی تھیں اور فائرگ شروع ہو جاتی تھی۔ تیسرا بین دبانتے سے تعاقب کرنے والی گارڈی کے اگلے حصے کا کوئی نائز فیٹ ہو سکتا تھا۔ چوتھا بین دبانتے سے ڈرائیورگ سیٹ کسی ہوائی جہاز کے پائلٹ کی سیٹ کی طرح باہر جاپڑتی تھی۔ ہر حال وہ کچھ شعبدے بھی ساتھ لے کر اُسی گاڑی میں کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔



رانقل کلب کا بڑا ساری کیمیشن ہاں تمباشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ تو کلب کے مبر تھے اور کچھ شہر کے معززین جنمیں اعزازی طور پر شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ بعض حضرات تو بال بچوں سمیت تشریف لے آئے تھے اس لئے کافوں پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اباؤ نفر کے فرائض خود شہلا چودھری کو سونپنے لگے تھے۔ وہ اسٹچ پر آئی اور سناٹا چھا گیا۔ صرف ایک آدھ پچ کی آواز ہاں میں گونجتی رہی۔

”خواتین و حضرات! شہلا چودھری آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھے یہاں کی ممبر شپ کے سلسلے میں جو اعزاز نصیب ہوا تھا آج تک کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ میں پہلی خاتون ممبر تھی جسے صرف پنوجہ سال کی عمر میں ممبر شپ مل گئی اور رسول سال کی عمر میں شانے بازی کے

نہیں آئی تھی۔ بلا خودہ رانا پیلس سک جا پہنچا۔

بلکہ زیر و یا عرف عام میں طاہر نے اس کی پذیرائی کی۔ ایک ٹو کے دوسرا ماتحت اسے صرف رانا پیلس کے منتظم کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اس نے بلکہ زیر و سے کہا۔ ”جب میں فلیٹ سے چلا تھا تو سرخ رنگ کی ایک کورولہ تعاقب کر رہی تھی لیکن پرنسپن کے موڑ پر اچانک وہ غائب ہو گئی۔ اس کے پیچے جیپ پر نعمانی خاور اور چہاں تھے۔ معلوم کرو کہ آخر انہوں نے کس طرح اس تعاقب کا سلسلہ توڑا تھا۔“

”بہت بہتر میں ابھی دیکھتا ہوں۔“ کہتا ہوا وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا اور عمران پروفیسر شکور کے میک اپ کا انتظام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بلکہ زیر و نے اطلاع دی۔

”پرنسپن کے چوراہے پر جیپ نے کورولہ کو نکل مار دی۔ نعمانی ڈرائیور کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے گاڑی کو اس قابل نہ چھوڑا ہو گا کہ وہ تعاقب جاری رکھ سکے۔ لہذا نعمانی پرنسپن کے تھانے میں بند ہے۔ خاور اور چہاں اس کی ضمانت کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ کرولا میں دو افراد تھے جن میں سے ایک معمولی ساز خی بھی ہوا ہے۔“

”کیا یہ نعمانی تویر کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔“ عمران نے تھکر آمیز لہجے میں کہا۔ بلکہ زیر و کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد عمران اپنا میک اپ مکمل کر رہا تھا پھر پروفیسر شکور کی تصویر اور اس میں سرموق فرق نہ رہ گیا۔

”میں پروفیسر شکور ہوں۔“ عمران نے بلکہ زیر و سے اپنا تعارف کرایا۔ ”ایک شکاری اور بڑا زمیندار۔ وس سال قبل میں اپنی ساری جائیداد فروخت کر کے افریقہ چلا گیا تھا۔ سیلانی اور جہاں گرد آدمی ہوں اور اب نیرو بی میں میرا بزرگسی ہے۔ میں ایک سیاح کی حیثیت سے ملک میں داخل ہوا ہوں اور اب رانا تھور علی کا مہمان ہوں۔“

”بہت بہتر جتاب۔“ بلکہ زیر و نے کہا۔ ”اس وقت رانقل کلب کے ایک ذیر ایئٹی پروگرام میں حصہ لینے جا رہا ہوں۔ دو ایک شعبدے میں تیار کرلوں گا کہ شکور اسی بنا پر پروفیسر شکور کہلانے لگا تھا۔ ورنہ اس کے فرشتوں نے بھی کبھی کسی تعلیمی ادارے کی شکل نہ دیکھی ہو گی۔“

”میں سمجھ گیا جتاب۔ اگر کبھی کوئی آپ کے بارے میں پوچھ چکھ کرے تو اس سے انہیں

مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی.... اور اس کا سہرا میرے استاد پروفیسر شکور کے سر تھا۔ وہ ایک ماہر نشانہ باز ہیں۔ انہیمے میں محض آواز پر نشانہ لگا سکتے تھے۔ ہماری بد نصیبی تھی کہ دس سال پہلے انہوں نے اپنی ساری جائیداد فروخت کی اور دنیا کی سیاحت پر نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن دس سال بعد وہ پھر واپس آئے ہیں۔

ہال تالیوں سے گونج اٹھلے خصوصیت سے پرانے مجرم بہت زیادہ پر جوش نظر آنے لگے تھے۔ شبلا پھر بولی۔ ”خواتین و حضرات کسی دن پروفیسر صاحب یہاں اپنے نشانہ بازی کے کمالات کا مظاہرہ کریں گے۔ آج تو آپ صرف چند شعبدے ملاحظہ فرمائیے جن کی بناء پروفیسر یہاں بہت مقبول تھے۔ پروگرام کی ابتداء پروفیسر کے کمالات سے ہوگی۔ پروفیسر شکور....!

وہ سامنے سے ہٹ گئی اور اسٹچ پر بائیں جانب اپاٹ لائٹ کے ساتھ حرکت کرتا ہوا عمران اسٹچ کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ سیاہ ڈاڑھی جس کے دونوں اطراف میں جیزوں پر سفید بالوں کی دھاریاں خود اسے کسی قسم کا خوفناک جانور ہی بنا کر پیش کر رہی تھیں۔۔۔ گھنی موچھوں کے دہانے کا بہت محقر سا حصہ نمایاں تھا۔ وہ خالص پیشہ درانہ انداز میں جھکا اور جیب سے دلوہے کے گولے نکال کر اسٹچ پر ڈال دیئے۔ پھر بولا۔ ”خواتین و حضرات میں اسے موت کی دوڑ کہتا ہوں۔ اگر میرے بعد کوئی اور صاحب اس کھیل کو پیش کرنا چاہیں تو مجھے اُن سے مل کر خوشی ہوگی۔ کیونکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس کھیل کے لئے میں ایشیاء میں واحد آدمی ہوں۔ میں ان گولوں پر کھڑا ہو کر دوڑ لگاؤں گا نہ میرے پنج فرش سے لگیں گے اور نہ ایڑیاں۔

آپ خصوصیت سے اس پر نظر رکھ کر۔ کیونکہ میں اس کھیل کا کمال ہے۔

وہ ان گولوں پر کھڑا ہو کر پورے اسٹچ پر چکرانے لگا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے اسکیش پہن کر اسکیلگ کر رہا ہو۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور وہ گولوں سے اتر آیا۔ لیکن نری طرح ہاتھ رہا تھا۔ آخر ہانپاہی ہوا بولا۔ ”خواتین و حضرات اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ دریں کسی قسم کا مظاہرہ کر سکوں۔ اور پھر میں پرسوں ہی تو آیا ہوں۔ ابھی تک سفر ہی کی تھکن نہیں اتری۔ اب میں آخری شعبدہ دکھا کر آپ سے اجازت چاہوں گا۔ اس نے اپنی ٹاپ بیٹ اُندر کر ناظرین کو دکھائی اور بولا۔ ”دیکھئے یہ بالکل خالی ہے۔ اب آپ میں سے کوئی صاحب اسٹچ پر آجائیں۔“ ایک تیز طرار لڑکی چھلانگ مار کر اسٹچ پر جا چڑھی اور پروفیسر نے جب سے ایک

تصویر نکالی اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ کس کی تصویر ہے۔“

”کبوتر کی۔“ لڑکی نے کہا۔

”محض نہیں ناظرین کو بتائیے۔“

لڑکی نے ہال کی طرف منہ کر کے کہا۔ ”خواتین و حضرات یہ ایک کبوتر کی تصویر ہے۔“

پروفیسر یعنی عمران نے پھر تاپ ہیٹ سر سے اتاری اور لڑکی سے پوچھا۔ ”اس میں کیا ہے۔“

”کچھ بھی نہیں خالی ہے۔“

”اچھا اب اس کبوتر کی تصویر کو ہیٹ میں رکھ کر خود ہی یہ ہیٹ میرے سر پر رکھ دیجئے۔“

لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ اور پروفیسر زور سے بولا۔ ”خواتین و حضرات یہ شعبدہ نہیں ہے۔

افریقہ کے خلک سرکنڈوں کا جادو ہے۔ جہاں سیاہ فاموں کے اجداد کی رو جس بسرا کرتی ہیں۔

اسے سیکھنے کے لئے میں بہت بڑے بڑے خطرات سے گزر ہوں۔ لیکن خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ملاحظہ فرمائیے۔“

اس نے اس بار تاپ ہیٹ اُنمیٰ تو اُس کے سر پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ پھر اُس نے

اڑ کر ہال کا ایک چکر لگایا اور ایک کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ اس بار اتنے زور سے ہالیاں بھائی گئیں

تھیں کہ چھت اڑ جانے کا خدش پیدا ہو گیا تھا۔

”ایک اور.... ایک اور پروفیسر پلیز....!“ مجھ شور چارہ تھا۔

لیکن وہ پھر اسٹچ پر نہیں رکا تھا۔ اسٹچ کے عقب میں کئی عورتیں جو شاند پروفیسر کی پرانی

شناش تھیں اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”تم بھیش سے تحریر کر دینے کے عادی ہو پروفیسر....!“ ایک نے آگے بڑھ کر قریب

قریب اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا اور عمران بوکھلا گیا۔ اس نے اُس موضوع پر تو سوچا ہی

نہیں تھا کہ پروفیسر کے بہتیرے ملنے والے ہوں گے آخر وہ ان کے سلسلے میں کیا کرے گا۔



کاراڑ کس غاروں والی تجربہ گاہ میں نہل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک توی الجیش اور

قد آور مرد بھی چاہس کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ دفتار کا راجلے چلتے رک کر بولی۔ ”راہر ٹو۔۔۔ تم نے پروفسر شکور کے بارے میں کیا معلومات حاصل کیں۔“

”ایک آوارہ گز لیکن خطرناک آدمی ہے۔“ راہر ٹونے یونیورسٹی میں کہا۔ ”بیک چند ماہ قبل وہ نیر ولی عی میں تھا۔ لیکن وہاں سے اُسے فرار ہوتا پڑا۔ کیونکہ وہاں کی حکومت سے متعلق ایک سازش ترتیب دے رہا تھا۔“

”سیاہ آدمی ہے۔“

”کسی حد تک کہہ سکتے ہیں۔“ راہر ٹونے فرش پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ ”افریقہ کے کئی ملکوں میں انقلاب لانے کی کوشش کرچکا ہے۔ لیکن قسم کا سکندر ہے کہ ہر بار خود نئی نکلا اور اس کے ساتھی مارے گئے۔“

”کیا واقعی وہ نیر ولی کا کوئی بڑا بزرگ میں ہے۔“

”اسمگلر کہا جاسکتا ہے اُسے۔ بہر حال اُس کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے۔“

”مخالف کیپ کا جاؤس بھی ہو سکتا ہے۔“ کلارا بولی۔

”اس کے امکانات کو بھی مسزد نہیں کیا جاسکتا۔“

”بُوی عجیب بات ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”شہلا چوہدری کے سارے ملنے والے خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ راشد پٹھان کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟“

”اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔“

”یہ اُس سے بھی زیادہ تشویش ناک ہے۔“ کلارا نے کہا اور کسی سوچ میں ڈوب کر پھر ٹھلا شروع کر دیا۔ راہر ٹو اس کا ساتھ طوعاً و کرہاً دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس پر مجبور ہو۔ انداز گفگو سے اس کا کوئی ماتحت معلوم ہوتا تھا۔

”وہ پھر زر کی اور اُس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔“ سینگڑا سے متعلق روپرٹ!

”اُسے سائیکو مینشن میں رکھا گیا ہے اور وہاں کے ڈاکٹروں کے زیر معاشر ہے۔“

”ہوں۔ یہ بھی مناسب نہیں ہوا۔“

”پھر کیا ہوتا چاہئے تھا۔“

”اُس کی یاد داشت۔ جمال کرنے کے لئے اُسے اس کے پر اپنے آفس میں بھایا جاتا۔“

”ضروری تو نہیں کہ ہم اپنا مطبع نظر ان پر مسلط کر سکیں۔“ راہر ٹو بولا۔ ”اگر یہ بات تھی تو ہمیں کوئی اور طریق کار اختیار کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کہ وہ اُسے اس کے فتنے میں بھانے پر مجبور ہو جاتے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دراصل سارا کھیل ڈیوڈ کی جماقوتوں کی بناء پر مجباز ہے۔ اس نے مقامی بد معاشوں سے کام لیا شروع کر دیا تھا۔“

”اُس پر خاک ڈالو۔ اب تو اس معاملے کو کسی اور طرح نپنانے کی سوچنا چاہئے۔“

”یہی تو بوری مصیبت ہے کہ یہاں ہم میں کوئی سوچنے والا نہیں ہے۔“ کلارا بولی۔

”ہماری تنظیم کا سمندر پار والا شعبہ قریب تکارہ ہو چکا ہے۔ اُس کی ساری تدبیریں لوگوں پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں۔“

”اس میں شبے کا اتنا قصور نہیں ہے۔ جتنا ہمارے پر لیں کا ہے جس کی کوئی ٹھوس پالیسی ہی نہیں ہے۔ صحافیوں کی تحریریں دیکھئے تو ایسا لگتا ہے جیسے ان سے بڑا ملک و قوم کا دشمن اور کوئی نہ ہو۔ ہم سے متعلق ساری دنیا کو کس نے آکاہ کیا ہے۔ ہمارے پر لیں نے۔“

”اور یہ حکومت کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔ پر لیں کو کبھی اتنی آزادی نہ دینی چاہئے۔ ساری دنیا میں صرف دو قومیں یہ تو فپائی جاتی ہیں۔ ایک انگریز اور دوسرے ہم۔“

”یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو؟“

”دونوں ممالک کے پر لیں شتر بے مہار ہیں۔“

”یہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو!“

”ہم پر کتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سب کتابیں ہماری قوم ہی کے افراد نے اپنے ہی ملک میں بیٹھ کر لکھی ہیں۔ اگر کسی ملک میں ہم کوئی کار نامہ انجام دیتے ہیں تو ہمارے ادارے پر کتنی لعن طعن ہوتی ہے اور بالکل ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب ہماری اپنی قوم کے افراد نہ ہوں بلکہ مخالف یکپ سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی گلی میں کوئی کتاب ہو کا اور کسی کو کائنے دوڑا اور دوسرے دن کے اخبارات میں اس قسم کی سرخیاں نظر آئیں کہ یہ ہماری تنظیم کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ تھا۔“

کلاراہس پڑی اور رابرٹو کاشانہ تھپک کر بولی۔ ”بہت تیز ہو رہے ہو۔“
وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے کسی دربار سے خلعت
معہ خطاب عطا کر دیا گیا ہو۔

کلارا پکھ دیز بعد بولی۔ ”میں تم سے پوری طرح متفق ہوں کہ ہماری قوم لا قانونیت کا شکار
ہو گئی ہے۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہاں جو چیز کسی بڑے آدمی کو گراں گزر جائے اُس کے
لئے پولیس حركت میں آجائی ہے۔ ورنہ سب چلتا ہے۔“

”اوہو۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ چھوٹے کرشل ناکارہ میں؟“ رابرٹو نے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں۔ لیکن میں اس معاملے کو بھی رنگ دینا چاہتی تھی کہ ہم پتھر کے ضرور ہو گے
ہیں لیکن جارخیت کی صلاحیت ہم میں نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بلا آخر آئی ایس آئی والوں
نے اُسے اپنی تحويل میں لے لیا۔“

”لیکن کیا سنگواد اپنے طور پر جارخیت کا مرکب ہو سکے گا۔“

”ہرگز نہیں! چھوٹا کرشل یہاں سے فعال بنایا جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے اُسے جارخیت
پر بھی آمادہ کر سکیں گے۔“

”ہمارے ادارے کے سامنہدان بھی کمال ہی کر رہے ہیں۔“ رابرٹو بولا۔

”حقوقوں کو سیدھی راہ پر لانے کے لئے سائنس سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔“

”اور یہ علی عمران..... یہ کیا چیز ہے؟“

”بے حد خطرناک آدمی ہے۔“

”کیا واقعی بلیک میلر ہے۔“

”کیا ہم واقعی بلیک میلر ہیں! کچھ لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے انہیں بلیک میل بھی کرنا
پڑتا ہے۔ عمران بھی اسی قسم کا بلیک میلر ہو سکتا ہے۔ کیا تم نے پہلے کبھی اس کا نام نہیں سن۔“

”سنا ہوا ساتو گلتا ہے۔“

”ورلڈ فیم کا آدمی ہے۔ خصوصیت سے زیر ولینڈ کا اچیلست ہے۔ سنا جاتا ہے کہ تھریسا
اسے چاہتی ہے۔“

”بڑی عجیب عجیب باتیں سننے میں آرہی ہیں۔“

”کیا تم نے اُسے دیکھا ہے؟“

”کئی بار...!“ کلارا بطولی سانس لے کر بولی۔ ”صورت سے بالکل احمق لگتا ہے۔ ہم تو یہ
پوز کر رہے ہیں کہ بچ چج ہم اُسے بلیک میلر تصور کرتے ہیں۔ دراصل اگر ہم اس کے سلسلے میں
زیادہ عکنڈ بننے کی کوشش کریں گے تو خود ہمارا راز افشاء ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں۔“

”اب پوری بات سمجھ میں آئی ہے؟“

”اگر کسی طرح عمران ہاتھ آجائے تو بن یہ سمجھو کہ ہماری فتح ہے۔“ کلارا ذکسن نے
نہ تشویش لجھ میں کہا۔ اور پھر نہیں لگی۔ انداز سے مضطرب نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن کبھی
کبھی آنکھوں سے اندر کی بے چینی مترش ہونے لگتی تھی۔



سکگرواد سائیکو میشن میں ذاکٹروں کے زیرِ معاون تھا اور سائیکو میشن اس طرح فوج کے
گھیرے میں تھی کہ وہاں پر نہہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ ذاکٹروں کی اس نوی میں عمران بھی موجود
تھا۔ اس کے جسم پر بھی ذاکٹر ہی سافیڈ لباس تھا۔ عمران کے علاوہ اور سارے فلٹر ور کرز اپنی
اپنی اقامت گاہوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ کلارا کے ہاتھوں اس عمارت کا جو حشر ہوا۔ وہی اس
سے پہلے والے ہیئت کو اڑڑا انش منزل کا تحریریا کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ ہر نوع فی الحال یہ مسئلہ
زیر غور نہیں تھا کہ آئندہ اس سلسلے میں کیا ہو گا؟

سب سے اہم مسئلہ خود سکگرواد تھا۔ اس وقت وہ بستر پر خاموش پڑا تھا۔ آنکھیں چھٹ سے
لگی ہوئی تھیں اور عمران اس کے قریب ہی کری ڈالے بیٹھا اُسے نہ تشویش نظر وہ سے دیکھے
جاتا تھا۔

دفعہ سنگواد کا رخ عمران کی طرف ہو گیا اور اس نے کہا۔ ”ذاکٹر اس پوری بھیڑ میں صرف
تم علی گھٹے ایک معقول آدمی نظر آئے ہو۔“

”ٹھکری یہ کر ٹل...!“

”اوه کر ٹل!“ وہ ہنس پڑا پھر بولا۔ ”ہاں مجھے یہی بادر کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ میں

کوئی کر غل شہزاد ہوں اور کبھی آئی کا ایک ڈپنی ڈائرنیکٹر تھا۔“

”یہ حقیقت ہے کر غل۔“

”لیکن مجھے کیوں یاد نہیں آتا۔“

”حافظہ کو بیٹھنا کوئی معمولی مرض نہیں۔ لیکن لاعلاج بھی نہیں ہے۔ اگر مرض کی وجہ معلوم ہو جائے۔“

”وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“

”ظاہر ہے۔ ورنہ آپ کبھی کے سخت مند ہو چکے ہوتے۔“

”اگر میں کر غل شہزاد ہوں تو مجھے میرا فترت دکھایا جائے۔“

”میں آپ کی یہ تجویز بورڈ کے سامنے پیش کروں گا۔“

”ہاں۔ ضرور ضرور۔“ کہہ کر سنگواد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے ہاتھ رک دیا۔ ”کر غل.... پلینز.... لیئے رہنے۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔“

”لیکن میں توڑا سی بھی کسلنڈی نہیں محسوس کر رہا۔“

”آپ تو پتھر کے ہیں۔ جب بچے پتھر مارتے ہیں تو کسی قسم کا احساس نہیں ہوتا۔“

”بس صرف اسی قدر کہ کوئی چیز جسم سے نکراتی ہے۔ لیکن اسے چوت لگانا تو نہیں کہہ سکتے۔“

”قلعی نہیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس معلمے میں یہ لوگ خواہ خواہ آپ کے سر ہو رہے ہیں۔ تھا میں کچھ کرہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بورڈ کا معاملہ ہے۔“

”اچھا ذاکر فرض کرو! میں سب کچھ تسلیم کرلوں تو پتھر کیا ہو گا۔“

”یہ بھی متعلقہ افراد ہی بتا سکتیں گے کر غل۔ ہم ذاکرتوں کو اس سے کیا سردار کار۔ ہم صرف آپ کی بھالی صحت کے خواہاں ہیں۔“

انتہے میں دوسرا ذاکر کرے میں داخل ہوا۔ عمران نے گھڑی دیکھی اور طویل سانس۔ کر سنگواد سے بولا۔ ”اچھا کر غل شب بخیر میری ڈیوٹی ختم ہو گئی۔“

سنگواد نے نہ اسامنہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

ایک گھنٹے بعد عمران پتھر راتا پیلس میں تھا اور پروفیسر شکور کا میک اپ کر رہا تھا۔ اس۔ گھڑی دیکھی۔ آٹھ بجے تھے۔ سڑاڑے آٹھ بجے اُسے پٹ ناٹ کلب میں پہنچنا تھا۔ جہا

شہلا چودھری نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ عمران چاہتا بھی بھی تھا کہ زیادہ سے زیادہ اُس کے ساتھ دیکھا جائے۔ میک اپ کی سمجھی کے بعد اس نے بلکہ زیر کو طلب کیا۔

”تم نے پروفیسر شکور کے بارے میں کیا معلومات فراہم کیں۔“ ”عمران نے اُس سے پوچھا۔

”وہ توبے حد خطرناک آدمی ثابت ہوا ہے جتاب۔ افریقہ کے کئی ممالک کی پولیس اُس کی ملاش میں ہے۔ بیکل کا باشندہ تھا اس سال پہلے اپنی یہاں کی جانبی اور فروخت کر کے دنیا کی سیاحت کے لئے لکھا تھا۔ افریقہ پہنچ کر سازشوں میں ملوث ہو گیا۔ کئی حکومتوں کے تنخے اتنے کی کوشش کر رہا۔“

”تم نے اچھی خبر سنائی ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب جلدی سے پروفیسر شکور کے جعلی کاغذات بھی تیار کراؤ۔ یعنی پاسپورٹ وغیرہ... کیا سمجھے۔“

”بہت بہتر جتاب۔“

پھر عمران نے وہی مخصوص گزاری نکلوائی تھی۔ جس پر رائل کلب گیا تھا۔ پٹ ناٹ میں شہلا اُسے منتظر تھی۔

”تم نے مجھے بڑی اعتمان میں ڈال دیا ہے چودھری۔“ عمران نے سامنے والی کری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں کیا ہوا؟“

”یہ تمہارے پروفیسر شکور صاحب! تم ان کے بارے میں اور کیا جانتی ہو۔“

”بُن اتنا ہی ہتنا آپ کو بتا چکی ہوں۔“

”تمہاری معلومات باسی ہیں۔ تازہ ترین معلومات نے میرے تو پچھے چھڑا دیے ہیں۔ کسی وقت بھی ہتھڑیاں پڑ سکتی ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ وہ پریشان ہو کر بولی۔

”پروفیسر ایک خطرناک آدمی بن چکا ہے۔ افریقہ کے ملکوں کی پولیس کو اس کی ملاش ہے۔“

شہلا کی آنکھوں میں بے یقینی اور سراسر ایمگی کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے۔

”اور اب!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں اُس دوست کے گھر واپس نہیں جاؤں گا جہاں میں بیکھیت پروفیسر مقیم ہوں۔“

”پھر کہاں جائیں گے۔“
”آب تم ہی میرے قیام کا انتظام کرو گی۔“
”بڑی خوشی سے جہاں آپ کہیں!“
”دینار ہوٹل بھی تو تمہارا ہی ہے۔“
”جی ہاں۔“

”میں وہیں قیام کرنا چاہتا ہوں۔“
”میں ابھی فون کرتی ہوں فیجر کو۔“

”ضرور کرو... اور اسے ہدایت کر دو کہ جو بھی کمرے کی کنجی ٹلب کرے اُسے بغیر حیل وجہ دے دی جائے۔“
”بہت بہتر۔ میں ابھی آئی۔“ شہلا بھتی ہوئی بولی۔
پھر وہ فیجر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

”تو ڈیوڈ جیسے احتمال آدمی کا انتخاب تم نے کیا تھا۔“

رابرٹو نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر بختی سے ہونٹ بھینچ لئے، تقید گونے کی طرح اس کی کھوبڑی پر پڑی تھی۔

”کیوں خاموش کیوں ہو گئے۔“

”کچھ نہیں رہہ گھض اندازے کی غلطی تھی۔“

”اسی طرح بھی بھی تنظیم سے بھی اندازے کی غلطی ہو جاتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ مخالف یکپ کی سرگرمیوں سے کا حق تباہی افہیت ہوتی ہے۔“

”میں تم سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔“ رابرٹو مسکرا کر بولا۔ ”یہ بھی ہمارے پر لیں اور صاحبوں کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مخالف یکپ کی غیرہ تنظیموں پر بھی کتابیں لکھیں اور چھپائی ہیں۔ لہذا وہ بھی اب اتنے محتاط ہو گئے ہیں کہ ہمیں ان کی مصروفیات کا علم نہیں ہو پاتا۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ لیکن فی الحال پیش نظر مکے پر ہی توجہ دو تو بہتر ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر فریل کو فلڈ سے تھا دیا جائے۔“ رابرٹو نے کہا۔

”میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ اگر اسے فلڈ سے ہٹالیا گیا تو ڈیوڈ کے قتل کا الزام اُسی پر آجائے گا۔ اور یہ کسی طرح بھی مناسب نہ ہو گا۔“

”بھی تمہاری مرضی۔“ وہ بے دلی سے بولا۔

”غیر ختم کرو اس قضیے کو۔ پروفیسر ٹکور کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔“

”وہ دینار ہوٹل کے سوت نمبر ایک سو تیس میں مقیم ہے۔ پچھلی رات دونوں نے ٹپ تاپ ٹلب میں لکھانا کھایا تھا یہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔ باپ اس قدر بروں ہے اور بھی اتنی دلیر۔“

”دونوں پر کڑی نظر رکھو۔“

”مجھے حرمت ہے کہ ابھی تک یہاں کی پولیس پروفیسر کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔“ رابرٹو نے کہا۔

”نہ جانے کیوں مجھے پروفیسر کے معاملے میں کوئی بات غیر فطری سی لگ رہی ہے۔“

”کیا بات۔“

کلارا اڑکسن اس بھیڑ میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ سب اس کا اسی طرح احترام کرتے تھے جیسے وہ اُن کی سر براد ہو۔ یہی روئی رابرٹو کے ساتھ بھی تھا۔ خود اُن دونوں کے درمیان جس قسم کی گفتگو ہوتی تھی اس سے بھی بھی معلوم ہوتا تھا جیسے رابرٹا کا درجہ رکھتے ہوں۔ اس وقت بھی رابرٹو اپنی تنظیم پر کڑی تقید کر رہا تھا اور وہ خاموش بیٹھی سن رہی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد بولی۔ ”آخر ان سب باتوں کا فائدہ!“

”تقید اصلاح کا ایک حصہ مندرجہ ہے۔“ رابرٹو نے کہا۔

کلارا اپنے پڑی اور رابرٹو سے گھورتا ہوا بولا۔ ”اس میں اس طرح ہنسنے کی کیا بات ہے۔“

”تم محجور کرتے ہو اس طرح ہنسنے پر، صرف دوسروں پر تقید نہیں بلکہ خود تقیدی بھی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔“

”میں شہیں سمجھا۔“

"یہ تو بھی تک سمجھ میں نہیں آسکا۔ خیر سنگرواد سے متعلق کیا پورٹ ہے۔"

"اُسے سائیکو میشن سے چھاؤنی کے ایک بنگلے میں منتقل کر دیا گیا ہے اور آج اُسے اس کے آفس میں بھی لے جایا گیا تھا۔"

"مگر۔" وہ چکلی بجا کر بولی۔ "اب بات بھی ہے۔ کبھی کی بن جاتی اگر تم نے یہ معاملہ ڈیوڈ کے پروردہ کیا ہوتا۔"

"خدا کے لئے اب اس کا نام لینا بند کر دو۔ میں خود کو بالکل گھاٹ محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"چلو ختم کرو۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"پروفیسر کی بات ہونی چاہئے۔ آخر یہ لڑکی....."

"ایک منٹ۔" کاراہاتھ اٹھا کر بولی۔ "راشد پٹھان کیا کر رہا ہے۔"

"بھاگ گیا۔ علاقہ غیر سے اُس کا تعلق تھا۔ یہاں نہیں ہے۔ آخر یہ لڑکی اپنی ان حرکتوں سے ہمیں کیا باور کرنا چاہتی ہے۔"

"یہی کہ وہ ہم سے خائف نہیں ہے۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ ہو یانہ ہواں کا باب تو بے چوں وچ اوہی کر رہا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی زہی پھر رابر ٹولو لا۔ "کیوں نہ سنگرواد کا کھلی شروع کر دیا جائے۔"

"اُسی نہیں۔ پہلے آہستہ اُس کی یادداشت واپس لائی جائے گی۔ اس کا انحصار چھوٹے کر شل کی کار کردگی پر ہے۔"

"میا واقعی چھوٹے کر شل میں کوئی نقش رہ گیا تھا۔"

"ایک آدھ میں۔ لیکن میں نے تو پوز کیا تھا کہ میری جارحانہ صلاحیت کمزور پڑ گئی ہے۔ میرا چھوٹا کر شل صحیح طور پر کام کر رہا ہے۔"

"مجھے بھی کر سلا نہیں کر دو۔"

"صرف انہیں کیا جاسکتا ہے جن کے خون کی قسم کر شلز سے مطابقت رکھتی ہو۔ ہر ایک بے یہ وہاں نہیں آسکتا۔"

"وہاں کیوں کہہ رہی ہو۔"

"اس طرح یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تاوقتیکہ اپنی آنکھوں سے نہ ذکر کو کہ کر کوئی روپورٹ نہیں دی۔"

"اُس کا سارا غیری نہیں مل رہا۔"

"اور بھی سب سے زیادہ مخدوش پہلو ہے۔"

"اُسے شاید علم تھا کہ میرے آدمی اُس کا تعاقب کرتے ہیں۔ لہذا اس کے آدمیوں نے گزاری کا حادثہ کر کے اپنیں تعاقب سے باز رکھا۔ میں اسی وقت سے عمران کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"میں اس کے سلسلے میں اب اپنی قدم اٹھانا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ جب بھی نظر آئے اُسے گولی مار دیں۔"

"پا نہیں کہاں نظر آئے۔"

"سائینسر گئے پتوں سے ہر جگہ ممکن ہے۔"

راہر تو خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔



عمران نے اس کا انتظام کر لیا تھا کہ پولیس پروفیسر شکور کے بارے میں ادھر ادھر پوچھ چکری پھرے۔ ادھر ادھر سے مراد صرف کلب کے مختلف ممبروں سے تھی۔ سر سلطان نے اس کا انتظام بطریق احسن کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں شہباز چوہدری سے بھی پولیس نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شہلا کی باری آئی تو اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سر را ہے پروفیسر سے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے رائل کلب کا دعوت نامہ اُس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن پروفیسر نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔

بہر حال عمران تواب بھی دینار ہوٹل کے سوٹ نمبر ایک سوتیس ہی میں مقیم تھا اور اُس نے شہلا سے بھی ملنا جناترک کر دیا تھا۔ عمران جتنا زیادہ ان حالات سے متعلق سوچتا اسی

نتیجے پر پہنچتا کہ شاند قسم نے خود بخود اس کا رخ کامرانوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ ورنہ کی ضروری تھا کہ شہلا کو پروفیسر شکوری کی سوچتی۔

وہ ابھی ابھی ناشتے سے فارغ ہوا تھا۔ زیادہ تر زوم سروس ہی سے کام چل رہا تھا۔ ڈائینگ روم میں بیٹھنے سے احتراز کرتا تھا۔ ڈائریٹی کائنٹل کسی قدر تبدیل کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ اور کبھی کیا سکتا تھا۔ ڈائریٹی مونچیں بالکل صاف کر دیتا تو چہرے پر عمران کی جھلکیاں بھی نظر آتیں۔ حالات کے تحت اتنی تبدیلی ناگزیر تھی۔ دراصل وہ پروفیسر کے پرانے شناسوں سے پہنچا ہتا تھا۔ اس کے لئے ڈائریٹی کائنٹل بدل دینا کافی تھا۔

وہ پھر روم سروس کے دیش کو طلب کرنے کے لئے فون کی طرف بڑھا کے تھا کہ گھنٹی بجی۔ عمران نے جلدی سے رسیور اٹھایا اور دوسرا طرف سے کسی غیر ملکی ابھی کی آواز سنائی

دی۔ ”پروفیسر شکور۔“

”ہاں، کون ہے؟“ عمران نے پروقار لجھ میں پوچھا۔

”تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہاری پوری ہستیری سے واقف ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ یہاں کاچھ پچھے نیری پوری ہستیری سے واقف ہے تم اپنا مدعایاں کرو۔“

”ہوش کے فون پر نہیں۔ باہر نکلو سامنے ہی باقی میڈیکل اسٹور ہے۔ وہاں سے تم مجھے کال کر سکتے ہو۔ نمبر تین دوچھ سات آٹھ ہے۔“

”ٹھہرو!“ عمران نے کہا۔ ”میں نمبر نوٹ کروں گا۔ تین دو...“

”چھ سات آٹھ...“ دوسرا طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران ماٹھ پس کو آنکھ بار کر مسکرایا تھا۔ تو یہ خواہ مخواہ کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ کبھی کبھی محض اتفاقات بھی کامیابیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس نے تیزی سے لباس تبدیل کیا۔ اور باقی میڈیکل اسٹور جا پہنچا۔ وہاں پر ابھی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔ دوسرا طرف سے فوراً جواب ملا۔ آواز اسی ابھی کی تھی۔ اس نے کہا۔ ”تم سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو پروفیسر۔“

”سمجھ دار نہ ہوتا تو تم ایسے چھیرتے کیوں۔“ عمران نے تین لجھ میں کہا اور دوسرا طرف سے ہاکا ساقی پہنچا۔

”میں سمجھتا ہوں۔ تمہارا موڑ خراب ہو گیا ہے۔ خصوصاً یہے حالات میں جبکہ مقامی پولیس تمہاری علاش میں ہو کوئی ابھی تمہارے پیٹے سے واقف ہو۔“

”بہت خوب!“ عمران ہنس کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ کسی بلیک میلر سے تیر اساقب پڑ گیا ہے۔“

”قطعی نہیں۔ اپنے الفاظ واپس لو پرو فیسر....!“

”جب تک تمہاری اصلاحیت مجھ پر نہ کھل جائے الفاظ واپس نہیں لئے جاسکتے۔“

”اچھا تو سنو! ہمارا پیشہ تمہارے پیٹے سے مختلف نہیں ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ افریقی ملکوں کے بائیں بازو کے لیڈر تمہیں استعمال کرتے رہے ہیں۔“

”لفظ استعمال پر مجھے اعتراض ہے۔“

”کیوں پرو فیسر۔“

”لفظ استعمال ایسے حالات سے تعلق رکھتا ہے جن سے اپنا مفاد بھی وابستہ نہ ہو۔“

”الفاظ کے بھی کھلاڑی ہو پروفیسر۔“

”میں زندگی ہی کو کھلیل سمجھتا ہوں۔ تم اپنا مدعایاں کرو۔“

”اگر تم ہماری مدد کرنا پسند کرو تو ہم تمہیں پولیس سے بھی تحفظ دے سکیں گے۔“

”مدد سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”تم بیٹل کے باشندے ہو۔ یہاں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے ہو گے۔“

”دیکھو دوست۔ اگر تم یہاں کوئی ایسی حرکت کر رہے ہو جو اس ملک کے مفاد میں نہیں

ہے تو مجھے اپنا دشمن نمبر ایک سمجھو۔“

”ہم اس ملک کی بھلائی چاہتے ہیں۔ لیکن یہ وقوف کی سمجھ میں نہیں آرہی یہ بات۔ اس

لئے ہم کسی بہت ذہین اور ذہنگ کے مقامی آڈی کو اپنا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔“

”اور نظر انتخاب مجھ پر پڑی ہے!“ عمران نے چھیت ہوئے لجھ میں کہا۔

”ٹنزیہ انداز ترک بر کے سنجیدگی اختیار کرو پروفیسر ابھی تمہاری حکومت اپنے طور پر

تمہیں علاش کر رہی ہے۔ کسی غیر ملکی سفارت کا رہنے اس کے لئے درخواست نہیں کی۔“

”اچھا تو پھر....!“

”اگر میں کینیا کے سفیر کو تمہاری یہاں موجودگی سے مطلع کر دوں تو کیسی رہے گی۔“

شخے۔ کیا اس کااغواء۔ اس کے علاوہ اور کچھ سوچا ہی نہیں جاسکتا وہ جو کوئی بھی ہو۔ اس کے لئے کام کرتے والے سارے مقامی آدمی اتنازی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ عمران سوچتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر آیا تو کلر کنے اُسے کہنی دی۔

”ہوں۔ اچھا۔! شکریہ“ اس نے کہا کنجی لئے ہوئے اپنے سوٹ کے پاس دروازے پر پہنچا۔ لیکن قفل کھولتے ہی ایک قدم پیچے ہٹ گیا۔ نشست کے کمرے میں اُنکی ہی ابتری نظر آئی تھی۔ پھر خواب گاہ میں پہنچا وہاں کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ سوٹ کیس کھلا پڑا تھا اور اس کی ساری اشیاء بستر پر بکھری ہوئی تھیں ان میں وہ جعلی کافغاں بھی تھے جو بیک زیر و نے اس کے لئے فراہم کئے تھے۔ اُسے محض اس لئے کمرے سے ہٹایا گیا تھا کہ تلاشی لی جاسکے۔ اور وہ حملہ آور اغوا کنندگان نہیں بلکہ اُسے مزید کچھ دیر باہر روکے رکھنے کے لئے تھے۔ اس نے جیب سے چینوگم کا پیکٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر آہستہ کچلنے لگا۔ اس کے بعد وہ اُس انتشار کو دوبارہ مرتبت کرنے میں لگ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ وہی ہو گا۔ اس نے سوچا اور اس کی مٹھیاں سختی سے بھینٹ گئیں۔ ریسیور اٹھا کر کاں ریسیو کی۔

”بیلو پروفیسر...!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”شت اپ یو باسڑڈ...!“ کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر تیٹھ دیا۔ اس بار چھٹ کو آئکھ مار کر مسکرا یا تھا۔

”نہیں دوست۔“ دفعتاً میٹھل پیس کی طرف سے آئی۔ ”ہماری دوستی اتنی ہی سی دیر میں خاصی پختہ ہو چکی ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر تحفٹا قبول کرو۔ خود کارہے اور وسیع دائرہ عمل رکھتا ہے۔“

عمران اپنی کھوپڑی سہلا کر رہ گیا۔ آواز پھر آئی۔ ”اس ٹرانسمیٹر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پیغامات صرف اسی ساخت کے دوسرے ٹرانسمیٹر پر منے جاسکتے ہیں۔“

”لیکن یہ سب کیوں؟“ عمران نے اوپھی آواز میں پوچھا۔

”بمحظی میں نہیں آیا میٹھل پیس کے قریب آجائ۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”ٹرانسمیٹر نامم پیس کے عقب میں رکھا ہوا ہے۔ بہت محض سا اور بے حد طاقت ور ہے۔ جو ایسی بیڑی سے چلتا ہے اس میں فی الحال جو سیل رکھا ہوا ہے کم از کم ایک سال کے لئے کافی ہو گا۔“

عمران نہیں پڑا پھر بولا۔ ”یہ بلیک میلنگ نہیں تو اور کیا ہے؟“

”تم غلط لفظ استعمال کر رہے ہو پروفیسر اسے سودا کاری کہتے ہیں۔ کیا سمجھتے۔“

”بانکل سمجھ گیا۔ مجھے تمہارے ساتھ ملنا ہی پڑے گا۔“

”یہ ہوئی نابات...!“

”لیکن معاملات کو پوری طرح سمجھے بغیر یہ ناممکن ہے۔“

”وہ بھی سمجھادیے جائیں گے۔“

”آسی وقت میں کوئی فیصلہ بھی کروں گا۔ اچھا بائی بائی میں بہت مصروف آدمی ہوں۔“ کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ لیکن کچھ غیر مطمئن سا نظر آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہیں سے بلیک زیر و کوفون کر کے نامعلوم غیر ملکی کافون نمبر ٹرین کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے ڈرگ اسٹور سے نزلے کی دوا خریدی اور کال کے پیسے ادا کئے فٹ پاٹھ پر آڑ آیا۔ دو چار قدم ہی چلا ہو گا کہ اپنے پیچھے ایک پر چھائیں نظر آئی جس کاہاتھ اس طرح اٹھا ہوا تھا جیسے اُس کی گردن پر کراپنے کا وار کرنے جا رہا ہو۔۔۔ عمران ایک دم پلٹا اور اس سے نکلا گیا۔ سینے پر پنے والی ٹکر ایسی ہی تھی کہ مقابل اچھل کر دور جا پڑا۔ لیکن شاہد وہ تھا نہیں تھا۔ ورنہ دو آدمی اور کیوں ثوٹ پڑتے عمران پر۔۔۔ عمران ان کی گرفت سے چکنی مچھلی کی طرح چھل گیا۔ یہ کوئی ویران علاقہ نہیں تھا کہ جملہ آور بات بڑھانے کی کوشش کرتے۔ عمران کی داڑھی کے احترام میں لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اور عمران نے جملہ آوروں کو ایک پرانے موڈل کی شیپور لٹ میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا۔ یہ تینوں دیسی ہی تھے۔

”کیا ہوا جناب.... کیا بات تھی؟“ کسی نے عمران سے پوچھا۔

”جب کاشنے کی کوشش کی تھی بدجنت نے۔“ عمران خواہ جموہ ہانتا ہوا بولا۔ حالانکہ اس کا

دم ایک فصد بھی نہیں اگھرا تھا۔

”ارے.... وہ گاڑی میں تھے۔“ کسی نے کہا۔

”میں نے نہیں دیکھا۔“ عمران نے بدستور ہانتے ہوئے کہا۔ ”پر دیکی ہوں مجھے نہیں

معلوم تھا کہ اس شہر میں دن دہارے رہنی ہوتی ہے۔“

کوئی کچھ نہ بولا اور عمران لنگڑا تا ہوا ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ وہ آخر کون نتھے اور کیا جا چہے

"پروفیسر والی بہت گھرے ہو۔ لیکن ابھی تک غلط ہاتھوں میں پڑ کر رسوائی رہے ہو۔ اب دیکھنا کہ ہمارے ساتھ تمہاری زندگی کتنی شاندار گزرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم تمہیں ساری دنیا میں تحفظ بھی دے سکتے ہیں۔ اور....!"

"افریقہ میں بھی۔" عمران نے چک کر پوچھا۔

"ہاں نہ صرف افریقہ میں عام طور پر بلکہ کینیا میں بھی خصوصیت سے جہاں سے ابھی حال ہی میں فرار ہوئے ہو۔ پروفیسر ہمارے ہاتھ بہت لے ہیں۔"

"تب تو بصد خلوص میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ دوستی کے لئے بڑھاتا ہوں۔ کینیا میں میری کروڑوں کی پوشیدہ دولت موجود ہے۔"

"جب بھی کہو گے اُسے سمجھ آٹھ کرادیں گے۔"

"تب پھر تم مجھے آج سے بالکل اپنا آدمی سمجھو....!"

"شکریہ.... پروفیسر....!"

"اور ایڈ آل۔" کہہ کر عمران ٹرانسپلیٹ سے بہت دور چلا گیا۔ یعنی خواب گاہ میں۔۔۔ جہاں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔



وفڑ پچھے ہی سنگرواد میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ اور یہ تبدیلیاں اُس کی گم گشتہ یادداشت سے متعلق تھیں۔۔۔ لیکن عمران کے مشورے کے مطابق اُس کے دفتر کے مختلف حصوں میں کلوڑ سرکٹ ٹیلی و ڈن کیرے چھاپا دیئے گئے تھے اور آپریشن روم میں اُن کی ساری نقل حرکت ٹی وی سیٹ پر دیکھی جاسکتی تھی۔ لیکن ابھی تک اُس سے کوئی اسی حرکت سر زد نہیں ہوئی تھی جو قابل گرفت ہوتی۔ یادداشت آہستہ آہستہ واپس آرہی تھی۔ پھر اسے اپنے بیوی نے پہنچایا۔ بھی یاد آگئے جو اس کی گمشدگی کے بعد سے کسی دوسرے شہر میں مقیم تھے۔ کرعی فیضی اُس سے متعلق عمران سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔ اُس نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا فوکر تیل شہزاد یا سنگرواد سے اس کے افریقہ سے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں پوچھ گئے۔

عمران میٹش پیس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن نام پیس کو اُس کی جگہ سے نہیں ہٹایا۔ "ہاں میں میٹش پیس کے قریب موجود ہوں۔" "میری دوستی کا ہاتھ قبول کیا یا نہیں۔"

"لیکن کیوں تم خواہ میرے معاشرات میں مداخلت کر رہے۔ آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"آہستہ آہستہ میرے دوست! ہو سکتا ہے کہ میں تم سے جگڑی یا میک اپ کا فن سیکھا چاہتا ہوں۔ تم اب تک محفل اسی لئے پہنچے ہوئے ہو کہ میک اپ کے ماہر بھی ہو۔ ورنہ افریقہ سے نہ لکھ سکتے۔"

"اچھا بس....!" عمران تھنکی تھنکی سی آواز میں بولا۔ "میں آب آرام کرنا چاہتا ہوں۔" تھہاری وجہ سے بہت تھک گیا ہوں۔"

"تم نے جس انداز میں اُن بدمعاشوں کو فکست دی تھی اُس سے بھی میں متاثر ہوا ہوں۔ اچھا تو تم آرام کرو.... اور ایڈ آل۔"

عمران نے طویل سانس لی اور آرام کر سی پر ڈھیر ہو گیا۔ نام پیس کے پیچے سے خود کار ٹرانسپلیٹ بھی اٹھایا تھا جو جماعت کے اعتبار سے ماچس کی ذمیہ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ وہ اُسے الٹ پلت کر دیکھتا رہا۔ ہر وقت آن رہنے والا یہ ٹرانسپلیٹ اُس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی اسے پاس رکھ کر وہ گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور او گھسنے لگا۔ دفترا ٹرانسپلیٹ پر ہے آواز آئی۔ "کوئی کھلونا پسند آیا۔"

"یاد ملت پر وقف نہاو...." عمران نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "اگر میں اس نا معقول چیز کو اپنے پاس ہر وقت رکھوں تو دوسروں سے ہونے والی تھی گفتگو بھی تم تک پہنچ جائے گی۔ اور...."

دوسری طرف سے ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر کہا گیا۔ "یہ بات تو ہے لیکن تم اسے ہر وقت اپنے پاس رکھو ہی کیوں۔ اور....!"

"نہیں میں اسے ہر وقت اپنے پاس رکھوں گا۔ شائد تمہیں نہ معلوم ہو کہ الیکٹریک انجینئرنگ میں بھی دخل رکھتا ہوں۔ ایک چھوٹا سا "آئی ہی ڈسٹریبگ سرکٹ" بناؤں گا اور اس سے انجوں کردوں گا۔ قصہ ختم۔ جب تم سے گفتگو کرنی ہوئی ڈسٹریبگ سرکٹ ہٹا دیا۔"

کرے یا نہ کرے۔ عمران نے فی الحال اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

عمران کا یہ عمل دل ڈائریکٹر جزل صاحب کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لیکن انہوں نے مداخلت نہیں کی البتہ ان کی خواہش تھی کہ سنگرواد کے مسئلے کو جلد از جلد حل کیا جائے۔ آخر مجرم اُسے اُس کے آفس میں بھجوانے پر کیوں مصروف تھے؟

”رات کی ڈیوٹی جناب۔“ کرنل فیضی نے کہا۔

”حسب معمول رات کی ڈیوٹی میں کرتل شہزاد کی جگہ کام کرنے والا یہاں تھا ہو تا تھا۔“

”یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہم کرتل شہزاد کو رات کی ڈیوٹی بھی کرنے دیں۔“

”بہر حال میرا یہی خیال ہے کہ وہ اس ڈائریکٹوریٹ کی کسی اہم دستاویز پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔“

”یہ ان کا احتمانہ خیال ہے۔“ ڈائریکٹر جزل نے کہا۔

”لیکن اگر کرتل شہزاد کو رات میں یہاں رکنے کا موقع مل جائے تو وہ خود یہی سیکوریٹی انجمن بھی ہو گا۔ جو اس کا دل چاہے گا کر گزرے گا اور سیکوریٹی فورس کو کافی کافی خبر بھی نہ ہو گی۔“

”تم غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس کے لئے کوئی ایسا موقع فراہم کیا جائے۔“

”جی ہاں۔ میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا۔ ریکارڈ روم سے اصل کاغذات ہٹا دیتے جائیں گے۔ ان کی جگہ غیر اہم فائلیں رکھ دی جائیں۔“

”اور ہم اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیں گے۔“

”جی ہاں اور کیا؟“

”دھناتا ڈائریکٹر جزل نے غصیل لمحے میں کہا۔“ لیکن اسے پکڑے گا کون؟“

”جی.... یعنی کر....!“ کرنل فیضی تھوک ٹھگ کر رہا گیا۔

”جو بھی ہاتھ لگائے گا اسے کاغذ کی طرح چیر کر پھینک دے گا۔ عمران ہی کے بیان کے مطابق ان لوگوں پر گولیاں بھی اثر نہیں کرتیں۔ دروازے توڑتا اور دیواریں گرا ہاتا چلا جائے گا۔“

پھر یہ ڈائریکٹوریٹ ہنسی کا گول گپا بن جائے گا۔ میں اس کے حق میں نہیں تھا کہ اس کو آفس میں بیٹھنے دیا جائے۔ لیکن تم اس دیوانے کی باتوں میں آگئے۔ وہ شخص مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔“

کرتل فیضی کے چہرے پر سر ایمگی کے آثار تھے، اور وہ بار بار پیشانی سے پیسہ پوچھ رہا تھا۔

”میں یا خود کرتل شہزاد نے رات کی ڈیوٹی کے بارے میں پوچھا تھا۔“ ڈی جی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”جی ہاں....!“

”اور تم نے کہہ دیا ہو گا کہ جب دروازہ ہو گی اسے رات کی ڈیوٹی بھی کرنی ہو گی۔“

”اور وہ خاصا ہشاش بشاش نظر آنے لگا ہو گا۔“

”جی ہاں۔ اب آپ کے استفسار پر یاد آیا کہ وہ کسی جذباتی تغیر سے ضرور گزار تھا۔“

”میں کہتا ہوں کہ اسے پھر سائیکو میشن بھجوادو۔“

دفعتا ایک زور دار آواز ہوئی اور ڈی جی کے آفس کا دروازہ چوکھت سیست اکھڑ کر کرے کے وسط میں آپڑا۔ وہ پہلے اچھل کر دروڑھٹ گئے تھے۔ کرتل فیضی تو شاہد کام ہی آ جاتا۔ سنگرواد کرے میں داخل ہو کر دہڑا۔ ”میرے خلاف سازش ہو رہی ہے۔“

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ کرتل فیضی بولا۔ ”یہ ڈی جی صاحب کا کرہ ہے۔“

”میں دیکھ رہا ہوں۔ اور تم دونوں کی گفتگو اپے کرے میں بیٹھ کر سن رہا تھا۔ میں پر میں ہوں۔ کیا سمجھے۔ مجھے گرین فائل تھرٹین چاہئے۔ ساتھ نے....!“

”ایک منٹ کرتل شہزاد۔“ ڈی جی نے ہاتھ اٹھا کر نہایت زم لجھ میں کہا۔ ”آخر یہاں ہونے والی گفتگو تم تک کیے پہنچ۔“

”میں پر میں ہوں جzel۔ جب چاہوں اپنے حواس خمسہ کو اتنی قوت دے سکتا ہوں کہ وہ....!“

اچاک ڈی جی نے پتوں نکال کر سنگرواد کی آنکھ پر فائر کر دیا۔ بڑی خوفناک دہڑا اس کے حلق سے نکلی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے صائم ہو جانے والی آنکھ دبائے فرش کی جانب جھکتا چلا گیا۔ پھر جzel بڑی پھرتی سے اُس کے عقب میں پہنچا اور پے در پے کئی گولیاں اس کے میز اتار دیں۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ادا بھینسا مرتے وقت ڈکرا رہا ہو۔ پوری عمارت میں کھل ملی پڑ گئی دروازہ تو نکل ہی چکا تھا۔ دفتر کے سامنے بھیڑ اٹھا ہوئے گئی۔

دفعتا جzel دروازے کی طرف مڑ کر دہڑا۔ ”اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔“ اور راہداری میں پھر سنا چاہیا۔ اور ہر سنگرواد مختندا ہو چکا تھا۔

”جی.... جناب!“ کرتل فیضی ہکلایا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”میں نہیں سوچ سکتے تھے۔“ جزل مکرا کر بولا۔ ”میں اس بھکنے کا سر برداہ ہوں اور نیز سر برداہ بھجے تھفتا نہیں ملی تھی۔“



عمران کو سنگرواد کی موت کی اطلاع میں تو چکرا کر رہ گیا۔ واقعی ذی جی نے بڑی عجلت میں اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ بقینا اونچا آدمی لگتا ہے۔ عمران سوچتا اور خواہ خوش ہوتا رہا۔ وہ اب بھی دینار ہوش کے اُسی کرنے میں بھیث پروفیسر شکور مقیم تھا اور آئی اسیں آئی والے اُسے سارے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

عمران نے پروفیسر کامیک اپ اندر کر دوسرا میک اپ کیا اور ہوش سے نکل آیا۔ سب سے پہلے اس نے ذوگ اسٹور سے سر سلطان کوفون کیا تھا۔ وہ آفس میں تھے اور بہت جھلانے ہوئے تھے۔ ”دفتر سے فوراً گھر پہنچنے میں وہیں آ رہا ہوں۔“ عمران نے ماڈ تھ پیس میں کہا۔ اور انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر رابط منقطع کر دیا۔ پھر نصف گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ سر سلطان کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ بہر حال وہ اُسے اس وقت تک نہیں پہچان سکے تھے جب تک اس کی اصل آواز نہیں سن لی تھی۔

”یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”میں وہی کر رہا ہوں جو کرنا چاہیے۔ بلاا خ سنگرواد ایک پیوز ہو گیا ساتھ وہ لوگ بھی جو اس کی پشت پر تھے۔ وہ کچھ کافی نہایت ذاڑ کوئیٹ سے ازا لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ لوگ ملڑی میں بھی کس طرح گھسے طے ہوئے ہیں۔ کلاراؤ کسن کو کہیں لے جانے کے لئے آری کا ہیلی کو پڑ استعمال کیا گیا تھا اپسی پرانیست پائیک کسی زبر کے تحت مر گیا تھا۔“

”تو پھر یہ لوگ تم پر کیوں اُدھار کھا رہے ہیں؟“

”ان کی مر رخی۔....!“

”ایک بار پھر تمہارا نقیت ملڑی والوں کے گھرے میں آگیا ہے۔“

”ان لوگوں کا بہت بہت شکریہ میرے ملاز میں سکھ کی نیند سوئیں گے۔“

”یوں یہ ہے کہ تم اب ان سے ملنے سے کیوں کترار ہے ہو۔ جبکہ تمہارے ہی مشورے؟“

”نہیں نے سنگرواد کا کھل کر نوش لیا تھا۔“

”میں نے نہ اتو نہیں کیا تھا۔ کیا انہیں حقی طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ مجرموں کے کیا اداے ہیں۔ وہ ذاڑ کیٹوریٹ میں دچپی لے رہے ہیں۔ وہ بعض اہم دستاویزات حاصل کرنا ہے یہیں۔“

”لیکن وہ اتنے احمد تو نہیں تھے کہ سنگرواد کو کچھ کر گزارنے کا موقع دیتے۔“

”لیکن جزل نے اُسے جس تدیری سے مارا ہے، اس کا جواب نہیں۔ آخر کو ایک بڑے ارے کا سر برداہ نہیں۔ اس کے علاوہ ان پھرودوں کو مارنے کی اور کوئی تدیری نہیں ہو سکتی۔“ ران نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”پتہ نہیں وہ لوگ پر لیں کو کس قسم کی پورٹ دیں گے سنگرواد سے متعلق۔“

”تم اپنے کام سے کام رکھو۔ وہ کیا کر رہے ہیں تمہیں اس سے کوئی سر و کار نہ ہونا چاہئے۔“

”بہت مناسب مشورہ ہے۔“ عمران سر ہلاکر بولا۔ ”لیکن آپ انہیں مشورہ دینے کے سنگرواد لاش کی حفاظت کریں۔ کیونکہ لاش کے پوست مارٹھی سے اس کے غیر معنوی ہونے کا راز شاء ہو سکے گا۔ اور مجرم یہی کبھی نہ چاہیں گے۔“

”تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ لاش کو ان کی تحولی میں نہ رہنے دیں گے۔“

”جی ہاں۔ میں یہی کہتا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خود ہمارے درمیان کالی بھیڑیں موجود ہیں ہیں ہم پہچان نہیں سکتے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں انہیں مشورہ دوں گا۔ لیکن پروفیسر شکور کا کیا قصہ ہے؟“

”خصر اُس نے پروفیسر شکور والی کہانی دہراتی تھی۔ سر سلطان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے ہوئے کے بعد بولے۔“ آخر شہباز چوہدری کو تم نے کیوں چھوٹ دے رکھی ہے۔“

”صلحتا۔ اگر چھوٹ نہ دیتا تو پروفیسر شکور جیسا کردار کیسے ہاتھ لگتا۔ حالانکہ یہ بھی محض لائق ہے۔ اور پھر شہباز چوہدری کو چھیڑ کر ہم کریں گے بھی کیا۔ وہ ان لوگوں کی نشاندہی نہیں۔“

”لیکن آئیں آئیں۔“

”ٹیکریز سر!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آب بھی اسے شستے کے سر برداہ ہو، اور آب کا عدد۔“

ڈاٹریکٹر جزل سے بڑا ہے۔ آپ نہایت اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے مجھے کسی اثر ضرورت کے تحت ٹمپکٹو بھیج دیا ہے۔
”جمحوٹ بلاو گے۔“

”میں آپ کو ٹمپکٹو جا کر دکھادوں گا۔“

”بکواس مت کرو، ویسے میں تمہیں بتادوں کہ مجھے اس کیس سے اب کوئی دچپکی نہیں رہی۔ آئی ایس آئی والے جائیں۔“

”لیکن مجھے تو ہے دچپکی کیونکہ میں انہی کاموں کے لئے قوم کا نمک خوار ہوں۔ میں کہیں بھی کوئی گز بڑ دیکھتا ہوں تو اس کا منتظر نہیں رہتا کہ مجھے کسی طرف سے اجازت ملے تو کچھ کروں۔“

”اور تمہاری اسی عادت سے مجھے دھشت ہوتی ہے۔“

”جو کچھ بھی کرتا ہوں اپنی فسم داری پر اور بتاؤ مجھے کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہو کہ آپ کے محلے کی آخر سرخ روئی نہ ہوئی ہو۔“

”اچھا اب جاؤ۔“ سر سلطان ہاتھ ہلا کر بولے۔ ”میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اب آفس واپس نہ جاؤں گا۔“

”اب یہاں بھی دکھ لیجھے کہ میں ہی آڑے آیا ہوں۔ درستہ آپ مزید تھکتے رہتے اور وقت پورا کے بغیر اپنی کرسی سے ملتے بھی نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ کرسی کے کپے ہیں۔“

”پھر بکواس کے جارے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ جاؤ۔“

”بس آخری بات کہ پروفیسر ٹھکور کا اسی طرح خیال رکھئے گا۔ یہ لیکن آپ ہی کے محلے سے متعلق ہے۔“ عمران نے کہا اور واپسی کے لئے اٹھ گیا۔

سر سلطان کی آنکھوں سے ظاہر ہونے والی بے چینی یکنہت معدوم ہو گئی۔ وہ یہاں تک لیکسی سے آیا تھا اور اب واپسی پیدل ہو رہی تھی۔ ایک آدھ لیکسی دکھائی گئی۔ وی لیکن اس نے اسے روکوایا نہیں۔

در اصل وہ فون پر بیلک زیر و سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسے علم تھا کہ قریب ہی ایک ایسے چہاں پہلک میل فون بو تھے بھی ہے۔“

کیفے میں داخل ہو کر سیدھا بتوحہ کی طرف چلا گیا۔ اس وقت اس کا میک آپ غیر معوا

نہیں تھا۔ اس لئے کہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

بلیک زیر و سے رابطہ قائم ہونے پر بولا۔ ”یہیں کوپڑوں والے معاملے کی روپورٹ دو۔“

”مجھے تو جتاب صرف فلاٹ انجینئرنگز ملوٹ معلوم ہوتے ہیں۔ ہر تربیت پرواز پر ایک انجینئرنگ موجود ہوتا ہے۔ آزمائشی پروازوں میں صرف انجینئرنگ ہوتا ہے۔ لہذا جو کچھ بھی ہوتا ہے آزمائشی پروازوں کے دوران میں ہوتا ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ کیا تمہیں کسی پر شبہ بھی ہوا ہے۔“

”جی ہاں، تین ہیں۔ یہ تینوں زیادہ تر ساتھ رہتے ہیں۔ بے حد خوش اور مگن نظر آتے ہیں۔ میری دوست میں آپ ان تینوں کے نام ضرور نوٹ کر لیجھے۔“

”ہاں، اچھا بولو۔“ عمران نے دائیں ہاتھ سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

”لکھئے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”رشید امجد۔ عادل پرویز۔ عاشق علی یہ تین ہیں۔“

”کوئی اور وجہ صرف انہی پر شبہ کرنے کی۔“

”کبھی کبھی یہ تینوں کسی آزمائشی پرواز پر جانے والے یہیں کوپڑے میں بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ایک یہیں کوپڑے پر دو انجینئرنگز بھی نہیں دیکھے جاتے۔“

”خیر نہیں چیک کر لیا جائے گا۔“

کیفے سے نکل کر عمران نے لیکسی میں اور اپنے محلے کے ایک اور مہمان خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے فون پر جو لیانا فٹر واٹر کے نمبر ڈائل کئے اور ایکس ٹو کی آواز میں بولا۔ ”صدر کا کیا حال ہے۔“

”زخم مندل ہو رہا ہے جتاب اخون دیا گیا ہے۔ خالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔“

جب بھی اسے ہسپتال سے چھٹی ملے اسے اس کے بنگلے پر لے جانے کی بجائے ہو سچ میں پہنچا دیا جائے۔

”بہت بہتر جتاب۔“

عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے جیکوار کا عطا کردہ ٹرانسیمیٹر نکالا اور اس سے وہ ڈیوائیس الگ کر دی جسے ٹرانسیمیٹر کو تاکہہ کر دینے کے لئے استعمال کرتا تھا۔

اس نے جیکوار کو کال کرنا شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے جیکوار کی آواز آئی۔ ”بھلو پروفیسر۔“
”میا خبریں ہیں۔“

”تم نے آج کے اخبارات میں سنگرواد کی موت کے بارے میں پڑھا ہو گا اور۔“
”پڑھا تھا۔“

”وہ خود بخوبی نہیں سر ایلکڈ اسے مارا گیا ہے۔“
”لیکن اخبارات میں طبعی موت کی بات کی گئی ہے۔“

”قطعی غلط کیونکہ اس کا کنٹرول تو ہمارے ہاتھ میں تھا۔ اگر طبعی موت مرتا تو ہمیں اطلاع ہو جاتی۔“

”تو پھر.... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“
”ہمیں اس کی لاش چاہئے۔“

”اس کا تو شائد پوست مارٹم بھی ہو چکا ہو۔“
”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پھر کو کیسے چیزیں پھاڑیں گے۔ ہبھر حال اگر تم کسی طرح اس کی لاش حاصل کر کے ہم تک پہنچا سکو تو اس کی قیمت ہم تمہیں مبلغ میں ہزار ڈالر ادا کریں گے۔ یعنی تمہاری کرنی میں دولا کھڑو پے۔“

”مگر کس طرح.... تم جانتے ہو کہ حکومت میرے سلسلے میں چوکنی ہو گئی ہے۔“
”ہو گئی ہو گی۔ تم اس قسم کے کارناءے انجام دینے رہتے ہو۔ فرعون کی بیٹی کا تابوت یاد ہے جو تم نے سر رابرٹ کلہان کے لئے اڑایا تھا۔“

”اُف فو۔ اتنی معلومات رکھتے ہو مجھ سے متعلق۔“
”تمہارے بارے میں ہم کیا نہیں جانتے۔ کاش شروع ہی سے ہمارے ساتھ ہوتے۔“

”ویکھنا ہے کہ اب اس ساتھ سے مجھے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔“
”نیس ہزار ڈالر....“

”اُنگر لاش تمہیں نہ ملی تو؟“
”وہ چیز خواہ مخواہ ضائع ہو جائے گی جس نے اسے پھر کاہیا تھا۔“

”کیا وہ اس کے مرنے سے ضائع نہیں ہوئی؟“

”نہیں۔ لیکن اگر انہوں نے اُسے نکالنے کی کوشش کی تو ضرور ضائع ہو جائے گی۔“

”اچھی بات ہے۔ میں تین کھنٹے بعد تمہیں جواب دوں گا۔“

”اور وہ ہمارے ہی حق میں ہو گا۔“

”حالات پر مخصوص ہے۔ اُور ایڈ آل۔“ کہہ کر عمران نے ڈسٹریکٹ سرکٹ اس سے انجو کر دیا۔ مسئلہ ٹیڑھا تھا کیونکہ لاش آئی۔ اس۔ آئی والوں کے قبضے میں تھی۔ ویسے عمران ان کے اس روئیے ہے مطمئن تھا کہ انہوں نے اس کی خوت طبعی ظاہر کی تھی۔ اگر پریس کو صحیح بیان دینا مقصود ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرتے۔ عمران یہی چاہتا تھا لیکن لاش کا مسئلہ۔ شاند اس طرح وہ مجرموں کے ٹھکانے تک پہنچ جائے۔ اس نے فون پر سر سلطان کے نمبر ڈائیل کے معلوم ہوا کہ سور ہے ہیں۔ عمران نے چھیڑتا مناسب نہ سمجھ کر رابطہ منقطع کیا اور پھر بلکہ زیر و کے نمبر ڈائیل کے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ سنگرواد کے متعلق تم نے ابھی تک رپورٹ نہیں دی۔“
”صرف ایک بات کا انتظار تھا۔ کیپشن خاور نے ابھی تک اپنی رپورٹ نہیں دی۔ اُسے پوست مارٹم کی رپورٹ کا مضمون معلوم کرنے پر لگایا تھا۔“

”کیا پوست مارٹم ہوا ہے۔“

”خاور کی رپورٹ ہی سے معلوم ہو گا۔“

”لاش کہاں ہے۔“

”تابوت ڈائریکٹریٹ کے تہہ خانہ نمبر چھ میں رکھا ہوا ہے۔“

”پریس کو کوئی مزید بیان دیا گیا۔“

”بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ سنگرواد طبعی موت مرا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ خاور کی رپورٹ ملنے پر مجھے مطلع کرنا۔“ عمران نے کہا اور مجھے کے اس کے سامنے کا پتہ بتانے لگا جس سے فون کیا تھا۔

”ریسیور رکھ کر ایک آرام کر سی پر شیم دراز ہو گیا۔ میز پر ٹرانسیمیٹر رکھ دیا اور ڈسٹریکٹ اس سے الگ کر کے اوکھنے لگا۔“

”دفعٹا آواز آؤ۔“ بھلو پروفیسر جکڑا کانگ..... بھلو پروفیسر۔“

”بہلو... اٹ از شکور۔“

”تم نے ڈسٹر بیگ ڈیوائس کیوں الگ کر دی۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”لاش کے متعلق ابتدائی رپورٹ۔ وہ ڈائریکٹوریٹ کے تھے خانے میں رکھی ہوئی ہے۔“

”آتا تو ہم بھی جانتے ہیں اور یہ خبر سکنڈ پینڈ ہو چکی ہے وہ اُسے وہاں سے منتقل کرنا چاہتے ہیں۔“

”لیکن تم اُسے وہاں سے نکلا نہیں سکتے۔“

”یہ ہمارے لئے مشکل ہے۔“

”سب پھر بتاؤ کہ مجھ جیسا تھا اور بے بس آدمی کیا کر سکے گا۔“

”تم نہ اب تھا ہو اور نہ بے بس۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم تھوڑی سی تکلیف کرو تو

ہم خود تمہیں بتائیں گے کہ تم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہو۔“

”تھوڑی کیا بھتیری تکلیف برداشت کر سکتا ہوں... تم تدبیر بتاؤ۔“

”تم شادِ ہوٹل میں نہیں ہو سا وقت۔“

”ہاں میں دوسرا جگہ ہوں۔“

”تدبیر تمہارے ہوٹل والے کمرے میں موجود ہے... اور ایڈ آل۔“

عمران اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا تھا۔ شنوائی نہیں ہوئی تھی۔ آخر اس نے بھی ٹرانسیور کو

تکارہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ روائی سے پہلے اس نے بلک زیرو کو اطلاع دی تھی کہ کب ”ہ

ہوٹل دیوار میں لے گا۔

ہوٹل پہنچ کر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا... وسطی میز پر ایک لفافہ پڑا۔ جس پر براۓ

پروفیسر شکور تحریر تھا۔

لفافہ کھولا اس میں سے ایک تصویر اور ایک خط بڑا۔ مصروف تھی جو

پوری دردی میں تھا اور چہرہ بھی ڈاٹھی دار ہی تھا۔

خط میں جیکوار کی طرف سے تحریر کیا گیا تھا کہ اُسی کرٹل کے میک اپ میں ایروکلب

پہنچتا ہے۔ خواب گاہ میں پائے جانے والے کسی سوت کیس میں کرٹل کی دردی میں من شناسات

موجود تھی۔ عمران نے بقیہ تحریر جہاں تھا۔ چھوڑی اور سیدھا خواب گاہ میں آیا۔ بسٹر پر ایک

بریف کیس دکھائی دیا جو اس کا نہیں تھا۔ بریف کیس میں بلاشبہ کرٹل کی دردی موجود تھی۔ اس

نے اُسے دیں چھوڑا اور پھر سٹنگ روم میں واپس آگیا۔ خط اٹھایا۔ آگے کی تحریر تھی۔ ”دہ سکنگواد کی لاش کو شماں پہاڑوں میں تجربہ گاہ میں منتقل کر رہے ہیں۔ بھی موقع ہے کہ تم مداخلت کرو۔ یہ کرٹل جس کی تصویر تم دیکھ رہے ہیں ہو لاش کو وہاں لے جائے گا۔ تم ایروکلب پہنچو گے تو تمہیں وہاں ایک یہیں کوپڑا اپنے لئے تیار ہے گا۔ وہ تمہیں آرمی کے یہیں پیڈ پر پہنچا دے گا۔ تم مطمئن رہو۔ کرٹل مذکور اس وقت میری قید میں ہے۔ بھاٹاٹہ پھوٹنے کا خدشہ نہیں ہے۔ آرمی کے یہیں پیڈ میں لاش رکھی ہوئی ملے گی۔ شماں تجربہ گاہ کی جانب اُزان کے دوران میں صرف ایک پاٹکٹ ہو گا اور تم ہو گے۔ اب اس خط سے فسلک نقشے کو دیکھو۔ تمہیں ریٹ پاؤٹ پر پہنچتے ہی نقشے پاخیٹ کو دینا ہو گا۔ اور اُسے روپور کی زد پر رکھ کر مجبور کرنا پڑے گا کہ اب پرواز اس نقشے کے مطابق ہو گی اور بالآخر تم لاش سمیت مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔ تمہارے اور کرٹل مذکور کے چہرے کی بناوٹ میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی تبدیلی تکرنی پڑے گی امید ہے کہ بات پوری طرح تمہاری سمجھ میں آگئی ہو گی۔“

عمران نے طویل سانس لی اور اس نقشے کو بغور دیکھنے لگا جو خط سے فسلک تھا۔ اب یہ خطرہ تو مول لیتا ہی تھا لیکن آئی۔ ایس۔ آئی والوں نے اس حال میں دھر لیا تو کیا ہو گا۔ وہ کس طرح جواب دی کرے گا کہ اصل کرٹل کہاں ہے۔ پھر اُسے پوری طرح کھل جانا پڑے گا اور یہ اُس سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا۔

تن پر تقدیر ہو کر دوسرا میک اپ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسرا طرف بیک زیر و تھا اور خاور کی روپورٹ کا بقیہ حصہ اُسے سنارہ تھا۔ خاور کے بیان کے مطابق سکنگواد کی لاش کو یہاں سے کسی تجربہ گاہ میں منتقل کیا جا رہا ہے جو شماں پہاڑوں کے درمیان کہیں واقع ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ اب تم مجھ سے خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں خود ہی ضرورت پڑنے پر تمہیں کال کروں گا۔“

”بہت بہتر جتاب۔“

عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور پھر رواگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اُدھے گھنٹے کے بعد آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ واقعی ایک پر وقار کرٹل لگ رہا تھا لیکن اس خیال سے سئی گم تھی کہ کہیں اپنی ہی کے ہاتھوں بے عذتی نہ ہو جائے۔ بہر حال ایروکلب تک

چنپنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ یہیلی پیدا پر شہری ہوابازی کا ایک یہیلی کو پڑ موجود تھا۔ پائلٹ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”مگر مکرم پلیز...!“
”لیں اٹ از کرٹل مکرم۔“

”دس دے سر...!“ پائلٹ یہیلی کو پڑ کی طرف مرتا ہوا بولا۔

پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر یہیلی کو پڑ پر واڑ کر گیا تھا۔

آرمی کے یہیلی پیدا پر متعدد یہیلی کو پڑ نظر آئے۔ وہ شہری ہوابازی کے یہیلی کو پڑ سے اڑ گئے۔ پھر وہاں آرمی کے ایک پائلٹ نے آگے بڑھ کر اسے سلیوت کیا اور پوچھا ”مکرم سر“
”دس دے سر...!“ اس نے ایک بڑے یہیلی کو پڑ کی طرف اس کی رہنمائی کی اور
بولا۔ ”میرا نام رشید احمد ہے جناب۔“

عمران نے سر کو خفیف سی جبشن دی اور اس کے ساتھ چتارہ۔ رشید احمد کہاں سنا تھا یہ
نام... سنا ضرور تھا۔ پھر اسے یاد آگیا۔ بلیک زیر دنے تین مشتبہ پائلٹ انجینئروں کے نام بتائے
تھے انہی میں سے ایک یہ بھی تھا۔ تو کیا اس کے لئے بھی ریو اور نکانا پڑے گا۔

یہیلی کو پڑ اوپر اٹھ رہا تھا۔ لاش پچھلے حصے میں تھی اور یہ دونوں کاک پٹ میں تھے۔ عمران
سوچنے لگا آخر وہ ریڈ پوانٹ کہاں آئے گا۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا اور نہ وہ نقشہ
ہی پلے پڑا تھا۔

پندرہ بیس میں کی پر واڑ کے بعد عجیب سی آواز کا کپٹ میں گونجی اور سرخ رنگ کا ایک
بلب جلدی جلدی جلنے بھجنے لگا۔ ادھ تو یہ ہے ریڈ پوانٹ اس نے ہولش سے ریو اور نکال لیا اور
اس کا رنگ پائلٹ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اس نقشے کے مطابق چلو گے۔“ نقشہ اس
نے اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”رکھئے۔ بعد میں وکھے لوں گا۔“ پائلٹ مسکرا کر بولا۔

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں۔“ عمران نے ریو اوز کو جبشن دی۔

”جیگوار کا بہت بہت شکریہ۔“ پائلٹ نے اٹھاڑ مسٹر کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ہم سب ایک ہی یہیلی کے پٹے پٹے ہیں کرٹل...!“

”اوہ....“ عمران ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

جیگوار نے میرے اطمینان کے لئے آپ کو یہ بدلیات دی ہوں گی۔ اُس نے کہا تھا کہ
کرٹل کرم بھی اپنے ہی آدمی ہیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں آیا تھا۔“

”تب تو میں اپنے الفاظ و اپنی لیت ہوں۔“ کہتے ہوئے عمران نے ریو اور ہولش میں رکھ لیا
اور پائلٹ نے کہا۔ ”ہم دنیا کو تیری جنگ سے بچانا چاہتے ہیں کرٹل اس لئے میرے ضمیر پر ذرہ
برابر بھی بوجھ نہیں ہے۔“

”بالکل.... بالکل۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے ہر حال میں اپنا ہم خیال پاؤ گے۔“
”بہر حال ہم اصلی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔“

”ڈر ادکھے لو کہیں ٹیپ ریکارڈر اور کیسرہ تو نہیں کھلے ہوئے ہیں۔“
”نہیں کرٹل ایسا کیوں نکر ممکن ہے۔“

”پھر بھی دیکھیں ہو۔“

”اس نے دیکھا اور چیخ پڑا۔ بائی گارڈ و دنوں چل رہے ہیں۔ مگر یہ ہوا کیسے؟ میں نے تو
خصوصیت سے دھیان دیا تھا اس پر۔“

”میں ہی نہ جانوں گا۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“

اس نے فوری طور پر کیسرہ اور ٹیپ ریکارڈر کے سوچ آف کر دیئے۔

”سوال یہ ہے کہ سوچ آن کس نے کیا۔“ وہ آہستہ سے بڑھ دیا۔

”کیا تم نے اپنے یہیلی پیدا ہی پرانے بنڈ کر دیا تھا؟“

”ہاں کرٹل مجھے اچھی طرح یاد آیا۔“

”تب پھر تم لوگ ایک دوسرا کو اس حیثیت سے نہیں جانتے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تم تینوں دوست ان سے ملے ہوئے ہو۔“

”جی نہیں صرف.... میں۔ وہ دنوں نہیں جانتے۔“

”اچھا تو ایسا کرو یہیلی کو کسی مناسب جگہ اٹار دو۔ چند ضروری باتیں کر کے پھر آگے

”بن تیسری جنگ سے بچاؤ کی تحریک ہم لوگوں میں شروع ہوئی تھی۔ جو غالباً انہی لوگوں کی چلائی ہوئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ تمہارے ملک کو ہمارے ہی ساتھ رہنا چاہئے اس طرح تیسری جنگ سے بچاؤ ہو سکے گا۔“

”بہر حال ہم دونوں نہ نہنے پہنچے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”تو پھر کوئی ایسی صورت نکالنے کہ ہم دونوں نہیں رہ جائیں۔ واپس ہی نہ جائیں۔ یا کسی دوسرے ملک میں نکل چلیں۔“

”میں کو شش کروں گا کہ یہی ہو جائے لیکن دوسری صورت میں بھی تم نہ صان میں نہیں رہو گے۔ یعنی گفتگو دوبارہ ریکارڈ کرو اور واپس چلے جاؤ۔ چھان میں ہو تو اسی چھان کی شاندی کر دینا اور کہنا کہ تابوت آڑوا لینے کے بعد پھر میں نے تمہیں دہاں نہیں رکنے دیا تھا۔“

”اچھی بات ہے تو یہی کر لجھے۔ لیکن آخر یہ ہمیں مار کیوں ڈالتے ہیں؟“

”صرف انہیں مارتے ہیں جو ان کا وہ ٹھکانا دیکھ لیتے ہیں۔“

”بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ بہر حال وہ یہاں جو کچھ بھی کر رہے ہیں غیر قانونی ہے۔ آخر میری عقل کو کیا ہوا تھا۔“

”ہو جاتی ہیں ایسی غلطیاں اور پھر یہ غیر ملکی ایجنسٹ تو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ اس طرح اپنا پن نظاہر کرتے ہیں کہ شدت جذبات سے مخاطب کی زبان گنگ ہو جائے۔“

”تو ہوئی دیر بعد دونوں ٹیپ کے جانے والی گفتگو کاریہر سل کر رہے تھے۔ پھر وہ گفتگو ٹیپ بھی کر لی گئی اور یہیں کوپڑ دو بلڈہ پرواز کرنے لگا۔“

”لیکن تم لوگوں کو راستے کا علم کیوں نکلنے ہوتا ہے؟“

”انہی لوگوں کی طرف سے نقشہ ہمیں بھجوایا جاتا ہے۔“

”کتنے چالاک لوگ ہیں ہمارے ملک کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور ہماری فوج کے یہیں کوپڑ استعمال کرتے ہیں۔ ابھی بکتنی اور پرواز باتی ہے۔“

”اک گھنٹے کی۔“

”جب میری ہدایت یاد رکھنا کہ جیسے ہی تابوت آڑچے فوراً یہی کوپڑ اڑائے جانا سمجھے۔“

”یہ زیادہ مناسب ہو گا کرتل صاحب، میں کس زبان سے آپ کا شکر یہ ادا کروں۔“

”بڑھیں گے۔“

”جیسا حکم کرتل.... وہ دیکھنے وہ چھان جس کا بالائی حصہ سطح اور کشادہ ہے۔“

”یہ تم جانو۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

اس نے بڑی احتیاط سے یہیں کوپڑ کو اسی جگہ اُتار دیا اور عمران نے اس سے کہا۔ ”کچھ دونوں پہلے کی بات ہے ایک انجینئر پائیٹ آزمائش پرواز سے واپسی پر مر گیا تھا۔“

”جی ہاں.... وہ تھا یہچارہ۔“

”اُس کا کیسہ اور ٹیپ ریکارڈر آئی۔ اس۔ آئی والوں نے نکلوالیا تھا۔“

”اس کا علم تو مجھے نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ بہر حال ٹیپ ریکارڈر اور کسمرے نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ آزمائش پرواز پر تھا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کوئی غیر ملکی عورت بھی تھی دونوں کی گفتگو کے ریکارڈ سے یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ وہ عورت انہی لوگوں کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی جن کے لئے آج ہم سنگڑا کی لاش لے جارہے ہیں۔“

”نہیں۔“ پائیٹ بوکھلا گیا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا۔ مقصد یہ ہے کہ تم دہاں ان لوگوں کی فراہم کردہ کوئی چیز کھاؤ بیجے گے نہیں۔ اب اس ٹیپ ریکارڈر کی وہ گفتگو اور یہ کہ دوسری گفتگو ریکارڈ کروتا کہ واپسی پر یہ ثابت ہو سکے کہ کرتل کرم نے ایک جگہ تم پر روپ اور تان کر یہیں کوپڑ لینڈ کرنے کو کہا تھا اور تم نے بھی سے اس کا حکم مانا تھا۔ اور پھر اس نے ایک دیرانے میں سنگڑا کا تابوت آڑوا لیا تھا۔ یہ اس لئے کہ یہ واقعہ چھا نہیں رہ سکے گا۔ تمہیں جواب وہی کرنی پڑے گی۔ لہذا واپسی پر واپسیا کرو یا... اس طرح تمہاری گردن فتح جائے گی۔“

”لیکن آپ کا کیا ہو گا۔“

”ظاہر ہے کہ آب میری واپسی نہیں ہو گی۔“

”لگ... کرتل صاحب اگر یہی بات ہے تو یہ لوگ کم از کم مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں آخر کس مصیبت میں پھنس گیا۔“

”پھنسے کس طرح تھے۔“

"پروادہ کرو۔ یہ سارا زہر میں خود پینا چاہتا ہوں۔ لیکن لوگ بچے رہیں تو بہتر ہے۔"

"آپ مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے کرتی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ پرواز جاری رہی۔ ایک گھنٹی پیڈ کے آثار نظر آئے اور بچے سے کہہ اشارے بھی موصول ہوئے۔

"بھین لینڈ کرتا ہے۔" عمران نے کہا۔ "بن جیسے ہی تابوت اتر جائے تم پرواز کر جاتا۔"

"لیکن میں جاؤں گا کہاں۔"

"پھر وہ یعنی پوچھنی کی باتیں اپنی کور میں واپس جانا اور کسہ اور شیپ ریکارڈر ان کے حوالے کر دینا تم پر کوئی آج چ نہیں آئے گی۔"

"جیسا آپ فرمائیں کرتیں لیکن مجھے آپ کے بارے میں تشویش رہے گی۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں ہزار سال بُنا گدھ ہوں۔"

بھیلی کو پڑ کے لینڈ کرتے ہی دس بارہ آدمیوں نے بھیلی کو پٹر کو گھیر لیا۔

عمران بچے اتر گیا۔ ان افراد میں سے ایک اُس کی جانب بڑھ کر بولا۔ "خوش آمدید کرتیں۔ میں جیگوار کا نام نہ ہوں۔"

دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ سنگواد کا تابوت اُتارا جا رہا تھا۔ ذفتا عمران کی نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر وارنگ تحریر تھی۔ پانچلش کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ پرواز کی اجازت ملے بغیر پرواز نہ کریں ورنہ بھیلی کو پٹر کو فضا ہی میں بنا کر دیا جائے گا۔

اس کی پیشانی پر پیسے کی بوندیں پھوٹ آئیں اور اس نے بوکھلا کر پانیلٹ کی طرف دیکھا جسے وہ فوراً پرواز کرنے کی ہدایت دے چکا تھا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ پانیلٹ کی نظر بھی اُس وارنگ پر جھی ہوئی ہے اور وہ بھی اپنی پیشانی سے پیسے پوچھ رہا ہے۔ پھر دونوں کی نظریں بسی کے سے انداز میں ملیں اور جھک گئیں۔

وہ تابوت اُتار کر ایک جانب چلے گئے۔ جیگوار کا نام نہ ہر عمران کے قریب اب بھی موجود تھا۔

جب تابوت چنانوں کے درمیان نظروں سے او جھل ہو گیا تو اس نے عمران سے کہا۔

"چلے جتاب۔" عمران اس کے پیچھے چلنے لگا۔ پانیلٹ نے بے بی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن وہ کہا ہی کیا سکتا تھا۔

چنانوں سے گذرتے ہوئے۔ "وہ ایک درے میں داخل ہوئے پھر ایک غار میں اترے تھے۔ اندر کی تعمیرات عمران کے لئے نہیں تھیں۔ بارہا اسی زمین دوز تعمیرات سے سابق پڑھا تھا۔

عمران کی نظر سب سے پہلے کلاراڈ کسن پر پڑی۔ سامنے ہی کھڑی مسکراری تھی۔ "خوش آمدید پروفیسر۔" اس نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں جیگوار کی پست اسٹنٹ ہوں۔"

"مل کر خوشی ہوئی۔" پروفیسر نے خشک لبھ میں کہا۔ "جیگوار کہاں ہے؟"

"خدا جانے....!"

"کیا مطلب؟ میں تو سمجھا تھا کہ یہاں ملاقات ہو گی۔"

"ملاقات۔" وہ بُس پڑی۔ پھر بولی۔ "میری تو آج تک ملاقات ہوئی نہیں ہے۔ تم ملاقات کرنے آئے ہو۔"

"بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی محترمہ!"

"ہمیں یا تو اس کے تحریری پیغامات ملتے ہیں۔ نیا ہم ٹرانس میٹر پر اس کی آواز سنتے ہیں۔"

"اوہ۔ میں سمجھا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو یہ جیگوار بہت محتاط آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"بہت زیادہ پروفیسر اور یہی وجہ ہے کہ اُس کا کوئی ساتھی بھی اس سے غداری کا مردھب نہیں ہو سکتا۔"

"یہ بات تو ہے۔" عمران نے تو صفائی لبھ میں کہا۔

"تم آرام کر پروفیسر باتیں پھر ہوں گی۔ تھوڑی دیر بعد چائے یا کافی جو بھی پسند کرو اور رات کا کھانا آٹھ بجے۔"

"لیکن میں سب سے پہلے کسی ذمہ دار فرد سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیگوار کے بعد میں ہی ہوں۔" "کلارا بولی۔"

"یعنی تم اپنا اختیار بھی استعمال کر سکتی ہو۔"

"یقیناً پروفیسر....!"

"اچھا تو پھر...." عمران چاروں طرف دیکھ کر رہ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا۔ جیسے گفتگو کے

دوران میں کسی تیرے آدمی کی موجودگی پسند نہ کرتا ہو۔
”آؤ.....!“ وہ بس کربوی۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

وہ اُسے ایک کشادہ کرے میں لے آئی جہاں صرف چند کریں پڑی ہوئی تھیں اور کسی قسم کی سجاوٹ نہیں تھی۔

عمران نے بیٹھتے ہی مطلب کی بات شروع کی۔ ”میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ جیکوار کا ساتھ ہونے کے بعد سے میں نے تم لوگوں کے بارے میں خاصی چھان بین کی ہے۔“

”قدرتی بات ہے۔“ وہ سرہلا کربوی۔ ”یہ تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ درنہ پروفیسر شکور اور ایک عام آدمی میں کیا فرق رہے گا۔“

”ہمیں کوپڑ کے پائیک کے ساتھ تمہارا دیہ مناسب نہیں ہے۔ چند ہی دن ہوئے ایک آزمائش پرواز والے ہمیں کاپڑ کا پائیک حرث انگیز طور پر مر گیا تھا۔ پھر تم نے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی کہ شیپ ریکارڈر اور کسیرے ہی کو چیک کر لیتے۔ اس طرح یہ بات ملڑو اٹھلی جس بیک پہنچ گئی اور وہ شکور اکے معاملے میں اور زیادہ محاط ہو گئے۔“

”ہاں۔ یہ غلطی ضرور ہوئی تھی۔“ ہمارانے پر تشویش لجھے میں کہا۔

”تم اسے غلطی سمجھتی ہو۔ حالانکہ دیدہ دانتہ ایسا کیا گیا تھا تاکہ آئی ایس آئی والے فوراً طور پر شکور کو اپنی تحول میں لے لیں۔“

”میں جیکوار کے ہر معاملے سے آگاہ نہیں ہوں پروفیسر۔“

”تمہارا کوئی آدمی وہیں پائیک کی نادانگی میں کسیرے اور شیپ ریکارڈر کا سوچ آن کر دیتا ہے۔“

”مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔ ان سب معاملات کو وہی جانے ہو سکتا ہے اس میں یہ مصلحت پو شیدہ ہو کہ کبھی کوئی پائیک ہماری نشاندہی نہ کر سکے۔“

”سمجھ میں آنے والی بات ہے۔“ عمران نے پر تلفر لجھے میں کہا۔ ”لیکن تم لوگوں میں مجھے صرف یہ خاکی نظر آتی ہے کہ تمہیں صرف کام لکائے سے غرض ہوتی ہے دوسروں پر اعتماد نہیں کرتے۔“

”یہ ہماری تنظیم کی نیادی پالیسی ہے۔“

”لیکن میں نے اس پائیک کے لئے وہ تدبیر کر دی ہے کہ اُسے زندہ ہی واپس بھیجا جاسکتا ہے۔“

پھر وہ اُسے بتاتا ہے کہ کس طرح اُس نے راستے میں ریہر سل کی تھی اور شیپ ریکارڈر اور کسیرے کو استعمال کیا تھا۔

”تم نے تو کمال کر دیا پروفیسر۔“

”وہ انہیں شماں کی طرف لے جائے گا جہاں اُسے جانا تھا۔ شماں مشرق کی طرف نہیں لائے گا۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ تھس تمہارے کہنے سے ہم اُسے بخش دیں گے۔ اب انہوں میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھاؤں۔“

عمران انھوں گیا۔ جس کرنے میں اُسے وہ لائی تھی خاصاً کشادہ تھا اور اُس کی سجاوٹ میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا تھا۔

”خھوڑی دیر بعد... ہاں تم کافی پسند کرو گے یا چاہے۔“ ہمارانے پوچھا۔
 ”کافی بہتر رہے گی۔“

”سگار یا سگر یہ۔“

”میں دخانی جانور نہیں ہوں۔“

وہ بختی ہوئی چلی گئی۔ خھوڑی دیر بعد ایک بے حد حسین اور کم سے کم لباس والی لڑکی کافی تھی۔

”بل، اب تم جاؤ۔“ عمران نے خنک لجھ میں کہا۔ ”میں خود بناوں گا اور پی لوں گا۔“ وہ

قہارت سے سر جھنک کر چلی گئی۔

کافی بہت ہی عمدہ قسم کی معلوم ہوتی تھی۔ پہلے ہی گھوٹ پر ایسا گا جیسے ساری تھکن کا فوراً ہو گئی ہو۔ آنکھیں کھلتی چلی جا رہی تھیں۔ ذہن کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے عالم شیر خواری سک کی باتیں یاد آتی چلی جا رہی ہوں... پھر اچانک اس روشن ذہنی پر غبار سا چھانے لگا جو آہستہ آہستہ گھری کہر میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔

خداوند تو کیا....؟ وہ بوکھلا کر انھوں گیا۔ کافی میں کوئی نشہ اور چیز دی گئی تھی۔ بس دو قدم چلا اور لڑکہ اکر ڈھیر ہو گیا۔

پھر آنکھیں کھلی تو وہ کرہ نہیں تھا۔ یہاں کی چاروں دیواریں ششیٰ کی تھیں۔ ان میں اپنا گھر دیکھ کر نبڑی طرح سمٹ گیا۔ بالکل برہمنہ عمران تھا۔ پروفیسر شکور نہیں..... لیکن.... لیکن

اُس کے جسم پر توباس موجود تھا۔ اور چہرے پر ڈاٹھی بھی تھی۔ یعنی اب بھی کرتل مکرم کے میک اپ میں تھا۔

دفعتاً کمرے کی حدود فضائیں جیگوار کا تقبہ گونجا اور پھر استہزا سے انداز میں کھا گیا۔ ”میں دھوکا دینا آسان نہیں ہے مسٹر علی عمران....!“

”چلو تسلیم کر لیا کہ تم مجھے زیادہ عقل مند ہو لیکن خدا را اب مجھے یہاں سے اور کہیں منتقل کرو۔ ورنہ میں کتوں کی طرح بھونکنے لگوں گا۔“

”تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔ کیونکہ تم بہر حال ہمارے کام آئے ہو۔“ دفعتاً شمشے کی ایک دیوار تھوڑی سی سرک گئی اور عمران بستر سے اٹھ کر دوڑتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں صرف ایک بستہ تھا اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ”ایک قدم آدم آئینے بھی تھا۔ عمران نے بوکھلا کر اس میں اپنا جائزہ لینا شروع کیا۔ کرتل مکرم کا میک اپ بدستور قائم تھا۔

اب اُسے بد قسمت پائیکیت یاد آیا۔ اس کے سلسلے میں بھی ضرور وعدہ خلافی کی گئی ہو گی یا پھر....؟ خیالات کی روپہر اپنی جانب پلٹ آئی۔ شائد وہ اُسے بہت پہلے پیچان پچھے تھے۔

دفعتاً اس کمرے میں بھی جیگوار کی آواز سنائی دی۔ ”کیوں مسٹر عمران اب کیا خیال ہے۔“ اب میرا کوئی خیال نہیں ہے۔ ایک بے بس بیٹر کی طرح جاں میں آپھنا ہوں۔“

”اور تمہیں اس سے خاصی پریشانی ہو گئی ہے۔“ ”پریشانی جیسا لفظ میری ڈکشنری میں نہیں پلایا جاتا۔“

”ہم دیکھیں گے کہ تم کتنے دلیر ہو۔“ ”یہ دلیری نہیں بلکہ رعایت ہے۔ دلیری کا مظاہرہ مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ آج کی دنیا میں رکھا ہی کیا ہے جس کے سلسلے میں دلیری دکھائی جائے۔“

”تمہارے اس خیال سے میں متفق نہیں ہوں۔ دراصل پروفیسر شکور سے متعلق ہماری معلومات ناقص تھیں۔ ہیئت کوارٹر سے رابط قائم کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ زنجبار میں ہمارا قیدی ہے۔“

”ارے مر وا دیا۔“ عمران کراہ کر رہا گیا۔ ”اوہ سنورا شد پیچان بھی تم ہی تھے۔“

”دراصل مجھے اس مظلوم نڑکی سے وہ ہو گئی ہے۔“

”یہاں بھی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہیں آج تک کسی سے بھی وہ نہیں ہوئی۔“

”اب ہو گئی ہے اس لئے کہ وہ آدمی مرد ہے اور میں آدھا عورت ہوں۔“

”غیر ہمیں اس سے کیا سروکار۔“

”ہاں تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کس قسم کا برہتا ہو گا۔“

”اوہ یہی سوال پورو نے سکندر سے کیا تھا۔ لہذا میرا جواب سکندر کے جواب سے مختلف نہیں ہو گا۔ اس نے پورو کو یونانی نام پورس سے نوازتا ہا۔... میں بھی ...؟“

”بیوقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے کیا میری ذات سے تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔ وہ میں ہی تھا جس کے اصرار پر سکونداو اپنے آفس تک پہنچا تھا۔“

”ڈیوڈ کی موت کا باعث تم ہی بنے تھے۔“

”کیا وہ احمد اس قابل تھا کہ زندہ رکھا جاتا؟“

”آہا... تو تم یہاں بھی ہمارے کام آئے ہو۔“

”بالکل بالکل....!“

”چلو یہ بھی تسلیم۔ لیکن کیا تم اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کر رہے ہو۔ کیا ہاتھ لگا ہے تمہارے ہمارے ساتھ ہوتے تو اس وقت سو سوئر لینڈ کے کسی بیک میں تمہارے لاکھوں ڈالر بچ ہوتے۔ ہم نے اس وقت بھی تمہارا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جب زیرولینڈ والوں نے مریخ کا اسکینڈل چالایا تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے اور میں نے تنہاؤں مریخ کو جتاب کیا تھا۔“

”تجھا کام کرنا تمہارا ایک دائمہ مندانہ فیصلہ تھا۔ ہماری تسلیم کے ماہرین نے جب پورے معاملے کا تجویز کیا تو ان کی بھی رائے تھی۔ بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتا۔ زیرولینڈ والے پورے پورے بریگینڈ تباہ کر دیتے۔ لیکن پھر پوچھوں گا تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا۔“

”آج تک کوئی تغذیہ بھی نہیں ملا۔ لیکن بہر حال میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اپنی قوم کے کام آیا۔ اپنے ملک کے لئے قربانی دی۔“

”ہمارے ساتھ مل کر بھی تم اپنے ملک ہی کی خدمت کرو گے۔ موجودہ قیادت ہم سے“

فرنٹ ہو گئی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی غلطی ہے اور اسے ایک دن اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔

”سنو مسٹر جیکوار مجھے نہ سیاست سے دلچسپی ہے اور نہ قیاد توں سے۔ میں تو صرف زمین کے اُس ٹکڑے کے تحفظ کو اپنا ایمان سمجھتا ہوں جو میرالٹک کھلاتا ہے۔“

”آخر ہماری ذات سے زمین کے اُس ٹکڑے کو کیا نقصان پہنچا کیا ہماری ہی امداد سے تم اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوئے۔“

”ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم آزاد ہوتا چاہتے ہیں۔ انگریزوں کی سیاسی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد کسی کی اقتصادی غلامی قبول کرنے پر تیار نہیں۔“

”در اصل تم لوگ غلامی کو مپلکس کا شکار ہو گئے ہو پوری قوم کا فسیاتی تجزیہ ہوتا چاہتے۔“
” عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد خاموش رہ کر جیکوار بولا۔ ”اچھا ب تم آرام کرو۔ پھر باتمیں ہوں گی۔“

پھر سننا چھا گیا۔ عمران تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلا تارہ تھا۔



رات کے کھانے کی میز پر عمران تھا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کلاراڈ کسن بھی تھی اور اس کا ساتھی رابرٹو بھی۔

”تھا ہے کہ تم تیرے ایسے فنوں سے واقف ہو جو اب مفقود ہیں۔“ کلارا نے عمران سے کہا۔
”کسی نے ہوائی چھوڑی ہو گی۔ میں تو سیدھا سادھا عمران ہوں۔“

”اگر تم پر پے در پے فائر کئے جائیں تو تم خود کو بچا لو گے۔“

”بشرطیک صرف ایک آدمی فائر کر رہا ہو۔“

”یہ بھی یڑی بات ہے۔“

”اگر تمہیں کسی پتھر کے آدمی سے نکراپڑے تو کیا کرو گے۔“

”نہایت اطمینان سے مارا جاؤں گا۔“

”نہیں مجھے یقین ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح خود کو بچائے جاؤ گے۔“

”کہیں امتحان نہ لے بیٹھنا۔“

”یہاں اس دیرانے میں ہم تفریق کو ترس گئے ہیں۔ لہذا میں نے یونٹ میں اعلان کر دیا ہے کہ دس بجے شب ایک تفریقی پروگرام ہو گا۔“
”ما را گیا؟“ عمران کراہ کر رہ گیا۔ ”جان ہی لینا چاہتی تواب کے کافی میں زہر دے دینا خواہ توخاہ تھکا کر مارنے سے کیا فائدہ۔“

”ہم تمہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں مسٹر عمران۔ جیکوار نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا لایا۔“
”جیکوار..... میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”اپنا ایکس ٹو سمجھ میں آگیا ہے۔“

”خدا کی پناہ تم یہ بھی جانتی ہو۔“

”جو لیانا فشر واڑ نے بتایا تھا۔“

”کھیش چیز ہر بھی بلا ہے۔“ عمران نے کہا اور اوس ہو گیا۔

”مجھے یقین نہیں ہے مسٹر عمران کہ تم اپنے چیف کی شخصیت سے واقف نہ ہو گے۔“

”بھاڑو۔ مجھے بھی کھیش چیز پر۔ میں تمہارا کیا بگاڑلوں گا۔“

”مجھے یقین آگیا کہ تم بھی نہیں جانتے۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”یہ معلوم کر کے کرو گی کیا۔ ہم لوگ تمہاری طرح اپنی حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔“

”کیا تم پیٹھ بھر کر کھانا کھاینے کے بعد اپنے کرت دکھا سکو گے۔“

”ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے نیڈ آنے لگتی ہے۔“

”لہذا اب بس کرو۔“

”بس کیا۔“ عمران نے نیکپن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور کلارا نے رابرٹو سے کہا۔ ”تم جا کر انتظام کرو۔ ایک گھنٹے بعد ہم ہاں میں پہنچ جائیں گے۔“

رابرٹو نے بھی ہاتھ روک لئے اور فوری طور پر اٹھ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد کلارا نے عمران سے کہا۔ ”اب ہم کچھ دیر کھلی ہوا میں بیٹھیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔“

”میں بھی یہی چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ اب میں تمہارا قیدی ہوں لہذا اپنی کسی خواہش کا انٹھا

نہیں کر سکتے۔

کارا پچھے نہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ گار سے نکل کر وہ کھلے آسمان کے نیچے آگئے اور کلاز اٹو میل سانس لے کر بولی۔ ”بھی میں بھی آدمی تھی۔“

”اوہ۔ تو اب کیا ہو...؟“

”اب میں صرف ایک روپوت ہوں۔ بھی میرے بھی جذبات و احساسات تھے لیکن اب سب کچھ ایک مرکزی مشین کے قبضے میں ہے۔ ہم اب پھر کے آدمی ہیں۔ اس بھیہیں میں تمہیں سب ہی سنگرواد ملیں گے۔“

”میرے لئے بڑی عجیب اطلاع ہے۔“

”ہاں ہم سب پھر ہو گئے ہیں۔ اس وقت میں انسانیت کے جائے میں ہوں۔ لیکن اگر ابھی کوئی مرکزی مشین کو حرکت دے دے تو میں تمہارے لئے درندہ بن جاؤں گی۔“

”تو تم مجھ گوشہ پوست کے انسان کو پھروں سے لانا چاہتی ہو۔“

”میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ آدمی اب بھی مشین سے برتر ہے۔ جنگیوار سے میری بحث ہو گئی ہے۔ وہ مشین کی برتری کا قائل ہے۔“

”یہ چھوٹا کر میل اور بڑا کر میل کیا جائے؟“

”ہمارے مغرب کا آپریشن کر کے اس میں رکھے گئے ہیں یہ دونوں کر میل اور یہی ہمیں آدمی سے روپوت بنا دیتے ہیں۔ یعنی ہمارا ذہن مشین کے تالیع ہو جاتا ہے۔ وہ کر میل کو کنٹرول کرتی ہے اور کر میل ہمیں ذہنی اور جسمانی طور پر درندہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں ایک گر کی بات بتاؤں۔ حکمن کے معاملے میں ہم آدمی ہی ہیں۔ روپوت نہیں بن سکے۔ تمہارے سائیکو میشن میں ہنگامہ بپاکرنے کے بعد مجھے تین دن تک آرام کرنا پڑا تھا۔ کیا سمجھے۔“

”اچھی طرح سمجھ گیا۔“

”آب پھر واپس چلو۔ خاصی تازہ ہوا حاصل کر لی۔“

وہ کچھ دیر بعد پھر اُسی کرے میں تھے۔ جہاں عمران کا قیام تھا۔ عمران نے صرف خاموشی اختیار کر لی تھی بلکہ آنکھوں میں تشویش کے آثار بھی پیدا کر لئے تھے۔

”یا تم خائف ہو عمران۔“ کلاراؤ کسن نے پوچھا۔

”نہیں مجھے وہ منظراً دیا آیا ہے جب تم نے خونخوار چوہوں کو دیکھ کر قہقهہ لگایا تھا۔ بھی کوئی عورت اتنی اچھی نہیں لگی جتنی اچھی تم اس وقت مجھے لگی تھیں۔ کیونکہ دلیر سے دلیر عورت بھی کم از کم تمہارے ملک میں چوہا دیکھ کر ضرور تھیں اُنھی تھیں۔“

”اور تمہارے ملک کی عورت!“

”وہ تو صد اکی چوہے مار ہے۔“

”میں سمجھی نہیں...!“

”گھر کے چوہے مارنا اُس کے فرائض میں شامل ہے۔“

”تلوج داقتی عجیب ہو۔“ کلارا نے اٹھنے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو چلواب ہاں میں چلیں۔“

”کیا یہ تفریح جنگیوار کے علم میں ہے؟“

”اس کے علم کے بغیر تو یہاں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“

وہ اُسے اپنے ہاں میں لے آئی جو کسی اسٹیڈیم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تماشاخوں کے لئے اسٹیڈیم بنئے ہوئے تھے اور ہاں کے وسط میں ایرینا تھا۔ عمران کو دوسروں پر چھوڑ کر وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ تماشائی اُسے دیکھ کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے پھر اس کے صدر نشین ہونے کے بعد وہ بھی بیٹھ گئے۔ رابرٹو اُس کی کرسی کے قریب مدد کھڑا تھا۔ پھر وہ کلارا کے اشارے پر آگے بڑھا اور جمعیت کو مخاطب کر کے بولا۔ ”پھر کے آدمیوں! اس وقت تمہارے درمیان ایک جیرت انگیز آدمی موجود ہے۔ لیکن وہ تمہاری طرح پھر کا نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی ہمارے بہترین لڑاکے اور نشانہ باز اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ سب سے پہلے وہ گولیوں سے نپتے کا مظاہرہ کرے گا۔ ہمارا سب سے اُتم نشانہ باز ایڈگر اس پر ریو اور سے چھ فائر کرے گا۔“

اس نے وہیں کھڑے کھڑے عمران کو ایرینا میں آنے کا اشارہ کیا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب کی سکر ہٹت تھی۔ اس نے رابرٹو سے کہا۔ ”سی نور رابرٹو اپنے نشانہ باز کو یہ ضرور سمجھا ویسا کہ مجھ ایرینا کے ایسے ہی رخ پر رکھ کے گا کہ اُس کی خطاکی ہوئی گوئی کسی تماشائی کے نہ لگ جائے۔“

”اس کا خیال رکھا جائے گا مسٹر عمران۔“ رابرٹو نے شاہزادہ انداز میں کہا اور پھر ان کا نشانہ بلا بھی بڑے شاہزادہ انداز میں ایرینا میں داخل ہوا تھا۔ اس نے پہلا فائر کیا لیکن بے اثر... عمران نے محض چیترہ بدلت کر وار خالی دیا تھا۔ غاباً نشانہ باز بھی اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ مقابل کس قسم کا

پھر تارہ۔ تالیاں بھتی رہیں۔ شور ہوتا رہا۔ بالآخر دیویزاد تھک کر گرپڑا۔
پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے ہاں کی چھت ہی اڑ جائے گی۔ کچھ لوگ ایک اسٹریچ
اٹھائے ہوئے ایرینا میں داخل ہوئے اور دیویزاد کو اٹھانے لگئے۔
”کچھ اور... کچھ اور...“ مجع چلایا۔

”خواتین و حضرات“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آج بس اُتنا ہی۔ باقیہ کل۔ کل اس سے بھی
بہتر کر جب دیکھئے گا۔“

”نہیں نہیں.... ہم تمہیں بھی تھکا کر مار دیں گے۔“ کئی آوازیں آئیں وفتحا کاراڈ کسن
اٹھ گئی اور ہاتھ ہلا کر چھینی۔ ”بکواس بند کرو اور خاموشی سے ہاں خالی کر دو۔“

مجع پر سناتا چھا گیا۔ اور لوگ خوفزدہ انداز میں اٹھنے لگے۔ دیکھتے ہاں دیکھتے ہاں خالی ہو گیا اور
وہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہ گیا۔

رابرٹو اور کارا بھی ایرینا میں عمران کے قریب ہی آکھڑے ہوئے تھے۔

”واقعی اپنے فون کے ماہر ہو۔“ کارا نے عمران سے کہا۔

”شکریہ۔ اگر میں پہلے سے تھکا ہوانہ ہوتا تو نہیں ہر گز مایوس نہ کرتا۔“

”کوئی بات نہیں۔ پھر سہی!“ رابرٹو بولا۔

وہاں سے وہ سیدھے کرے میں آئے تھے۔ جہاں عمران مقیم تھا۔

”اپنی تھکن اٹارتے کے لئے تم کیا کرو گے۔“ رابرٹو نے پوچھا۔

”تھکن کی قاتل صرف میٹھی نیند ہی ہو سکتی ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔

”تم جا سکتے ہو۔“ وفتحا کارا نے رابرٹو سے کہا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک عمران

کو بغور دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”سوئے سے پہلے کچھ دیر کے لئے پھر کھلی ہو ایں چلو۔“

”جیسی تمہاری مرضی۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”کچھ ایسا زیادہ تھکا ہوا بھی نہیں ہوں۔“

وہ پھر غار سے نکل کر ہیلی پیڈ کی طرف آئے اور وفتحا عمران نے سوال کیا۔

”اس پانیلٹ اور ہیلی کو پڑ کا کیا ہو۔“

”بیکوار کے حکم کے مطابق دونوں کو جاہ کر دیا گیا۔ وہ تمہارے نکتے نظر سے متفق نہیں تھا۔“

”تو پھر اب اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو یہاں سے ہیلی پیڈ کی علامات ہٹالو۔ میں نے انہیں

شعبدہ کا رہے۔ پھر اس نے پے در پے دو فائر کئے۔ عمران گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ تین فائر بے اثر
ہو چکے تھے۔ مجع پر سناتا چھا گیا تھا نشانہ باز کے چڑے پر ہوا میں اڑنے لگی تھیں۔ ادھر عمران
نے تھقبہ لگا کر اسے جنمجنگلاہٹ میں بیٹلا کر دیا تھا اور اس نے بقیہ تین فائر بھی جموک مارے
لیکن سنگ آرت تو شائد لا زوال تھا۔ عمران ایک جانب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

پھر فنا تالیوں کے شور سے گونج انجی اور نشانہ باز سر جھکائے ہوئے ایرینا سے نکل گیا۔

”مسٹر عمران۔“ رابرٹو نے اوپنی آواز میں پوچھا۔ ”دوسرے آئیشم کیلے کتنا وقت لو گے۔“

”صرف دس منٹ۔ سی نسور رابرٹو۔“ عمران نے جواب دیا اور پھر تالیوں کا شور گونج بنے لگا۔

”مسٹر عمران تمہارا مقابل قدم میں تم سے کم از کم ایک فٹ اور ایک انج او پچا ہو گا۔ تمہیں
اس پر اعتراض تو نہیں۔“ رابرٹو نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... دو فٹ دو انج بھی اوپنچا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“ عمران نے
جواب دیا۔

پھر تالیوں سے ہاں گو نجنسے لگا اور کارا نے عجیب نظر دیں سے رابرٹو کی طرف دیکھا لیکن کچھ
بھول نہیں۔ تماشائی بہت محظوظ ہو رہے تھے۔

دس منٹ بعد عمران نے اوپنی آواز میں کہا۔ ”میں تیار ہوں....“

پھر تالیاں بھیں ساتھ ہی ایک دیویزاد ایرینا میں داخل ہوا جس کا قد سات فٹ سے کسی
طرح کم نہ رہا ہو گا اور یہ ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ عمران کو دیکھ کر اس نے ایک ہندیانی ساق تھقبہ لگایا
اور پھر اس طرح جھکا جیسے عمران کو اٹھا کر اپنے کانڈھے پر بھالے گا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے
اُس کی کھوپڑی پر دونوں ہاتھ نکالے اور اس کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسرا طرف نکل گیا اور دو
سیدھا کھڑا ہو کر ہونقوں کی طرح اسے گھورنے لگا۔ ہاں تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ تھانے
تفریغ کو تر سے ہوئے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ اس بار دیویزاد نے اُس پر جھلانگ لگائی یہ انداز
عمران کے لئے متوقع تھا لہذا غالباً نہیں تھا اس بار وہ اس کی ناگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ نہ
صرف نکل گیا بلکہ گردن پر ایک لات بھی رسید کر دی۔ وہ کسی جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت کی
طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر تالیاں بھیں اس بار وہ اٹھا تو بے حد خونخوار ہو گیا تھا کسی پھرے
ہوئے ریپکھ کی طرح جھپٹ جھپٹ کر جملے کر رہا تھا اور عمران اُسے پورے ایرینا میں دوڑائے

ایک خاص راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی اب وہ پورے کوہستان میں پچراتے پھریں گے۔“
تمہارا خیال درست ہے۔ صبح تک یہاں سے علمات ہنادی جائیں گی۔ جیکوار بھی اسے سمجھتا ہے تم سے پہلے ہی اس نے یہ مشورہ دیا تھا۔“

”یہ جیکوار میری عقل سے چٹ کر رہ گیا ہے۔“ عمران بڑھ رہا۔

”اور تمہارا انشانہ کیسا ہے؟“

”لوگوں کا خیال ہے کہ چھ گولیوں میں سے ایک بھی نارگٹ سے باہر نہیں جائے گی۔“
”میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”اگر ریو اور نبو تمہارے پاس تو وابسی پر تمہے خانے والی میڑ ہیوں پر اس کا بھی مظاہرہ کر سکوں گا۔ زینے جہاں سے شروع ہوں وہاں ایک نارگٹ بنا دیا۔ ایک زینے اتروں گا اور مز کر فائز کروں گا۔ اگر ایک گولی بھی نارگٹ کو مس کرے تو وہیں گولی مار دینا۔“

”میں یہ مظاہرہ بھی دیکھوں گی۔ ریو اور ہے میرے پاس۔ چلو وابس چلیں۔“

”کھلی ہوا میں کس لئے آئی تھیں؟“

”وراصل میری سمجھی میں نہیں آتا کہ تم سے ملاقات ہونے کے بعد سے مجھے کیا ہو گیا ہے۔“

”کھلی ہوا میں غالباً اس لئے آتی ہو کہ ہماری گفتگو جیکوار تک نہ پہنچ سکے۔“

”تمہارا خیال بالکل درست ہے لیکن تم سے کیا کہنا چاہتی ہوں یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔“

”واقعی تم اپنے کرشم نکلاوو۔“

”میں نے جیکوار سے درخواست کی ہے۔ شائد منظور ہو جائے۔ لیکن مجھے اس کو راز ہی رکھنا پڑے گا کہ اب میں رو بوت نہیں رہی۔“

”وہ کس لئے؟“

”کمتر سمجھی جاؤں گی اور پھر وہ لوگ میرے احکامات نہیں مانیں گے۔ جیکوار نے مجھے یونٹ کا انچارج بنایا ہے۔“

”کہیں وہ تم سے محبت تو نہیں کرتا۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”کیا تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔“

”میں اُس سے خائن رہتی ہوں اس لئے محبت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خیر ختم کرو اس قصے کو یہ لوریو اور۔“

وہ زینوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ داخلے کے دروازے پر کلارا نے کوٹلے سے ایک دائرہ بیا کر نارگٹ مقرر کیا اور خود جلدی جلدی نیچے آت گئی۔ عمران ایک زینے اتر کر مزا اور فائز کر دیا۔ پس درپے اسی طرح زینے آت آت کر چھ فائز کئے اور نیچے پہنچا تو وہ نتیجہ دیکھنے کے لئے اوپر دوڑ گئی۔ واپس آئی تو اس کے چہرے پر حرمت کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

”واقعی تم حرمت انگیز ہو۔ ایک گولی بھی نارگٹ کے باہر نہیں گئی۔“

”شکریہ! میرے اپنے لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں وہ صرف کام چاہتے ہیں۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ عمران کے کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ ”اب شائد تم کافی پیدا پسند کرو گے۔“

”واقعی بڑی شدید سے طلب محسوس ہو رہی ہے۔“ عمران نے کہد وہ بھی کرت کرم ہی کے میک اپ میں تحد۔ لمحیٰ چہرہ بدستور ڈالا گئی دار تحد نہ کسی نے میک اپ اتنا نے کو کہا اور نہ اس نے اتنا۔ اچھا تو تم چلو اپنے کمرے میں۔ میں کافی بھجواتی ہوں۔“

”کسی مرد سے بھجوانا۔ مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی۔“

”اوہ۔ وہ اس زیرِ میں بستی کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔“

”قطیٰ نہیں۔ یہاں تم سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔“

”شکریہ! میں اس تعریف کو کیا سمجھوں۔“

”غالص تعریف! اس میں کسی قسم کی بھی ملاوٹ نہیں ہے۔“

وہ اُسے کمرے کے سامنے چھوڑ کر چل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرد ہی کافی لایا تھا۔ اعلیٰ درجے کی کافی تھی۔ لیکن یہ کیا ہوا۔۔۔ پھر وہی چک۔ پھر مرد و دوں نے یہو شی آور کافی پلاؤ ای۔ کافی کی ٹڑائی لانے والا جا پھا تھا۔

اُب کیا ہو گا۔ آخراب کیا چاہتے ہیں۔ تو گویا! بھی تک کلارا اس سے کھیلتی رہی تھی۔ اوہہہ ہو گا۔ جہنم میں جائے۔ نیند تو شاندار آئے گی۔ وہ پیالی ختم کر کے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ

نائے میں جیکوار کی آواز گوئی۔

”کیا بے ہوش ہو گئے مسٹر عمران۔“

”نہیں بس ہونے تھی والا ہوں۔ آخر یہ کیا چکر ہے۔“

”اب تھوڑی سی تفریق میں بھی کروں گا۔“ جیکوار کی آواز آئی۔

”میں نہیں سمجھا۔“ عمران کو اپنی آواز ایسی لگی جیسے کسی کنوئیں کے اندر سے بول رہا ہو۔

”تم نے کلارا کو متاثر کیا ہے۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

”وہ خود ہی متاثر ہوئی ہو گی۔ میں نے تو اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی۔“

”یہ اور نہ اہے۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ کہہ کر وہ کروٹ لینے تھی والا تھا کہ جیکوار کی آواز آئی۔

”تم سن رہے ہو مسٹر عمران۔“

”ہاں ابھی تو سن رہا ہوں۔“

”تو سنو! میری تفریق یہ ہو گی کہ میں تمہیں کرتل مکرم کی جیشیت پسے تمہارے آئی الیں آئی والوں کے حوالے کر دوں۔“

”نہیں!“ عمران زور سے چینا اور اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

”تم پہلے بھی کوشش کر چکے ہو کہ سگراو کی لاش تمہیں مل جائے۔ لہذا وہ تمہارے ساتھ کیسا برناڈ کریں گے۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”میں جانتا ہوں مسٹر عمران، انہی لوگوں کے ہاتھوں تم اپنے انجام کو پہنچو گے۔“

”عمران کی زبان سے آخری جملہ لکھا۔“ پہنچ گیا۔

اور پھر وہ کچھ خرائٹ لینے لگا تھا۔ جیکوار کا قہقہہ کر کے میں گونجا۔ لیکن اب ہاں منے والا کون تھا۔

عمران سیریز نمبر 114

خطرناک انگلیاں

(تیسرا حصہ)

دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ انشاء اللہ عالم اسلام بیدار ہو رہا ہے۔ اور ہاں اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کہ میں اپنے ہی جیسے کسی انسان سے انعام کا خواہاں ہوں۔ اس کا تصور بھی مجھے احساسِ کتری کے گزھے میں دھکیل دے گا۔ میرے لئے میرے اللہ کا یہی انعام کافی ہے کہ کتب فروش میری کتابوں کو ”کرنی نوٹ“ کہتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کی تشقی ہو گئی ہو گی۔ بھائی صاحب اگر میرے سر میں لیدری کا سودا سماتا تو کبھی کالیدر بن کر آب تک دریا بُرد ہو چکا ہوتا۔ کیا سمجھے! میری طرف سے بدگمان نہ ہوا کجھے۔ میں ہمیشہ غریب مسلم عوام کے ساتھ رہا ہوں اور انشاء اللہ مرتبے دم تک رہوں گا۔ کیونکہ میں بھی غریب ہی ہوں۔ غربت ہی میں ہوش سنجلالا تھا اور اللہ سے دعا ہے کہ غریبوں کے ساتھ مجھے اٹھائے۔ آپ کی باقتوں نے مجھے بہت زیادہ دکھی کر دیا ہے بہر حال خدا آپ کو خوش رکھے۔

والسلام

ابن صفعہ

کم می ۱۹۸۰

پیشہ رس

خطراناک الگیاں ملا حظ فرمائے۔

ابھی میری علالت کا سلسلہ جاری ہی ہے۔ امراضِ جگہ سے جلد چھٹکارا نہیں ہوتا۔ پوری طرح صحبت یا ب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن اتنا تو کہ ہی سکتا ہوں کہ جیسے تیسے آپ کو انتظار کی مزیدِ محنت سے پچاؤں۔ لہذا کتاب حاضر ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ پڑھنے والوں کو مطمئن کر سکوں۔ اس کے باوجود بھی اگر کسی صاحب کو بہت زیادہ مزہ نہ آئے تو یہار سمجھ کر معاف کر دیں۔ بس دعا کرتے رہئے کہ پوری طرح آپ کی خدمت کے قابل ہو جاؤں۔

اچھا اب پوری بات سن سمجھے اور پھر مجھ پر الزام لگائے گا کہ میں حکومت سے کوئی انعام لینا پاہتا ہوں یا ایک سرمایہ دار گرانے کے نام سے منسوب انعام کا متنی ہوں۔ اگر میں اس سوال کے جواب میں کوئی مقالہ لکھ رہا ہو تا تو اگلی سطر میں مندرجہ ذیل ہوتیں۔

”شہنشاہیت نے اسلامی سماجی ارتقاء کی راہ روک لی تھی۔ ورنہ دنیا کو بھانت بھانت کے ازموں (ISMS) کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔“

اور بھائی اسلام کو تمثاشا بنا لیا ہے یا ر لوگوں نے جسے دیکھوا یک نئی تفسیر لئے دوڑا آ رہا ہے۔ لیکن اب وہ وقت دور نہیں جب دودھ کا

”میں نے اسے پروفیسر شکور کی بحث سے پہچانا۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ لیکن دینار ہوٹل میں اس کے قیام سے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے مجھے تیا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ مقیم ہے۔“ شہلا چودھری مجرم شہاب کو اپنا بیان لکھواتی رہی۔ ”راٹل کلب میں اس کے مظاہروں کی میں تہذیم دار نہیں ہوں۔ کلب کے سیکریٹری بر گیڈیٹر سالم نے اس کی اجازت دی تھی۔ وہ بھی پروفیسر کے پرانے شناساؤں میں سے تھے اور کلب کے متعدد ممبروں کی سفارش پر وہ دعوت نامہ اس کے نام جاری کیا گیا تھا۔“

”آپ خصوصیت سے اترنڈ نہیں تھیں؟“ مجرم شہاب نے پوچھا۔

”صرف اس حد تک کہ میں نے پروفیسر سے بہت کچھ سیکھا تھا۔“

”دینار ہوٹل تو آپ ہی لوگوں کی ملکیت ہے۔“ مجرم شہاب نے پوچھا۔
”جی ہاں۔“

”میا یہ حرمت اگزیز نہیں ہے کہ اس نے قیام کے لئے بھی آپ ہی کے ہوٹل کا انتخاب کیا۔“

”ہو سکتا ہے حرمت اگزیز ہو۔ لیکن اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔“

دینار ہوٹل کے مجرم اور کاؤنٹر کلر اپنی نوکریوں سے بیزار نہیں تھے جو کوئی ایسا بیان دے بیٹھتے جس سے مالک کی بھی پر حرف آتا۔

اُدھر کرٹل فیضی نے عمران کے سلسلے میں سر سلطان کا ناطقہ بند کر کھا تھا۔ فون پر گفتگو ہوتی تھی۔ آخر سر سلطان نے ایک بار جلا کر کرٹل فیضی کو جواب دیا۔ ”عمران شہر میں موجود نہیں۔ میں نے ایک کام سے اُسے ملک کے باہر بھیجا ہے لہذا آپ لوگ براہ کرم اُس کے فیصلہ کا محاصرہ ختم کر دیجیے۔ ورنہ میں اس بات کو آگے بڑھانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔“

یہاں توبات ختم ہو گئی، لیکن اُدھر ظفر الملک نے بیک زیر و کور پورٹ دی۔

”سگنوار کی لاش کو شمالی علاقے کی تجربہ گاہ کم پہنچانے کے لئے کرٹل کرم کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ وہ بروقت آری کے ہیلی پیڈر پر پہنچ گیا اور ایک ہیلی کوپر کے ذریعے لاش شمالی علاقے کی طرف روانہ کر دی گئی۔ لیکن دو دن گزر جانے کے بعد بھی ہیلی کوپر والیں آیا اور کرٹل کرم یہاں پروفیسر شکور کے کرے میں پایا گیا۔ پروفیسر کرم کا بیان ہے کہ اُسے کچھ لوگوں نے انگوکھا کیا تھا اور زبردستی مار فیا کے انگلشن لگاتے رہے تھے۔“

آئی ایس آئی والوں نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ کرٹل کرم پروفیسر شکور والے ہوٹل کے کرے میں بیہو ش پہنچا اور پروفیسر شکور کا کہیں پہنچنیں تھا۔ پولیس پبلے ہی سے پروفیسر شکور سے متعلق پوچھ گئے کرتی پھر رہی تھی کہ کسی طرح اس کی رسائی دینار ہوٹل تک ہو گئی۔
بیک زیر و کور اس کی اطلاع میں تو اس نے بحثیت ایکس ٹوان لوگوں سے رپورٹ طلب کر لی جو دینار ہوٹل کی گمراہی کر رہے تھے۔ یہ ظفر الملک اور جیسن تھے۔

”یہ سر۔“ ظفر الملک بولا۔ ”پولیس کو کئی دونوں سے پروفیسر کی تلاش تھی۔ وہ دینار ہوٹل تک جا پہنچی۔ پروفیسر کئی دونوں سے غائب تھا۔ کنجی کاؤنٹر کلر کے پاس تھی۔ پولیس نے کنجی حاصل کر کے کھولا۔ وہاں سے کوئی کرٹل کرم اس خال میں برآمد ہوا کہ اس کا جسم رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ حالات بیہو شی ملا تھا۔ ذاکر کی رپورٹ کے مطابق اسے انہوں کے انگلشن کے تحت رکھا گیا تھا۔ اُسے بلا خر آئی۔ ایس۔ آئی والے نے گئے۔ پروفیسر کے کرے سے اُس کے کاغذات بھی برآمد ہوئے ہیں جو پولیس کے بیان کے مطابق جعلی ہیں۔“

”کرٹل کرم کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر کے مجھے ایک گھنٹے کے اندر مطلع کرو۔“ بیک زیر و نے کہا۔

”بہت بہتر۔“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔
اُب پروفیسر شکور آئی۔ ایس۔ آئی والوں کا بھی ٹارگٹ بن گیا تھا۔ ایک ڈپٹی ڈائریکٹر مجرم شہاب پوچھ گئے کہ تباہوا شہلا چودھری تک بھی پہنچ گیا۔

"ٹھیک ہے۔" بلکہ زیر و نے ایکس ٹو کی آواز میں کہا۔ "تم دونوں آئی۔ ایس۔ آئی والوں کی مصروفیات سے مجھے آگاہ رکھو۔"

ظفرالملک نے رابطہ منقطع کر کے جیسن کو اس گفتگو سے آگاہ کیا اور جیسن عکس کر بولا۔ "میری مصروفیات میں خل پڑ رہا ہے ان فضولیات سے۔ آج کل میں میر تھی میر اور نظیر اکبر آبادی کو پڑھ رہا ہوں۔"

"اس کے باوجود بھی تمہاری صحت بدستور ہے۔"

"سو میں بھی ہوں آدمی۔"

"میر تھی میر سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ گا۔"

"آہ وزاری کا سیقتہ پیدا ہو گا اور میں اس دور کے پلچر کو سمجھنے کے قابل ہو سکوں گا، تو میں بھی ہوں آدمی۔"

"اس دور کے پلچر کو تم نے سمجھ بھی لیا تو تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچ گا۔"

"وہی فائدہ جو ڈاڑھی سے پہنچ رہا ہے۔" جیسن ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"فضول بکواس مت کرو۔ تم وقت شائع کرنے کی مشین بنتے جا رہے ہو۔"

"ہم میں کون ہے جو وقت شائع کرنے کی مشین نہیں ہے۔ کون دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے کسی افادیت کا حامل ہے۔"

"اردو بھی گاڑھی قسم کی بولنے لگے ہو۔"

"مطالعہ کا نتیجہ ہے۔"

"میں کہتا ہوں ختم کرو۔ یہ بکواس سنائے ہے جو زف چرس پینے لگا ہے۔"

"ضرور پینے لگا ہوگا۔ اسے چھوٹ ہی اتنی ملی ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر سمجھنی عمران دی گریٹ کس دماغ کے آدمی ہیں۔ ہم میں سے کوئی ذرا سی چکھ بھی لے تو قیامت او۔

اس کے لئے چھ بو تلیں یومیہ کا انتظام۔ اب شراب بندی ہوئی ہے تو وہ چرس پینے گا۔"

"عادی نشے باز ہے اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم شراب ترک کر کے مر تو نہیں گئے۔"

"آپ آخر کیا کہتا چاہتے ہیں۔"

"ستا میں چانے کی بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔"

"مجھے بھی چرس پینے کی اجازت دلواد تھے۔"

اوہر جوزف چرس کے ایکسٹریکٹ کی علاش میں سرگردان تھا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ جو شیدی اُسے سپلائی کرتا تھا درہر لیا گیا۔

دفعتاً ایک میل کچھی عورت سے ملاقات ہوئی وہ اُسے دکھ کر رکھی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا تم شیدی جمال کے گاہک ہو؟"

"ہاں ہاں!" جوزف نے زور سے سر ہلایا۔

"کیفے میلکم چلے جاؤ۔ مالکہ کاتام میرا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ خاتون۔" جوزف کے دانت نکل پڑے۔ وہ کیفے میلکم کی طرف روانہ ہو گیا جو اُسی گندی سی بستی کے ایک گوشے میں واقع تھا۔ شیدی جمال پکڑا نہ جاتا لیکن اُس نے بھر موں اور پولیس کے درمیان آنکھ پھوپھو شروع کر دی تھی۔ دراصل وہ پولیس انفارمر بھی تھا اور اسی لئے دھڑلے سے بزنس کرتا تھا لیکن پھر اس نے پولیس کو بھی دھوکا دیا شروع کر دیا اور بالآخر پکڑا گیا۔ جوزف کی شناسائی صرف اسی سے تھی اور کسی کو تھیں جانتا تھا۔ وہ کیفے میلکم پہنچ گیا۔ اس کی مالکہ ایک بوزھی یوریشین عورت تھی۔ شراب بندی سے قبل یہ میلکم بار تھا۔ جوزف کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "میں شیدی جمال کا گاہک ہوں۔"

"کیا چاہئے؟" بوزھی نے بے رنجی سے پوچھا۔

"ایکسٹریکٹ...!"

"وہ تمہیں بیہاں نہیں ملے گا۔"

"مگر میں جمال کا گاہک ہوں اور مجھے بیہاں بھیجا گیا ہے۔"

"میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ تم یہیں کھڑے ہوئے ہو۔ لیکن ایکسٹریکٹ کا بزنس دوسرا کے پاس ہے۔ تمہیں بذرگاہ کے علاقے میں جانا پڑے گا۔ یہ کارڈ رکھو۔" اس نے کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک کارڈ نکال کر جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف نے اس پر نظر ڈالی کہ شاجاہ بھی کلام اور پتہ تحریر تھا۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر کے دہاں سے بھی چل پڑا۔ پھر وہ شاجاہ بھی تک بھی پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنا کارڈ دیکھ کر شاجاہ نے تیہیوں کی سی شکل بنا لی اور بولا۔ "بیہاں کیاں دھرا ہے ایکسٹریکٹ! جمال اسی لئے دھر لیا گیا کہ مال ساتھ لئے پھر تھا۔"

"پھر کڈھر چلے گا۔" جوزف نے پوچھا۔

"ماہی بذر پر۔ ٹرالر ہے تمارا۔ مال وہیں ہے۔ تمہیں اُدھر ہی چلانا پڑے گا۔ گھبراو نہیں گاڑی ہے اپنی۔ تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"چلے گا۔" جوزف سر ہلا کر بولا۔

شاجا ماجھی کی کھنارا کار میں بیٹھ کر وہ ماہی بذر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاجا خود ہی ذرا نجوم کر رہا تھا۔ جوزف نے فوراً ہی اندازہ لگایا کہ شاجا بہت خوش اخلاق اور پیار آدمی ہے۔ ماہی بذر پہنچتے دنوں میں گاڑی چھپنے لگی اور ٹرالر میں پہنچتے ہی شاجا ماجھی نے ہمک لگائی۔ "جوزف بھائی کے لئے کافی لاو۔"

"ارے نہیں اس کا کیا بخوبی! " جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"ولہ جوزف بھائی۔ اس وقت تم مہمان ہو۔ لوجب تک یہ سگریٹ پینے۔ ایکسریکٹ ہی والا ہے۔"

جوزف دیر سے ترسا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ سے سگریٹ جھپٹ کر سلاگانے لگا۔ اتنے میں کافی بھی آگئی۔ گویا پہلے ہی سے تیار تھی۔

جوزف گن گن کافی کے گھونٹ اور سگریٹ کے کش لینے لگا۔ لیکن اسے ہوش نہیں کہ پہلے کافی ختم ہوئی تھی یا سگریٹ! دوبارہ ہوش آیا تھا تو اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور ٹرالر حرکت کر رہا تھا۔

ٹرالر کے نچلے حصے میں وہ تھا نہیں تھا۔ اُسی کی طرح آٹھ دس اور بھی بندھے ہپڑے ہوئے تھے۔

"شش شاجا بھائی کڈھر ہے۔" جوزف نے ایک ہمسفر سے پوچھا۔

"بھائی کہتے ہو اقسامی ہے سالا قسمی۔" ہمسفر بولا۔ "پانہیں حرامی ہمیں کہاں لئے جائیا ہے۔"

جوزف کا حلق خنک ہونے لگا۔



عمران بے دست و پابتر پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پابلوں کہ قوت ارادی نہ جانے کہاں غرق ہو گئی تھی۔ ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ ذہن بالکل سپاٹ تھا۔ اور یادداشت کا یہ عالم خاک کے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ بستر پر چٹ پڑا جھپٹ کو تکتارہا۔

یہ ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ دیوار سے لگے ہوئے کلاک نے بارہ بجائے۔ گھنٹے کی آوازیں اسے ایسی لگی تھیں جیسے کھوپڑی پر بارہ ہتھوڑے چل گئے ہوں۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے کیبن کا دروازہ کھولا۔ اور ایک چھوٹی سی ٹرالی سیست اندرا دخل ہوا۔ یہ ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ اُس نے سونچ آن کر کے کیبن میں روشنی کر دی اور عمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "ناشہ کرلو۔" زبان انگلش تھی۔

"میں اٹھ نہیں سکتا۔" عمران نے کہا۔

"کو شش کرو۔ میں تمہارے منہ میں چچہ تو نہیں دوں گا۔" سیاہ فام بولا۔

"اچھا تو مجھے اٹھ بیٹھنے میں مدد تو دے سکتے ہو۔"

"اچھا۔ دیکھتا ہوں۔" کہہ کر سیاہ فام نے اُسے بستہ ہی پر بیٹھ جانے میں مدد دی تھی۔

"کیا یہ کوئی اسیٹر ہے۔" عمران نے نحیف آواز میں پوچھا۔

"نہیں ٹرالر ہے۔" سیاہ فام نے جواب دیا۔ "بڑے جھینکوں کا شکار ہو رہا ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" عمران نے کہا اور ناشہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کافی پاٹ کے ساتھ سی فوذ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے دو بڑے جھینکے کھائے اور کافی پینے لگا۔ سیاہ فام نے اُس سے کہا۔ "تم تو ٹرالر پر قدم رکھتے ہی بیمار ہو گئے۔ حالانکہ ہماری مدد کرنے آئے تھے۔"

"کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب بیمار پڑ جائے گا۔"

"نمبر تین قسم کے جھینکوں پر تمہیں رسیرچ کرنی تھی۔"

"اچھا... ہاں...!" عمران سر ہلا کر رہا گیا۔

"اب تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ ہمارا ٹرالر نمبر تین قسم کے جھینکوں کے علاقے میں داخل ہونے والا ہے۔"

"میں کو شش کر رہا ہوں کہ میرے اعصاب قابو میں آ جائیں۔" عمران نے بے بسی سے کہا۔ کافی پیچنے کے بعد بے اختیار دل چاہا کہ پھر لیٹ جائے۔ لیکن دل پر جر کئے بیٹھا رہا۔

سیاہ فام آدمی ٹرالی کی بنیں سے نکال لے گیا۔ عمران بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ ذہن کی کھر جھٹ رعنی تھی۔ یادداشت کی جھلکیاں شعور کی سطح پر یہ جان سا بربا کرنے لگیں اور پھر یک یک اُسے یاد

آگیا کہ وہ کون ہے اور اُس پر کیا گزرنی تھی۔ اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ کریم کرم کا میک اپ بدستور موجود تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ لیکن جیکوار نے تو کہا تھا کہ وہ اُس کو اُسی حالت میں آئی۔ اُس۔ آئی والوں کے حوالے کر دے گا۔ لیکن یہ نمبر قلن قلم کے جھینگوں کا کیسا قصہ نکل آیا۔ جھینگے... آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ٹرالر انہیں کا ہو گا۔ لیکن وہ تو شمال مغربی کوہستان میں تھے اور یہ سمندر ہے۔ سلسلہ کہاں سے ملا۔ اسی الجھن میں وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ ساری توانائیاں بھی عود کر آئیں۔

بستر سے فرش پر اتر آیا اور مضطربانہ انداز میں ٹھہنٹ لگا۔ کیا کیمین کا دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ فطری عمل تو یہی ہوتا چاہئے۔ تو پھر دیکھا جائے گا اس نے کیمین کا دروازہ کھولا اور عرش پر نکل آیا۔ ٹرالر نے جال ڈال رکھتے تھے اور آہستہ روی سے ایک جانب چل رہا تھا۔ عمران کو عرش پر زیادہ تردی سی لوگ دکھائی دیئے جنہوں نے اس کی طرف قطعی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن جیسے ہی چند سیاہ فاموں نے اُسے دیکھاڑا میں کسی قدر ہچل نظر آنے لگی۔ اور پھر ایک بلند بالا سیاہ فام آدمی دکھائی دیا جو تیزی سے اُسی کی جانب آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر بولا۔ ”میں کیپشن سلواس ہوں مسٹر خان۔“

”اوہ.... اچھا!“ عمران نے مضافو کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

”آپ بیماری ہی کی حالت میں ہم تک پہنچتے تھے۔“

”میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن اس علاالت نے میری یاد داشت پر کسی قدر اثر ضرور ڈالا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔ مسٹر خان۔“

”میں نہیں جانتا کہ مجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔“

”ظاہر تمیری قلم کے جھینگوں پر ریروج۔“

”لیکن بیاطن...!“ عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

اس نے دورین اپنے گلے سے اتار کر عمران کو تھابت ہوئے ایک جانب اشارہ کیا۔ ”اُدھر دیکھنے مسٹر خان۔“

عمران نے دورین آنکھوں سے لگائی اور بتائی ہوئی سوت دیکھتا رہا۔ کسی جزیرے کے آئا۔

تھے۔ ”ہاں میں دیکھ رہا ہوں۔“

”اُس جزیرے کے آس پاس بہترین قلم کے جھینگے پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کے باشندے نہ خود ماہی گیری کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ کئی بار ہمارے ٹرالر پر فائر گکر کرچکے ہیں۔“

”تو پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔“

”گفت و شنید! ہماری بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔“

”اچھا.... اچھا.... میں سمجھ گیا۔“

”بیں یہی کرنا ہے آپ کو مسٹر خان۔ اگر وہ لوگ خود ہی ماہی گیری کرتے ہوتے تو ہم ان کے جزیرے کے پاس بھی نہ پہنچتے۔“

”ٹھیک ہے۔“

”اور مسٹر خان۔ آپ اپنی ضروریات سے براؤ راست مجھے آگاہ کریں گے۔“

”ضرور... ضرور۔“ عمران نے کہا۔



پھر جوزف کے ہاتھ کھول دیئے گئے تاکہ وہ آسانی کھاپی سکے اور جو س کے سگریٹ استعمال کر سکے۔ لیکن جو بر تاؤ اسکے ساتھ ہوا تھا اسکے بارے میں کوئی اس سے گفتگو کرنے پر تیار نہیں تھا۔

اس نے ایک پڑوی سے پوچھا۔ ”تم کیسے آیا ہو۔“

”چس کا چکر اور کیا؟“ پڑوی نے جواب دیا۔

”کس کا گاہک ٹھا...؟“

”شیدی جمال کا...!“

”ہم بیٹھا۔“ جوزف نے مٹھنی سانس لی۔

پھر اُسی شام کو جوزف کے پیر بھی کھول دیئے گئے اور اُسے ٹرالر کے کپتان کے سامنے چل کیا گیا۔ یہ ایک سخت گیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔

جو جوزف اگر مارے تو کہاں کہاں۔

ساحل پر اتار دیا گیا۔

چاروں طرف گھورا نہ ہیرا تھا۔ جو لوگ انہیں لینے آئے تھے مسلک تھے اور ان کے ساتھ ایک پرانی لاری تھی۔ انہیں اس لاری پر بٹھا دیا گیا اور لاری چل پڑی۔ جوزف خاموش تھا سوچ رہا تھا کہ ہبھا نہیں کس جاں میں پھنس گیا ہے۔ کاش باس کا کہنا مان لیا ہوتا۔ لیکن وہ سیمان کا پچھے..... جوں کی تو اُسی نے بھائی تھی اور شیدی جاں سے بھی ملویا تھا۔ مستقل کان کھاتا رہا تھا جب اُس نے جوں شروع نہیں کی تھی۔ لیکن وہ عمر ان کو یہ سب کچھ نہیں بتا سکا تھا۔

لاری بھی بالآخر ایک جگہ رکی تھی اور ان سے اترنے کو کہا گیا تھا۔ جوزف نے گھڑی دیکھی رات کے تین بجے تھے۔ جس عمارت میں انہیں اُنہاں اگیا تھا بہت بڑی نہیں تھی۔ جوزف تو بزر پر گرتے ہی غافل ہو گیا تھا۔

دوسری صبح جاہا توئی شکلیں نظر آئیں۔ لیکن ان میں کوئی سیاہ قام نہیں تھد قریب کبھی مقابی لوگ تھے۔ ناشتے کے بعد اُسے نئے باس کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ ایک بوڑھا لیکن بہت چالاک آدمی تھد اُس نے جوزف کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر پوچھ دیا۔ ”کب سے جوں پر ہے ہو؟“
”شراب بندی کے بعد سے۔“ جوزف نے جواب دیا۔
”کسی کے باڑی گارڈ تھے۔“

”ہاں! میں کسی کا باڑی گارڈ تھا اور دھو کے سے یہاں لایا گیا ہوں۔“
”تو گویا تمہیں یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔“

”اب اس قصے کو رہنے دو۔ جوں مجھے یہاں لائی ہے۔“

”آزادی سے۔ یہاں تمہیں کسی قسم کا دھر کا نہیں ہو گا۔“

”چلو ختم کرو۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا۔“

”میرے جزیرے کے اطراف میں بہت عمدہ قسم کے جھینگے پائے جاتے ہیں۔ ایک ٹرالر یہاں جاں لگانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھری پولیس کا ٹرالر ہو۔ اور ہماری نوہ میں ہو۔ اُس ٹرالر پر زیادہ تر سیاہ قام اور انگلش بولنے والے ہیں۔ معقول معاوضہ ادا کر کے وہ یہاں سے جھینگے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تم ان سے بات کرو گے اور یہ بھی دیکھو گے کہ کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے۔ اگر ان سے معاملات طے ہو گئے تو تمہیں اُسی ٹرالر پر رہنا ہو گا۔“

”تم اگر یہی میں گفتگو کر سکتے ہو۔“ اس نے بلا خوجزوں سے سوال کیا۔

”ہاں، کر سکتا ہوں۔“

”کہاں کے باشندے ہو۔“

”اُب تو نہیں کہا ہوں۔ پہلے کبھی تفریغی کا تھا۔“

”بال بچے ہیں!“

”نہیں تھا ہوں۔ مگر کیوں؟“

”شائد بیکار بھی تھے....!“

”نہیں کچھ ایسا زیادہ بیکار بھی نہیں تھا۔“

”بہر حال تمہاری فوکری لگ گئی ہے۔“

”زبردستی! میں کب نوکری کا خواہاں ہوں۔ پھر میرا ایک مالک موجود ہے۔“

”کیا تھواہ دیتا تھا۔“

”سور پرے یومیہ۔“

”کیا کام کرتے تھے؟“

”اُس کا باڑی گارڈ تھا۔“

”ہم ڈیڑھ سور پرے یومیہ دیں گے اور جوں کا ایکسریکٹ مفت۔“

جوزف متیر انداز میں پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ ”یہ مجھے کرنا کیا ہو گا۔“

”یہ دیہن پہنچ کر معلوم ہو گا جہاں لے جائے جائے ہو۔“

”شاجاہانِ بھی کہاں ہے۔“

”اب اُسے بھول جاؤ وہ ہمارا ایک معمولی سا بجٹ ہے۔“

”اور مجھے جانا کہاں ہے۔“

”جلد ہی پہنچ جاؤ گے۔ ہاں اگر کسی کے باڑی گارڈ تھے تو تمہارا نشان بھی اچھا ہو گا۔“

”اندھیرے میں آواز پر نشان لگا سکتا ہوں۔“

رات کو کسی وقت کہیں وہ ٹرالر لنگر انداز ہوا تھا۔ جوزف اور اُس کے ساتھی قیدیوں

”مجھے یہ کام سوت کرے گا۔“
 ”ویسے تمہیں کس بات پر زیادہ دھیان دینا ہو گا۔“
 ”اس پر کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔“
 ”ٹھیک ہے تم یہ کام کر سکو گے۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”آج ان کا ایک آدمی گفت و شنید کے لئے یہاں آئے گا۔ تمہاری موجودگی ضروری ہو گی۔“
 ”میں موجود ہوں گا۔“



عمران نے اس معاملے پر بہت غور کیا تھا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ اس ٹرالر میک ہیگوار ہی کے توسط سے پہنچا تھا۔ یعنی یہ ٹرالر بھی انہی لوگوں کا ہوا سکتا تھا۔ تو پھر یہ جھیلکوں کا کیا چکر ہے۔ کہاں سنگڑاوں کی نمائش اور کہاں ماہی گیری۔ اور پھر ماہی گیری بھی اس قدر ذب ذب کر لعنتی وہ جزیرے کے لوگوں سے معابدہ کرنا چاہتا تھا۔ اپنی وقت کے مل بوتے پر زبردشتی بھی یہ کام کر سکتا تھا۔
 کیپشن سلواس کے بیان کے مطابق وہ اسکلفرز کا جزیرہ تھا اور وہاں منتیات سازی کے کارخانے قائم تھے۔

بہرحال آج اسے ایک چھوٹی کشتی پر بینڈ کر جزیرے کے ساحل تک جانا تھا اور وہاں ان اسکلفرز سے ماہی گیری سے متعلق گفت و شنید کرنی تھی۔ ساتھ ہی اس رقم کی پہلی قط بھی ادا کرنی تھی جو ماہی گیری کے معاوضے کے طور پر طے ہو جاتی۔ کیپشن سلواس کے بیان کے مطابق رقم کی اوائلی ڈارلوں میں کی جاتی۔

ٹھیک تو بچے ٹرالر سے ایک چھوٹی موڑ بوث پانی میں اتردی گئی۔ عمران اس پر تباہ تھا اور اب بھی کرتل مکرم ہی کے میک اپ میں تھا۔ بس وردی نہیں تھی جسم پر۔
 وہ موڑ بوث کو ساحل کی جانب اسٹریٹ کرنے لگا۔ قریب پہنچا تو ایک مخصوص جگہ سے اشارہ موصول ہوا۔ گویا وہ لوگ چاہتے تھے کہ کشتی بُدھر ہی لٹکر انداز ہو۔ عمران نے اسی جانب کشتی کا رخ موڑ دیا۔

وہ غیر مسلسل نہیں تھا اس کے ہو لشتر میں اعشار یہ چار پانچ کاریوں اور موجود تھا اور پہنچی
 کارتوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ کیپشن سلواس نے فراہم کیا تھا۔ کشتی ساحل سے
 جاگی اور عمران نے لٹکر ڈال دیا۔ تین مسلسل آدمی اس کی پیشوائی کو بڑھے۔ تینوں دبی تھے۔
 ”پچھے... پیڈل چلتا ہو گا۔“ ان میں سے ایک بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ عمران نے جواب دیا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا اور وہ ایک چھوٹی سی عمارت تک پہنچ گئے۔ یہاں بھی کمی افراہ موجود تھے۔ ایک بوڑھا صدر نشین تھا۔ لیکن عمران پر توجہ توں کے پہلا نوٹ پڑے کیونکہ انہی لوگوں میں اسے جزو ف بھی و کھائی ویا تھا۔ پہلے تو انی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے۔ جزو ف کی بُت کی طرح جلد و ساکت کھڑا ہوا تھا۔
 ماہی گیری سے متعلق گفتگو شروع ہوئی اور بوڑھے نے کہا۔ ”میں اس جزیرے کا مالک ہوں۔ خالد منو میر امام ہے۔“

عمران نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تھی۔ اے خان ہوں۔“

”آپ تو مقامی ہی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ بوڑھے نے کہا۔

”ہاں امیں اس ٹرالر پر کام کرتا ہوں۔“

”ٹرالر کا مالک کون ہے۔“

”ایک غیر ملکی سیاہ قام مسٹر سلواس۔“

”ہاں میں نے بھی ساتھا کہ وہ انگلش بولنے والے سیاہ قام لوگ ہیں۔“

”تو اب منuale کی بات پہنچے مسٹر منو۔“

”چالیس ہزار ڈالر معاوضہ ہو گا۔“

”سیزرن بھر کا؟“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں سیزرن بھر کا۔“

”مجھے منظور ہے لیکن ہم رقم بالا قساط ادا کریں گے۔“

”کتنی اقساط میں۔“

”کم از کم کم پانچ اقساط میں۔ پہلی قط میں ساتھ لا لایا ہوں۔“

”میں بھجوں لو...!“

عمران نے اجنبی بند کر دیا اور اس وقت سمندر میں تہوں نہیں تھا۔ اس نے کسی مزید شواری کے بغیر جوزف کا کام ہو گیا۔

”شکریہ مسٹر!“ اُس کے دانت نکل پڑے۔

عمران نے دوبارہ اجنبی اشارت کیا اور کششی کارخانے کی طرف موڑ دیا۔

”یہ تو جوں معلوم ہوتی ہے۔“ عمران نے کہا۔

”شوک رکھتے ہو تو ٹیکیں کروں ایک سگریٹ۔“

”شکریہ! میں تو تمباکو بھی نہیں پینا۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے۔ کیا تمہارے ٹرالر پر شراب مل سکے گی۔“

”پا نہیں! وہیں کسی سے معلوم کر لینا۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔“

کششی ٹرالر کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ انہیں اوپر چڑھایا گیا۔

جلد ہی کیپٹن سلواس کے سامنے ان کی پیشی ہوئی تھی۔ سلواس اس سے یہ بخبر تھا کہ وہاں

کیا ٹے پیا ہے۔ عمران نے اسے جوزف کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس سے کوئی تردید نہ ہو گا۔“

”ٹھیک ہے۔ جو تم نے ٹے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ہم صرف جھینگے پکڑیں گے۔ ویسے تمہارے باس نے کس شے کے تحت یہ شرط رکھی ہے۔“ اس نے جوزف سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا مسٹر۔“

”پھر تم یہاں کیا کرو گے؟“

”اپنے مالک کے مفادات کی گنگرانی کروں گا۔“

سلواس مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ عمران کو اُس کی یہ مسکراہٹ معنی خیز گئی تھی۔ پھر سلواس نے کچھ ذائقی نویت کے سوالات کئے تھے اور جوزف سے تشقی بخش جوابات پاکر خاموش ہو گیا تھا۔

ٹرالر کے عملے کو جوزف کی حیثیت سے آگاہ کر دیا گیا۔ اب ٹرالر جزیرے کی سمندری حدود کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عمران تھوڑی دیر بعد دوبارہ سلواس کے کیبن میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت شراب پی رہا

”لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔“

”فرمائیے۔ مسٹر مٹو۔“

”میرا ایک آدمی تمہارے ٹرالر پر رہے گا۔ جب تک تم ہمارے سمندر میں رہو گے۔“

”ضرور ضرور مسٹر مٹو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”مٹو نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”مسٹر جوزف گوٹڈا۔“

”عمران نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بڑی خوشی سے۔“

”اس کی ماوری زبان بھی لکھ ہی ہے۔“ مٹو نے کہا۔

”بڑی خوشی ہوئی مسٹر گوٹڈا۔“ عمران نے جوزف سے مصافی کیا۔

اس کے بعد اُس نے آٹھ ہزار ڈالر مٹو کے حوالے کر دیئے تھے۔ مٹو شمار کر تارہ۔ پھر بولا۔

”تو یہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔“

”اور مسٹر مٹو۔ آپ کو ہماری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔“

”بس تو پھر ہماری دوستی بھی قائم رہے گی۔“

اُس نے تھیہ کر لیا تھا کہ فی الحال خود کو جوزف پر ظاہر نہیں کرے گا۔
جوزف قلبی خاموش تھا۔ اس کی توقعات ہی تھی کہ صرف سوالات کے جواب دیتا تھا۔

”کس ملک سے تعلق رکھتے ہو۔“ عمران نے پوچھا۔

”اُسی ملک سے۔ کبھی تزانیہ کا باشندہ بھی تھا۔“

”تم آخر ہمارے ٹرالر پر کیا کیوں کھو گے۔“

”وہ میں تمہیں کیوں بتاؤں مسٹر!“ جوزف نے کہا اور تیز ہوا میں سگریٹ سلاکنے کی کوشش کرنے لگا۔ عمران نے طویل سانس لی۔

”وہ سگریٹ نہیں سلاکا سکتا اور سکھنگوں سے عمران کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔“

”افسوس کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“ عمران بولا۔

”اگر تم ایک منٹ کے لئے اجنبی بند کر دو تو۔“

”یا حال ہی میں اسکو لگ کر شروع کی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی نہیں پڑا اور بولا۔ ”تم تو پیئے بھی نہیں ہو۔“
”جوزف پوچھ رہا تھا کہ کیا ٹرالر پر شراب مل سکے گی۔“ عمران نے کہا۔
”اے نہیں مل سکے گی۔ ہمارا کوڈ محدود ہے۔“ سلواس نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”میا تم
چاہتے ہو کہ اس کی مدارات کی جائے۔“
”میں کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے اس سے کیا چچی ہو سکتی ہے۔“

”آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“

”اگر ان کا پیشہ نیکیات کی اسٹائل ہے تو ہونا ہی چاہئے۔“

”لیکن وہ یہاں ٹرالر پر کیا کرے گا۔ خالد منوکی یہ شرط میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”اے نہیں ہم سے خطرہ ہو سکتا ہے۔“

”کس بات کا خطرہ۔“

”میں ہم جزیرے پر قبضہ کر لینے کی کوشش نہ کریں۔“

”میا خیال ہے اگر ایسا ہوا بھی تو یہ ایک عدد مرغ یہاں کیا کر سکے گا۔“

”یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے مسٹر سلواس۔“

”دیکھا جائے گا۔“

”ویسے مجھے حرمت ہے کہ خالد مٹھو دھی جھیگکوں کا کاروبار کیوں نہیں کرتا۔“ عمران نے کہا۔

”اے کچھ دشواریاں ہیں۔“

”مجھے تو کوئی دشواری نظر نہیں آئی۔“

”میں نے یہی سنائے کہ وہ کسی دشواری کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتا۔“

”میا یہ واقعی بہت ہی اعلیٰ قسم کے جھیگیے ہیں۔“

”جال پڑیں گے خود دیکھ لینا۔“

عمران اس کے کہیں سے نکلا ہی تھا کہ جوزف سے ڈبیگر ہو گئی وہ اے دیکھ کر رکتا ہوا
بول۔ ”یہاں شراب تو ہے مسٹر خان۔“

”ہے لیکن ان کے کوئے سے زیادہ نہیں ہے۔ لہذا شائد تمہیں نہ مل سکے۔“

وہ ٹھیک ہوئے ڈیک کی طرف نکل آئے، یہاں پانی میں جال ڈالے جادہ ہے تھے۔

”تمہارا باب مٹو کیسا آدمی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”باکل نی ہے میری ملازمت کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”مجھے اس پر بھی حرمت ہے کہ مٹونے ایک تاجر ہے کار آدمی کو ٹرالر پر کیوں بھیج دیا۔“

”مجھے بھی کم حرمت نہیں ہے مسٹر خان۔“

”اس جزیرے میں کب سے ہو۔“

”صرف تین دن سے۔ اس سے پہلے میرا باب سبھی دوسرا تھا۔ مجھے زبردستی اس ملازمت پر
محصور کیا گیا ہے۔ اسی لئے میں خود کو قربانی کے کمرے سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“

”تمہاری کہانی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔“

”میں بے دفا نہیں ہوں میرے ساتھ فرما کیا گیا ہے۔ میں اب بھی اپنے پہلے ہی آقا کا غلام
ہوں۔ اس لئے تمہیں یہ بات بتارہا ہوں۔ نہ بتاؤں تو پری دانت میں میری دفابر حرف آئے گا۔“

”تم عجیب ہو مسٹر گوڈڑا۔“

”شراب بندی سے قبل میرا آقا میرے لئے چھ بوتلیں یومیہ کا انتظام رکھتا تھا۔ حالانکہ
خود اس نے کبھی چکھی بھی نہیں تھی۔ شراب بندی کے بعد میں چرس کے راستے پر گل گیا۔
جس سے خریدتا تھا ایک دن وہ پکڑا گیا اور اس کے گاکھوں کو دوسرا سڑائے تھا۔
ایک شریک ذرا مشکل سے ملتا ہے اس کے لئے مجھے ان لوگوں کے چکر میں آتا پڑا۔ دھوکے سے
مجھے ایک ٹرالر میں لے گئے۔ بہانا تھا کہ ایک شریک وہیں ملے گا۔ ٹرالر پر نشہ آور کافی پلاٹی گئی اور
دھوکے سے مجھے گرفتار کر کے اس جزیرے پر پہنچا دیا گیا۔ یہ ہے میری کہانی۔“

”بڑا ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ۔“

”لیکن یہر حال مجھے یہاں خالد منوکی مفادات کی گرانی کرنی ہے۔“ جوزف نے کہا۔

”تمہارا پہلا آقا کہانی ہے؟“

”مکاش، مجھے معلوم ہوتا مسٹر خان! وہ ایک سیلانی آدمی ہے۔“

”کہتا کیا ہے؟“

”یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔“

”تب تو وہ بھی کوئی غیر قانونی ہی کام کرتا ہوگا۔“

"خدا جانے مجھے اس سے کوئی سرد کار نہیں کہ وہ لیا کرتا ہے۔ میں تو صرف اس پر نظر رکھا ہوں کہ مجھے اس کے لئے کیا کرتا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" عمران نے کہا۔ "لیکن یہاں خالد مٹو کے خلاف کیا ہے؟"

"اسے خوف ہے کہ کہیں تم لوگ ماہی گیری کرتے کرتے کوئی سوٹ گارڈز کے عملے میں نہ تبدیل ہو جاؤ۔"

"ایسی صورت میں تم تھا کیا کرسکو گے مسٹر جوزف۔"

"کم از کم مٹو کو مطلع تو کرسکوں گا۔"

"جزیرے میں کیا ہے مسٹر مٹو۔"

"خاصے بڑے رقبے پر حشیش کی کاشت ہوتی ہے اور چس بنائی جاتی ہے۔ ایک شرکت بنانے کے کارخانے ہیں۔"

"تعجب ہے کہ کشنز کے حکام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔"

"بہت بار سوچ آدمی ہے۔ اکثر فرشتوں کی آنکھوں کا تارا رہ چکا ہے۔"

"غیر مچھے کیا۔" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

"یہ سیاہ قام کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں مسٹر۔" جوزف نے پوچھا۔

"خفف ممالک کے لوگ ہیں، کسی کا تعلق بھیکا ہے اور کوئی امریکن ہے۔"

"اور بیچارے جیسے پکڑتے پھرتے ہیں۔ لیکن یہ کاروبار تو کسی مقامی ہی آدمی کا ہو گا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" عمران نے کہا۔

ٹھیک اسی وقت کیپشن سلواس کے اردوی نے عمران کو پیشام پہنچایا کہ اس نے اسے اپنے کیپین میں طلب کیا ہے۔

کیپین میں وہ تھا تھا اور سامنے شراب بھی موجود نہیں تھی۔

"تمہاری کال ہے مسٹر خان۔" اس نے ٹرا سمیز کی طرف اشارہ کیا۔

عمران نے ہیڈ فون کا نوں پر چڑھائے اور کال رسیو کی۔

دوسری طرف سے کاراڈا کس کی آواز آئی۔ "تم اچھے تو ہوئا۔"

"اوہو۔ یاد آوری کا شکر یہ۔"

"خالد مٹو سے مقابلے پر مبارک باد جوول کرو۔"

"مگر مقصد کیا ہے؟"

"ہم اس جزیرے پر اس طرح قبضہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بظاہر خالد مٹو کی تحولی میں رہے۔"

"لیکن اس کا ایک آدمی ٹرالر پر موجود ہے۔"

"اور اقلاق سے وہ بھی تمہارا ہی آدمی ہے۔"

"خدا کی پناہ! تم یہ بھی جانتی ہو۔"

"ہاں! عمران ہماری معلومات تمہارے سلسلے میں بہت دستی ہیں۔ کیونکہ فی الحال تم ہمارا سمجھیکت ہو۔ جوزف مٹو نہ اپنا اعلام ہے۔ اگر تم خود کو اس پر ظاہر کر دو تو خالد مٹو ہو اسیں اڑ جائے گا۔"

"لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرتا پاہتا۔"

"کسی اور طرح ہو نہ کرو۔ لیکن وہ تھا کس طرح حارج ہو سکے گا۔"

"یہ نہ کہو۔ وہ ایک جنگجو آدمی ہے اور جنگلی چالوں سے کماختہ واقف ہے۔"

"غیر یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ میں نے فی الحال اسی بہانے سے تمہیں جگوار سے بچالیا ہے۔

ورنہ وہ تو تمہیں آئی ایس آئی والوں کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔ تم خود سوچو جب کرت کرم کے روپ میں تمہارا وجود سامنے آتا تو کیا ہوتا۔"

"اتا نہ ہو تو کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بن تو پھر مجھ سے تعاون کرو۔"

"کر تو رہا ہوں۔ لیکن اب اس میک اپ سے چھکا رہتا ہوں۔"

"فی الحال مناسب نہ ہو گا۔ اگر تم کچھ اور ثابت ہوئے تو کیپشن سلواس اپنی خود اعتباری کو پہنچھے گا۔"

"چلو تمہارے کہنے سے کچھ دن اور سکی۔"

"جزیرے پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں کیپشن سلواس سے بات کرو۔"

"بہت اچھا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور اربطہ منقطع ہو گیا۔

عمران نے سوچ آف کر کے ہیڈ فون اٹار دیا۔ اور کیپشن سلواس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں مسٹر خان۔“ سلواس مسکرا کر بولا۔
”ابھی تو نہیں لکھ لیں عنقریب شائد نکل ہی آئیں۔“

”کیا بدایت تھی ہے؟“
”وہی جو علمی چاہئے۔“

”تو تم ہی اس نہم کے سر بردا ہو گے۔“ سلواس نے کہا۔
”شائد! لیکن پھر میں اپنی مرضی سے کام کروں گا۔ کسی کی بھی دخل اندازی میری
برداشت سے باہر ہو گی۔“

”ظاہر ہے مسٹر خان۔ وہ تمہاری فیلڈ ہو گی۔“
”میں پھر اطمینان سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گا۔ ابھی تم جھینگے پکڑو۔“

”وہ اپنے کیben میں واپس آگیا۔ اس نئی چویش نے مزید الجھن میں ڈال دیا تھا۔ خواہ توہا
کشت و خون ہو گا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے کیben کے دروازے پر دستک دی۔“

”آجاؤ۔“ عمران نے اپنی آواز میں کھا اور جوزف دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔
”بیٹھو۔“ عمران نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

جو زفہ میٹھتا ہوا بولا۔ ”یہاں مجھے اچھی نظر ہو سے نہیں دیکھا جاتا۔“
”قدرتی امر ہے۔ تم ان کی نیتوں پر شے کے تحت یہاں آئے ہو۔“

”ہاں میرا بھی بھی خیال ہے۔“
”ویسے تمہیں خالد مٹو سے بھی ہمدردی نہیں ہے۔“

”یہ حقیقت ہے مسٹر خان۔“
”اگر واقعی ہم اس کے جزیرے پر قبضہ کر لیں تو کیسی رہے۔“

”اُبے قانونی تحفظ حاصل ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ بہر حال اس ملک کا ایک قانون
ہے۔ وہ جزیرے کا مالک ضرور ہے لیکن آزاد نہیں ہے۔“
”کسی قسم کے جھگڑے کی صورت میں تمہارا کیارو دیہ ہو گا۔“

”سب سے پہلے اپنی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔“
”پھر وہ اسی صورت میں ملک ہو گا جب قسم ہم سے مل جاؤ۔“

”آخر کس بناء پر۔ وہاں سے تو مجھے چرس کا ایک شرکیٹ مفت ملتا ہے۔ یہاں تمہاری نیت
سے ایک بوتل شراب بھی نہ نکل سکی۔“

”یہ بات معقول ہے مسٹر مگنڈا۔ لیکن اس صورت میں تمہارا کیارو دیہ نہ گا جب یہ لوگ
تمہیں شراب دینے پر آمادہ ہو جائیں۔“

”پھر میں سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”یہ ناممکن ہے شراب اور چرس ساتھ نہیں چل سکیں گی۔“

”شراب نہ نکلے کی یہاں پر چرس شردع کی تھی۔ وہ نکلے گے تو پھر چرس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔“

”فرض کرو یہاں تمہیں کسی سازش کا علم ہوتا ہے تو تم موکو کس طرح اگاہ کرو گے۔“

”یہ رویا اور دیکھ رہے ہو مسٹر!“ جوزف نے اپنے ہولسٹر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس
کے دستے سے ایک ٹرانسیمیٹر بھی نہیں ہے۔ کیا سمجھے۔ مٹواں جزیرے کا بادشاہ ہے۔ اس کے
پاس کیا نہیں ہے۔“

”عمران نے طویل سانس لی۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میں تمہارے لئے شراب کا
انتظام کردوں گا۔“

”بس تو پھر میری وقاری بھی پرانی ڈگر کو چھوڑ دے گی۔“

”تم نے جزیرے کو گھوم پھر کر بھی دیکھا۔“

”نہیں اب مجھے کچھ دیکھنے نہیں دیا گیا۔ صرف ایک عمارت بکھر محدود رکھا گیا تھا۔“

”تب تو اسے تم پر بھی اعتاد نہیں ہو سکتا۔“

”عقل کے ناخن لو مسٹر! تم دنوں میں کون کس پر اعتاد کرے گا۔“

”یہ بھی نہیک ہے۔ اچھا اب تم اپنے کیben میں جاؤ۔ کھانا اور شراب وہیں پختخ جائیں گے۔“

”بہت بہت شکریہ مسٹر!“ جوزف نے پیشانی کو الگی سے چھو کر کھا اور کیben سے نکل گیا۔



رات کے بارہ بجے تھے۔ اور زوالِ جزیرے ہی کے ایک ساحل پر لگر انداز تھا۔ بظاہر ایسا
معلوم ہوتا تھا جسے ٹارکا عملہ خواب خرگوش کے مرے لے رہا ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ تین

دن سے جزیرے کے اطراف میں ماہی گیری ہوتی تھی اور جوزف اس دوران میں منوکاپی خیریت سے مطلع کرتا اور مرا را لوں کی طرف سے اطمینان دلاتا رہتا تھا لیکن آج شب عمران کی ایکیم کے مطابق ان دونوں کو جزیرے میں پہنچنا تھا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ جملہ کدھر سے کیا جائے۔ دونوں نے غوطہ خوری کا لباس پہنا اور پانی میں اتر گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پانی میں روشن ہونے والی تار چیزوں بھی تھیں۔ وہ ایک لباقھر کاٹ کر اس پوائنٹ پر رکے جس کا تین عمران نے ماہی گیری کے دوران ہی میں کر لیا تھا۔

پانی سے وہ خلکی پر چڑھ گئے اور جوزف آہستہ سے بولا۔ "تمہارا اندازہ درست تھا۔ اور چہرے دار نہیں ہیں۔"

"اب تم دو تین گھونٹ پی لو۔" عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

جوزف نے فلاںک سے دو تین گھونٹ لئے اور عمران کا شکریہ ادا کر کے بولا۔ "تم بہت اچھے آدمی ہو مسٹر خان۔ تمہارے قریب رہ کر مجھے نہ جانے کیوں اتنا سکون ملتا ہے۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ یہ ایک ننگ سادا رہ تھا جس کی دوسری جانب کا علم انہیں نہیں تھا۔

"اگر درے کے دوسرے سرے پر پھرہ دار ہوئے تو۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"اس کے پارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مسٹر! پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ انہوں نے مجھے صرف ایک عمارت تک محدود رکھا تھا۔"

"اچھا تو تم یہیں ٹھہر دیں آگے جا رہا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے مسٹر خان۔ ہم دونوں ساتھ چلے تھے۔" جوزف بولا۔

"اچھا تو پہل کون کرے گا۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ میں ہی آگے چلتا ہوں۔" جوزف نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ عمران خاموشی سے اٹھا اور اس کے بیچھے چلتے تھا۔ ریو الور ہولسٹر سے نکال لیا تھا۔ درہ اوپر سے کشادہ تھا۔ اس لئے تاروں کی چھاؤں میں وہ راستہ دیکھ سکتے تھے۔ درے کے اختتام پر پھر چنانوالا کا سلسہ تھا۔ بالکل ایسا لگ جیسے راستہ ہی مسدود ہو گیا ہو۔

"یہاں تو پوری فوج چھاپائی جا سکتی ہے۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" جوزف نے کہا۔ "لیکن ان چٹانوں کے آگے کیا ہو گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ بہر حال جزیرہ ہی ہو گا۔" عمران پولا۔

"تم نے مناسب جگہ کا انتخاب کیا تھا مسٹر خان۔ اسی طرف سے بہتر طور پر حملہ ہونے کے گا۔ لیکن ہاں نہیں موکے پاس کس قسم کا سلسلہ ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ "جگہ ہم نے دیکھ لی۔ اب واپس چلتا چاہئے۔"

وہ واپسی کے لئے مڑنے ہی تھے کہ کسی جانب سے ایک فائر ہوا اور وہ بڑی پھر تی سے لیٹ گئے۔ پھر تو چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری پالیں نے انہیں گھیرے میں لے لیا ہو۔

لیکن وہ دونوں اپنے غوطہ خوری کے لباس کی وجہ سے تاریکی میں مدغم ہو کر رہ گئے تھے۔ فائرگ اونچائی سے ہور ہی تھی گولیاں ان کے بہت اوپر سے گزرنی تھیں۔

"درے کی طرف زیک چلو۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"تم نے دیکھا مٹو غال نہیں ہے۔" جوزف نے کہا اور تیزی سے درے کی طرف مڑ گیا۔ سینے کے بل گھکتے ہوئے دونوں درے کی جانب بڑھے جا رہے تھے فائرگ اب بھی ہور ہی تھی اور عمران سوچ رہا تھا کہ کہیں مرا را لو لے بھی کچھ نہ شروع کر دیں۔ ایسی صورت میں پوری ایکیم پر پانی پھر جاتا۔ درے سے گزر کر وہ پانی میں اتر گئے۔ فائرتوں کی آوازیں یہاں بھی فضائیں منتشر ہو رہی تھیں۔

وہ غوطہ لگا کر تیزی سے ٹرالیکی طرف بڑھتے چلے گئے اور ایسے وقت ٹرال پر پہنچ جب وہ دہاں سے لنگر اٹھانے ہی والا تھا۔

"ٹھہر دی مسٹر سلواس!" عمران نے کپتان سلواس کو آواز دی۔

"اوہو۔ تم خیریت سے ہو۔"

"ہاں... اور اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ لنگر مت اٹھاؤ۔"

"کہیں وہ خود ہی ہم پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"لیکن اچانک فائرگ کیوں ہونے لگی تھی۔ کیا تم لوگ دیکھ لے گئے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ بہت چوکس ہیں۔ جزیرے میں چاروں طرف پھرہ رہتا ہے۔"

"یہ تو اچھا نہیں ہو۔" سلواس نے پر تشویش لبھ میں کہا۔

اتنے میں جوزف نے پیچھے ہٹ کر ہولٹر سے روپور نکلا اور ہٹ والے ٹرانسیور پر کوئی پیغام ریسیو کرنے لگا۔ غالباً اسے اشارہ موصول ہوا تھا۔ مٹوکی آواز تھی وہ اسے کال کر رہا تھا۔

"لیں باس! اٹ از جوزف...!"

"میں اتم بتا سکو گے کہ ٹرالر سے کچھ لوگ جزیرے میں کوں داخل ہوئے تھے؟" "میں نہیں بتا سکتا باس! لیکن یہاں خاصی بیچل پائی جاتی ہے۔ جزیرے میں فائرگ کی آوازوں سے لوگ پریشان ہو گئے ہیں۔ شاند لٹکر اٹھادیئے کی جو یہ ہو رہی ہے۔"

"انہیں اس حماقت سے باز رکھو۔" مٹوکی آواز آئی۔ "انہیں سمجھانے کی کوشش کرو کر پھرے دار چوکس رہنے کے لئے اکثر فائرگ کرتے رہتے ہیں۔"

"بہت بہتر! میں کوشش کرتا ہوں۔"

"لیکن تم غالباً رہتے ہو۔ جوزف یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"میں آب اور چوکس ہو جاؤں گا باس۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ اور ایند آل۔"

رابط مقطوع ہوجانے کے بعد وہ سلواس اور عمران کی طرف متوجہ ہو گیا جو تھوڑے ہی فاصلے پر خاموش کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہے!" جوزف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لٹکر مت اٹھاؤ۔"

پھر اُس نے انہیں اپنی اور مٹوکی گفتگو سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ نہیں چاہتا کہ ٹرالر یہاں سے ہے۔"

حکور یہ بھی جانتا ہے کہ ٹرالر ہی کے کچھ لوگ جزیرے میں داخل ہوئے تھے؟ عمران نے پوچھا۔

"ہاں... اُس نے بھی کہا ہے۔"

سلواس نے عمران کو اپنے کیمین کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ جوزف جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

کیونکہ عمران نے چلتے چلتے اُسے وہیں ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

سلواس کی قدر گھبرا یا ہوا سالگ رہا تھا۔ کیمین میں پیچنے کر سب سے پہلے اُس نے شراب کی بوٹل نکالی اور ایک بار پھر شکوہ کیا کہ عمران نہیں پیتا۔

"یہ چال کبھی میں نہیں آئی مسٹر خان۔"

"واقعی سوچنے کی بات ہے۔"

"سمیاب وہ خود ہم پر حملہ کرے گا۔"

"اس کا امکان موجود ہے۔"

"تو پھر ہمیں لٹکر اٹھا ہی دینا چاہئے۔ ہم اُس کی افرادی وقت سے ناداقف ہیں۔"

"لٹکر اٹھادیئے میں یہ قباحت ہے کہ ہم دوبارہ ادھرنہ آسکیں گے۔" عمران نے کہا۔

"یہ بھی درست ہے۔" سلواس سر ہلا کر بولا۔

"بیکوار کی سکریٹری سے مشورہ کرلو۔"

"ہم صرف احکامات وصول کر کے ان پر عمل کرتے ہیں مسٹر خان۔" ہمیں اُس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی مشورہ اپنے طور پر لے سکیں۔"

"بہر حال میں لٹکر اٹھادیئے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اس سے کہیں بہتر یہ ہو گا کہ ہم ہر وقت چوکس رہیں۔"

"تو گویا... آج رات ہم سو نہیں سکیں گے۔"

"ہاں مسٹر سلواس.... عقل مندی کا تقاضا ہی ہے۔"

پھر وہ حق ساری رات جا گئے ہی رہے تھے۔ لیکن جزیرے کی طرف سے ان پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ عمران اپنے کیمین میں چلا آیا تھا۔ صحیح کی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے انھے کر دروازہ کھولا۔ سامنے جوزف کھڑا تھا۔

"کیا تم بھی جا گئے رہے ہو۔" عمران نے اُس سے پوچھا۔

"سب کا ساتھ دینا ہی پڑا تھا مسٹر خان۔ کیا میں اندر آ جاؤں؟"

"ضرور، ضرور۔" عمران پیچھے ہٹا ہوا بولا۔

اُسے اس وقت جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس سے قبل اُس

”تمہاری سر خی! میں ہر حال میں ساتھ دوں گا۔“

نائتھے کے بعد دونوں روائی کے لئے تیار ہو گئے۔ عمران اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ وہ خود کس چکر میں پڑ گیا ہے۔ جن لوگوں کی گرفتاری کی فکر میں تھا۔۔۔۔۔ اب انہیں لوگوں کے لئے اسے غیر قانونی حرکات میں ملوث ہونا پڑ رہا ہے۔

کشتنی پانی میں اُتاری گئی اور وہ دونوں جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے جس ساحل پر ٹرالر لنگر انداز تھا اُس کی دوسری جانب وہ گھٹات تھا جس سے وہ اُس جگہ تک پہنچ سکتے جہاں پچھلی بار منور سے ملاقات ہوئی تھی۔

آج ان کی پذیرائی کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور وہ سب مسلح تھے۔ یہی نہیں بلکہ اُنیٰ جگہ عمران کا ساحل بھی لے لیا گیا اور اُس نے چپ چاپ یہ زیادتی گوارا کر لی۔

مٹو غصے میں تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی برس پڑا اور جب خاموش ہوا تو عمران نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”ہاں مسٹر منو! میں نے پچھلی رات جزیرے میں داخل ہونے کی جمارت کی تھی اور میرے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ لیکن ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آخر تم بیرونی دنیا سے کس طرح رابط رکھتے ہو۔ کیونکہ یہاں کسی ساحل پر بھی ہم نے نہ آن تک کوئی کشتنی دیکھی اور نہ کوئی اسی مردی نظر آیا۔“

”تمہیں اس سے کیا سروکار۔“

”محض اس لئے کہ ہم تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانا چاہتے تھے اور پچھ نہیں۔“

”اُبھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم بیرونی دنیا سے کس طرح رابط رکھتے ہیں۔ جب ہماری تین گن بوٹیں تمہارے ٹرالر کے گرد گھیرا ڈالیں گی۔“

”واقعی!“ عمران نے مصلحہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”اُن پر ہلکی توپیں اور مشین گنیں نصب ہیں۔“

”اُچھی بات ہے مسٹر مٹو! تم اُن گن بوٹوں کا حشر بھی دیکھ لو گے اور پھر ہمیں جزیرے پر قبضہ کر لینے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ تم ہماری قوت کا اندازہ نہیں رکھتے۔“

”تم لوگ آخر ہو کیا بلا.....؟“

”جدید ترین بحری قراق..... اور ہمارا نشانہ صرف اسکلرز ہوتے ہیں۔ ہم اُن کی لانچوں پر“

کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر نہیں آئے تھے۔

”میباہت ہے۔ تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو۔“

”میں واقعی پریشان ہوں۔ رات تمہارے چلے آنے کے بعد کیپٹن سلواس مجھے اپنے کیبن میں لے گیا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر تک خود بھی پیتا رہا تھا اور مجھے بھی پلاٹی تھی اس کے بعد ایک بڑے کیبن میں لے گیا تھا۔ وہاں میں نے ایسا مظاہرہ ذیکھا کہ میرے روئیں کھڑے ہو گئے۔ مسٹر خان کیا اس ٹرالر پر کچھ بھوت بھی مقید ہیں۔“

”میں نہیں جانتا۔ لیکن تم نے وہاں کیا دیکھا۔“

”تمن آدمیوں کو فرش پر ڈال کر ڈنڈوں سے پیٹھ رہے تھے۔ لیکن پٹھے والوں کے چہروں پر چوٹ کھانے کے تاثرات نہیں تھے۔ پھر انہیں تکواروں سے دھنا جانے لگا۔ میں کیا تاذوں مسٹر... ایسا لگتا تھا جیسے وہ تکواریں چنانوں پر لگ کر اچھت رہی ہوں۔ تب مسٹر سلواس نے مجھ سے کہا۔ کیا یہ تمن افراد اُس جزیرے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔“

”عمران نے طویل سانس لی۔ ”پھر وہی پھر کا آدمی۔“

”میں نے ایک پھر کے آدمی کے بارے میں سنا ضرور تھا لیکن دیکھا نہیں تھا۔ ایسے ہی ایک آدمی نے دارالحکومت میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔“ جوزف نے کہا۔

”ہاں مجھے معلوم ہے!“ عمران بولا۔

”خیر۔ اُنہوں نے آج ہم دونوں کو پھر جزیرے میں طلب کیا ہے۔“

”تم نے مسٹر سلواس کو یہ بات بتائی یا نہیں۔“

”انہیں بتا دی ہے۔ انہوں نے کہا ضرور جاؤ۔ بس نائتھے کے بعد ہم روانہ ہو جائیں گے۔“

”اوہ پھر ہماری واپسی شائد ناممکن ہو گی۔“ عمران بولا۔

”اوہ اسی خدشے کے تحت میں نہیں چاہتا کہ مٹو کے اس مشورے پر عمل کیا جائے۔“

جوزف نے کہا۔

”تب تو وہ سچی نہیں چوری سمجھے گا۔“

”اس سے کیا فرق پڑے گا۔ تم آن کی آن میں کھلے سمندر میں پہنچ سکتے ہو۔“

”لیکن پھر ہم جزیرے پر قبضہ کیسے کریں گے۔“

”اور یہی تین تمہاری گن بٹوں کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ تم جدید ترین بھری فراقوں کی
خنک سے واقف نہیں ہو۔“

”بکواس ہے۔“

”خود ہی دیکھ لو گے۔ اب دور میں اپنے ہی پاس رکھو۔ کیونکہ میں تو جانتا ہی ہوں کہ اب کیا
ہو گا۔“

”اوہ.... وہ تمیں پانی میں کوڈ گئے۔ ان پر اب مشین گن سے فائزگ ہو رہی ہے....
اڑے.... یہ کیا.... یہ کیا ہوا....؟“ مٹونے بوكھلا کر دور میں آنکھوں سے ہٹالی اور عمران کو
اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ دوسرا دنیا کی کوئی مخلوق ہو۔

”کیا بات ہے....!“ عمران نے مسکرا کر پوچھا۔

”ایک گن بوٹ الٹ گئی۔“

”تینوں کا یہی حشر ہو گا مسٹر مٹو۔ وہ تین تمہارے لئے کافی ہیں اور اب.... اور اب۔“
اپنک عمران نے مسٹر مٹو کے ہولش سے ریو اور نکال کر اُس کی گدی سے لگا دیا اور
بولा۔ ”مسٹر مٹو.... اپنے ان آدمیوں سے کہو کہ فوراً غیر مسلسل ہو جائیں۔ درستہ تمہارا مغز فنا
میں بکھر جائے گا۔“

مٹونے بے بی سے ہاتھ اٹھادیے اور اپنے پاچھوں آدمیوں سے غیر مسلسل ہو جانے کو کہا۔
انہوں نے اپنے ریو اور فرش پر ڈال دیئے۔

”اور جرaboں میں اُٹھے ہوئے چا تو بھی....!“ عمران نے کہا۔
واقعی ان کی جرaboں میں چا تو موجود تھے۔ پھر عمران نے جوزف سے اردو میں کہا۔ ”ارے
شب دیکھو کے بچے کھڑامنہ کیوں دیکھ رہا ہے۔ سارا سماں سمیٹ لے۔“

اس بارہ وہ اپنی اصل آداز میں بولا تھا۔ جوزف کامنہ حریت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔
”جلدی کر....!“

وہ بوكھلا کر اُن کا اسلجہ سمجھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ
محالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔
”اُس طرح مسٹر مٹو۔“ عمران نے کہا۔ ”جزیرے پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ اگر تم بات نہ بڑھاتے
صرف تین آدی کھڑے ہیں۔“

حملہ کر کے اُن کا مال چھین لیتے ہیں۔“

”میری رائے تم لوگوں کے بارے میں پہلے ہی بہتر نہیں تھی۔ لیکن میرے مشیزوں نے
مچھے اس بنس پر آمادہ کر لیا۔ تیر میں دیکھوں گا۔ اس وقت تک تمہارا ٹرالر گھیر لیا گیا ہو گا اگر یہ
منظراپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔“

”میں تیار ہوں مسٹر مٹو۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔
”منہ امتحنا ہوا جوزف سے بولا۔“ تم بھی آؤندار۔ تمہارے منہ سے شراب کی بو آرہی ہے تم
ان لوگوں سے مل گئے ہو۔“

پھر اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جوزف کو بھی غیر مسلسل کر دیا جائے۔ لیکن جوزف نے
بری بھرتی سے پیچھے ہٹ کر ریو اور نکال لیا۔

”تم میری توہین نہیں کر سکتے۔ مسٹر مٹو۔ کوئی مجھے ہاتھ نہیں گا سکتا۔ ویسے میں وعدہ کرتا
ہوں کہ بغیر ضرورت اس ریو اور کو استعمال نہیں کروں گا۔“

وہ سب خاموش کھڑے رہے۔ آخر مٹو خنک سی بھی کے ساتھ بولا۔ ”اچھا جوزف گوڑا
بھی سہی! لیکن یاد رکھنا کہ میرے نشانہ باز بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

جوزف نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور مٹونے کہا۔ ”ریو اور ہولش میں رکھ لو۔ مٹا پتی
زبان سے پھرنا نہیں جانتا۔“

وہ سب واجہ نادر پر پیچے یہاں سے دور دور تک کا نظارہ کیا جا سکتا تھا اور عمران نے بچہ
دیکھا کہ ٹرالر کو تین چھوٹی گن بٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

”کیا میں دور میں بھی پیش کروں مسٹر خان۔“ مٹونے طنزیہ لمحہ میں کہا۔
”ضرور۔ ضرور۔ مسٹر مٹو شکریہ!“ عمران مسکرا کر بولا۔

دور میں اُبے دی گئی اور اُس نے دیکھا کہ ٹرالر کے عرش پر صرف تین عدد قد آور افراد
کھڑے ہوئے ہیں۔

عمران نے دور میں مٹو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تم بھی دیکھو مسٹر مٹو۔“
مٹونے دور میں لے کر ٹرالر پر نظر ڈالی اور مختیرانہ آواز میں بولا۔ ”یہ کیا... عرش پر
صرف تین آدی کھڑے ہیں۔“

تو اس کی نوبت نہ آئی۔

مٹو تھوک نگل کر رہا گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ اور ہر بقیہ دونوں کشتیاں بھی الٹ دی گئی تھیں اور ان کا عملہ پانی میں غوطے کھارہا تھا۔ پھر ٹرالر سے مسلخ افرا و ساحل پر آنے لگے اور وہ تینوں بھی تیرتے ہوئے ساحل ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دفعہ اٹھو بولا۔ مٹیں روکی تدبیر سے میں کشت و خون نہیں چاہتہ۔ نگست تسلیم کرتا ہوں۔ ”اچھا تو پھر ناوز سے اڑا اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔“

”چو... جلدی کرو۔ میرا ہر آدمی بے حد قیمتی ہے۔“ مٹو نے بوکھلائے ہوئے لبھ من کھا اور وہ واجہ ناوار سے نیچے آتی آئی۔

مٹو نے واقعی جلدی کی تھی۔ ابھی تک اُس کا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اپنی نگست کا اعلان کروایا۔ اُس کے آدمیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلواس بھی جزیرے میں داخل ہو گیا تھا۔ مٹو کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

”مسٹر مٹو۔ اگر تم نے صدق دل سے ہم سے تعاون کیا تو اس جزیرے کے حکمران تم ہی رہو گے۔“ سلواس نے بے حد نرم لبھ میں کہا۔ لیکن مٹو کی بھنوں بدستور تی زیں۔ اُس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ صدق دل سے تعاون کی کیا صورت ہو گی۔

”ہمیا تم میری بات نہیں سن رہے مسٹر مٹو۔“ سلواس نے کسی قدر تلچ لبھ میں کہا۔

”س رہا ہوں! پھر بولنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہی ہونا چاہئے جو تم چاہو گے۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کا زمانہ ہے اور بھری قرآن اس طرح سر کاری زمینوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ میں جزیرے کی لیز ادا کرتا ہوں۔“

”اس کے باوجود بھی ساری دنیا میں وہی ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔“ سلواس نے اکڑ کر کہا اور عمران کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اپنے قول کی تائید چاہتا ہو۔

لیکن عمران نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ بہر حال قانون کا محافظ تھا اور ایسی کی بیہودہ بات کی تائید نہیں کر سکتا تھا۔

”بہر حال“ سلواس بولا۔ ”مسٹر مٹو تم ہماری گرفتاری میں اس جزیرے پر حکومت کر سکو گے۔“ ”اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بھی جزیرے کو استعمال کرو۔“

جے۔“ مٹو نے کہا۔

”کھلی ہوئی بات ہے مسٹر مٹو! لیکن ہمیں تمہاری تجارت سے بھی کوئی غرض نہ ہو گی۔ ہم اس میں سے اپنا حصہ طلب نہیں کریں گے۔“

”تو پھر یہاں کیا کرو گے؟“

”تمہیں ہر طرح کا تحفظ دیں گے اور تمہارے اُس مال کی حفاظت کا بھی ذمہ لیں گے جو تم یہاں سے اسکل آؤٹ کرو گے۔“

”ہمارے حصہ دار بھی نہیں ہو گے اور یہ سب کچھ بھی کرو گے۔ مجھے اس پر حرمت ہے مسٹر سلواس۔“

”تم دیکھ ہی لو گے کہ ہم کتنے صادق القول ہیں اور حسب وعدہ تمہیں چالیس ہزار ڈال بھی ادا کر دیں گے۔“

”تب تو واقعی فرشتہ ہو تم لو گ۔“

”نہیں! ایسا بھی نہیں ہے۔ تم دیکھو گے کہ ہم یہاں کیا کرتے ہیں۔ لیکن تمہارے بزرگ میں خارج نہیں ہوں گے۔“



جوزف اور عمران ٹرالر ہی پر واپس آگئے تھے۔ جوزف اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا۔ آخر اس کے کہیں میں پہنچ کر بولا۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے باس!“

”میں ان لوگوں کا قیدی ہوں۔“

”وہاں شہر میں تمہاری ملاش جاری ہے۔“

”کیا فیصلہ اب بھی فوجیوں کے گھرے میں ہے؟“

”بھیں وہ خود بخود بہت گئے ہیں۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ سر سلطان نے کچھ کیا ہو۔“

”بہر حال میں تو قیدی ہوں اُن کا۔“

”اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے سنگرواد والا اسکینڈل چالا تھا؟“

”ہاں، یہ وہی لوگ ہیں۔“

آنے والا کیپن سلواس تھا۔ دونوں اٹھ گئے۔
 ”مسٹر خان، تمہارے لئے خوش خبری ہے؟“ اس نے مکرا کر کہا۔
 ”کسی خوش خبری۔“
 ”تمہیں اس جزیرے کا گورنر مقرر کیا گیا ہے۔“
 ”سوال تو یہ ہے کہ گورنر وہاں کرنے گا کیا۔“
 ”مٹو کو قابو میں رکھے گا اور اُس کام کی گمراہی کرنے گا جو ہم وہاں شروع کرنے والے ہیں۔
 کام کی نویت تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی۔“
 ”میرے ساتھ اور کتنے آدمی ہوں گے۔“
 ”صرف وہی تینوں جنہوں نے گن بولی ڈبوئی تھیں۔“
 ”ٹھیک ہے اور جو زف بھی میرے ساتھ ہو گا۔“
 ”تمہاری مر خشی پر مخصر ہے۔ لیکن اُس سے پہلے یکریڑی صاحب سے گفتگو کرنی پڑے گی۔ وہ فون پر تمہارے منتظر ہیں۔ لہذا میرے کیپن میں چلو۔“
 عمران نے جو زف کو وہیں ٹھیرنے کا اشارہ کیا اور خود سلواس کے ساتھ چل پڑا۔ سلواس اُسے کیپن میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ عمران نے ٹرانسمیٹر کا ہیڑ فون کانوں پر پڑھایا اور سوچ آن کر کے کلاراڈسکن کو کال کرنے لگا۔
 تھوڑی دیر بعد کلاراڈسکن کی آواز سنائی دی اور عمران نے کہا۔ ”تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ یعنی جزیرے پر قبضہ کر لیا گیا۔“
 ”اور اب یہ جزیرہ تمہارے چارج میں دیا جا رہا ہے۔“
 ”میں وہاں کیا کروں گا۔“
 ”تم وہاں ہمارے مفادات کی گمراہی کرو گے۔ مثلاً مٹونے وہاں ایک نئی عمارت بنوائی ہے لیکن وہاں اُس کی مشینوں کی بجائے ہماری مشینیں لگیں گی اور اُن کی تھیصیب تمہاری گمراہی میں ہو گی۔“
 ”لیکن اُب میں یہ میک اپ اتنا چاہتا ہوں۔“
 ”یہ مناسب نہ ہو گا۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”ٹرالر کا عملہ تمہیں پھر کس طرح پہنچانے گا۔ خود مٹو پر رعب نہیں پڑے گا۔ اگر تم اپنی اصلی ٹھیکل میں آگئے۔“

”تم کیسے ان کے پہنچے میں پہنچ گئے؟“
 ”لبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سن لیتا۔ اب تو کسی طرح نکل لینے کی سوچی چاہئے۔ اور یہ کام مٹو ہی کے ذریعے ہو سکے گا۔“
 ”وہ ہمیں کب گھاس ڈالے گا۔“
 ”اُسے قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ بظاہر یہاں وہ حکومت کی اجازت سے افون کی کاشت کرتا ہے اور دو اسازی کا کارخانہ رکار کھا ہے۔ افون کے انگلشن بننے ہیں۔ جو تمام تر حکومت فرید لیتی ہے۔ حیثیں کا اُس کا پناہ کاروبار ہے جسے وہ وقت آنے پر چھپا بھی سکتا ہے۔“
 ”لیکن ضروری تو نہیں کہ اب ہمیں جزیرے پر جانے کی اجازت مل جائے۔“
 ”ہم بغیر غوط خوری کے لباس کے اُس جگہ تک پہنچ سکتے ہیں جہاں بچپلی بارگے تھے۔
 ”تمہیں اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا۔“
 ”مجھے اندازہ ہے بس!“
 ”لیکن جزیرے میں بھی پہنچ کر ہم مٹو کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ لہذا فی الحال صبر سے کام لو۔“
 ”میں بھی یہی سوچ رہا تھا بس! قسمت نے ہمیں کس طرح ملایا ہے۔“
 ”چرس نے ملایا ہے۔“ عمران آگھیں نکال کر بولا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تو چرس کے چکر میں پڑ جائے گا۔“
 ”میں کیا کرتا بس، سلیمان دن رات دماغ چانثار ہتا تھا۔“
 ”لیا مطلب؟“
 ”ہبھتا تھا کوئی اور نشہ پکڑو دوڑنہ مر جاؤ گے۔ اُسی نے تو شیدی جمال سے ملوایا تھا۔“
 ”تونے یہ بات دیں کیوں نہیں بتائی تھی۔“
 ”بس کیا بتاؤں بس۔ اس مرودو کی مردوں میں نہیں بتائی تھی۔“
 ”خیر میں دیکھوں گا۔“ عمران نے کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”میں سوچتا ہوں کہ واپس جا کر کیا کروں گا۔ ان سے قریب رہ کر تو شائد کچھ کر بھی سکوں۔“
 ”کسی نے دروازے پر دستک دی اور عمران نے اوپری آواز میں کہا۔ ”آجاو۔“

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ جیکو اس کی دھمکی بدستور قائم ہے۔"

"تم بے فکر رہو! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"سمیں بھی مجھ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو میں ہی جانتی ہوں۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دو۔"

"جوزف بھی میرے ساتھ ہی رہے گا۔"

"ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"سیاڑا رہ بھی۔ یہیں موجود رہے گا۔"

"موجود رہے گا اور بدستور جھیٹے پکڑتا رہے گا۔"

"آب تم لو گوں کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"سنگروں کو صرف جھیٹے کھلانے جاتے ہیں۔"

"تب تو یہ علاقہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔"

"بہت زیادہ۔"

"تم یہاں سے کتنے فاصلے پر ہو۔"

"اوور اینڈ آل۔" کہہ کر کلاڑا کسن نے رابطہ منقطع کر دیا۔ عمران کی بن سے نکل ہی رہا تھا کہ سلواس آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اور ہانپا ہوا بولا۔

"وہ تینوں واپس آگئے ہیں۔"

"کون واپس آگئے ہیں....؟"

"وہی جنہوں نے گن بوٹیں اٹھیں۔" سلواس ہانپا ہوا بولا۔ "اور ان کے دماغِ الٹ گئے ہیں۔ پا نہیں کون سی غشی چیز، نہیں استعمال کرائی گئی ہے۔"

جوزف کو نہیں آگئی اور سلواس سے بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جزیرہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ آب جلدی کرو اور باقاعدہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

سلواس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہلکی توب چلنے کی آواز آئی اور ٹرالر بیل کر رہ گیا۔ وہ کیبن سے نکل آئے۔ ٹرالز سے بھی فائزگ شروع ہو گئی تھی۔ جزیرے میں شاید پہلے ہی سے سورچے تھے۔ فائزگ کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

سلواس نے فوری طور پر لٹکر اٹھا دینے کا حکم دیا اور ٹرالر کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہلکی توپوں کے گولوں سے اسے خاصاً نقصان پہنچا تھا۔ لیکن نچلا حصہ محفوظ تھا اور شرخ قابی میں کوئی کسر باتی نہ رہتی۔ ٹرالر پا ضرور ہوا تھا لیکن اس پر سے بھی برابر فائزگ ہو رہی تھی۔ سلواس نے عمران سے کہا۔ "میں جزیرے کو تبدیل نہیں کرنا چاہتا ورنہ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔" "میں سمجھتا ہوں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن آخر ان تینوں کو کیا ہوا تھا۔" "خد اہی جانے۔ پہلے بھی ایسا نہیں ہوا۔"

"غالد مٹو بہت ذہین آدمی ہے۔ اب وہ قانون کو بھی اپنی مدد کے لئے طلب کرے گا۔" "ہرگز نہیں۔" سلواس بولا۔ "وہ بھی نہ چاہے گا کہ کوئی سرکاری آدمی جزیرے پر قدم رکھے۔ کیونکہ وہاں حشیش کی کاشت بھی کر رہا ہے۔" "مسٹر سلواس۔ تم ادھر کے احوال سے واقع نہیں ہو۔ اس لئے کوئی حقیقی بات نہ کہو۔" "میں تو بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ مسٹر خان۔ جیکو اس کے لئے پرزاں اڑا دے گا۔" "میری موجودگی میں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ تم مطمئن رہو۔" "میرے علم و اطلاع کے مطابق تم بھی تو اس کے قیدی ہی ہو۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہاری بھرپور وکالت کروں گا۔ اگر دلائل قبل قبول ہوں تو وہ مان لیتا ہے۔"

ٹرالر جزیرے سے مار کرنے والی توپوں کی حدود سے نکل آیا تھا اور اب اس کی مرمت کی فکر کی جا رہی تھی۔

"وہ تینوں ہیں کہاں....؟" عمران نے پوچھا۔ "ایک بڑے کیبن میں ناچ کو درہ ہے ہیں۔ پا نہیں کون سانشہ استعمال کر رہی ہیں۔"

"کیا وہ تمہاری کمائیوں میں نہیں تھے مسٹر سلواس۔" "نہیں! انہیں براہ راست ہیڈ کوارٹر سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔"

"اب میرا مشورہ یہ ہے کہ جہاں تمہاری کیبن گاہ ہو اُسی طرف نکل چلو۔" "کیوں۔" سلواس کی بھنویں سکرگیں۔

"مٹو کو قانون کی حیات حاصل ہے۔ اگر اس نے کوئی کارڈ زکو طلب کر لیا تو تم دشواری

میں پڑ جاؤ گے۔

”ہیڈ کوارٹر کی ہدایت کے بغیر میں ان پانچوں کو نہیں اچھوڑ سکتا۔“

”اچھا تو پھر مجھے ایک کشتی دوئیں اور جوزف جزیرے میں جائیں گے۔“

”میا تم سن نہیں رہے فارنگ کی آوازیں۔“

”اس کی پروادہت کرو۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ میں منو کو دوبارہ جال میں چھانسو گا۔“

”یہ تم اپنی ذمہ داری پر کرو گے۔“

”بالکل.... اور بکشی میں تین چار بوتلیں بھی رکھوادیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

”اور تینوں خیلوں کو اُسی سکبین میں بذریعہ دو۔ قتل ہر گز نہ کھولنا۔ اگر ہیڈ کوارٹر سے کال آئے تو حالات سے آگاہ کرو۔“

سلواس نے ایک موڑ بوث ان کے حوالے کی اور وہ ایک سفید جھنڈا ہرا تے ہوئے جزیرے کی طرف چل پڑے۔

”تم خود کشتی کر رہے ہو باس۔“ جوزف بڑا لیا۔

”دو تین گھوٹ لے لے۔ عقل ٹھکانے آجائے گی۔ یہ جھنڈا اُسی وقت تک لہراتا رہے گا جب تک ہمیں ٹرالر سے دیکھا جاسکے۔ اُس کے بعد ہمارا رخ دوسرا طرف ہو گا۔ میں نے اختیاط کشتی میں پتوار بھی رکھ لئے ہیں۔“

”تو کیا گھر کی طرف۔“

”اراذه تو یہی ہے مٹو کے جزیرے کی نشاندہی ہو جانے کے بعد میں اپنی راہ کا تین کر سکتا ہوں۔“

ٹرالر، نظروں سے او جھل ہوا ہی تھا کہ دو عدد اپسیڈ بوٹن نے کشتی کا تھاقب شروع کر دیا۔

”یہ کون ہو سکتے ہیں باس۔“

”وو گھوٹ اور لے اور بالکل پرواہنہ کر۔“

”لیکن خدار اب یہ ڈاڑھی ہٹا۔ اپنے چہرے سے۔“

”ابھی نہیں....!“

کشتیاں خاصی تیز رفتار تھیں اور انہوں نے جلد ہی موڑ بوث کو آ لیا۔ دونوں کشتیوں پر

میں کہیں موجود تھیں۔

”جزیرے کی طرف کشتی موڑ دو۔“ ایک کشتی سے آواز آئی۔

”اب بتاؤ بآس۔“ جوزف بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

”دو تین گھوٹ اور لے اور جیسے بیٹھا رہے۔“ عمران نے کہا اور کشتی کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ ایک کشتی اُس کے آگے چل رہی تھی اور دوسری پیچھے۔ لیکن رخ اس ساحل کی طرف نہیں تھا جس سے وہ جزیرے پر اترے تھے۔

”باس یہ تو جھلکا ہی نظر آتا ہے۔“

”دیکھا جائے گا۔ خود کو قابو میں رکھنا۔“

چھپلی کشتی سے انہیں مانسکر و فون پر ہدایات مل رہی تھیں۔ بہر حال انہیں گھیر گھار ایک سنگاٹ ساحل تک لا دیا گیا۔ پھر ہدایت میں کہ وہ غیر مسلح ہو کر ساحل پر اتر جائیں۔

”یہ اور نہ اہوا۔“ جوزف بڑا لیا۔

”خبردار اپنی بوتلیں کشتی میں نہ چھوڑتا۔“

ان کے اتنے سے قبل ہی ایک کشتی سے تین مسلح افراد ساحل پر اترے گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اشین گھنیں تھیں۔

دونوں کی جامدہ تلاشی لی گئی۔ اور پھر انہیں ایک جانب چلنے کو کہا گیا۔ وہ خاموشی سے چلنے رہے اور پھر ایک ایسی عمارت میں پہنچا دیئے گئے ہے جیل ہی کہا جا سکتا تھا۔

لیکن انہیں الگ کر دے میں رکھا گیا۔ آس پاس کے کزوں میں بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

”جو بھی نہیں ہوا تھا باس آج وہ بھی ہو گیا۔“ جوزف بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

”ایک ایک گھوٹ لیتا رہا.... سب تھیک ہو جائے گا۔“

”پاہنچیں تم نے کیا سوچ رکھا ہے میرے ہاتھوں میں تو کھلی ہو رہی ہے باس۔“

”میں کہتا ہوں چکا بیٹھا رہا۔“

اس دوران میں کئی افراد آئے اور انہیں دیکھ کر چلے گئے۔ پھر اچاک خالد مٹو دھماکی دیا اور عمران اس کے کچھ کہنے سے پہلے بول پڑا۔ ”تم نے کوست گارڈز سے مدد طلب کی یا نہیں۔“

”یہ تم پوچھ رہے ہو۔“ اس نے نظر یہ لمحہ میں پوچھا۔

”لیکن میں تمہارا نام نہیں جانتا۔“

”علی عمران۔ تم کوست گارڈز کو مطلع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہو۔“

”خدا کی پناہ..... تم یعنی علی عمران.....“

”بس زیادہ بات چیت کا وقت نہیں ہے۔ فی الحال بچاؤ کی صورت!“

”مٹونے ان دونوں کو اسی ساحل پر پہنچا دیا جہاں واج نادر تھا۔ دونوں واج نادر پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک مشین گن اور ایک ہلکی توپ پہلے ہی نصب کردی گئی تھی۔“

عمران دور میں سے چاروں طرف دیکھتا رہا لیکن ٹرالر کی واپسی کے آثار نہ دکھائی دیے۔ تھوڑی دیر بعد مٹو بھی دہاں پہنچ گیا اور عمران کو اطلاع دی کہ اس نے کوست گارڈز کو مطلع کر دیا ہے۔

”لیکن مسٹر عمران! میں اسے بھی پسند نہیں کروں گا کہ کوست گارڈز کا عملہ جزیرے پر تدم رکھے۔“

”حشیش...!“ عمران نے کہا۔

”آپ سمجھ دار آدمی ہیں۔“

”لیکا تم یہاں کوئی نئی عمارت بنارتے ہو۔“

”ہاں۔ کیوں؟“

”وہ لوگ دراصل اسی عمارت کے لئے تمہارے جزیرے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”اس عمارت کے لئے۔“ مٹو کے لجھ میں حیرت تھی۔

”دہاں وہ اپنی کچھ مشینیں لگانا چاہتے ہیں۔“

”اوہ۔ اچھا۔ لیکن میرے جیتے ہی ایسا ممکن نہیں ہو سکے گا۔“

”فی الحال تو وہ پسپا ہو گئے ہیں۔ تم نے آخر ان تینوں کو نشہ دے دیا تھا۔“

”خود ہی چرس کے لئے سر ہوئے تھے اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد میرے آدمیوں نے فائر گش شروع کر دی۔“

”خیر فکر نہ کرو۔ ادھر کا سورچہ میں سنجال لوں گا۔ تم دوسری اطراف کا خیال رکھنا۔“

”اگر تم واقعی مسٹر علی عمران ہو تو میں تم پر اعتناد کر سکتا ہوں۔“

”اور اس کے بعد مجھے بھی جان سے مار دینا کیونکہ میں تمہارے حشیش کے کاروبار سے

”ہاں میں ہی پوچھ رہا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں انہی لوگوں میں سے ہوں میں ایک سرکاری سراغ رسال ہوں اور عرصہ سے ان لوگوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔ تم نے آج بہت جلد پازی سے کام لیا۔ ورنہ میں اسی تدبیر کرتا۔....!“

”بس کرو! تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم سرکاری جاؤں ہو۔“

”ذرا ایک منٹ تھہر دو۔ ان کے فرشتے بھی مجھے پہچان نہ سکیں گے۔“ عمران نے کہا اور کرٹ بکرم والا میک اپ اتنا نے لگا۔

مٹو ہیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ذرا ہمیں دیر میں عمران کی اصلی ٹھنڈی نکل آئی اور مٹوبے ساختہ اچھل پڑا۔

”م... میں شاید تمہیں پہچانتا ہوں۔ جزیرہ مذہب میں کمی بار تمہیں دیکھ چکا ہوں اور شاید مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ تم پولیس افسار مز ہو۔“

”مٹکر ہے مسٹر مٹو کہ تم نے میرے باس کو پہچان لیا۔“

”تو یہی ہے تمہارا باس۔“

”ہاں۔ یہی ہے جس کے لئے میں ساری دنیا میں آگ لگا سکتا ہوں۔“

”بس یہی زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔“ عمران اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

”تو یہ تمہارا مشورہ ہے کہ میں کوست گارڈز کو مطلع کر دوں۔“

”بالکل.... ورنہ تھوڑی دیر بعد ان خوفناک لوگوں کی دوسری ٹوپی جزیرے پر حملہ آؤ۔ ہو گی اور تم کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔“

”آخر یہ ہیں کون؟ اور کیا چاہتے ہیں۔“

”تمہارے جزیرے کو اپنے بعض مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اگر کبھی کوئی چکر ہو جائے تو خود نفع نہیں اور تم پھنس جاؤ۔“

”کوست گارڈز کی مدد کل سے قبل نہیں پہنچ سکے گی۔“

”خیر تو پھر اپنے واج نادر پر بھی مشین گنیں لگاؤ دو اور میں اس ساحل کو سنجال لوں۔“

”جس سے ہم جزیرے پر اترے تھے۔“

مٹو نے دروازہ کھلوادیا اور انہیں ایک دوسری عمارت میں لا یا۔

وائق ہوں۔“

”مٹو کو تم نا شکر انہیں پاؤ گے۔“

پھر مٹو چلا گیا تھا اور جوزف نے مشین گن سنجال لی تھی۔ عمران دور میں سے چاروں طراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعناڑا رپر پھر نظر آیا۔ اس بارہ اس پر نصب شدہ توپیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ عمران نے جوزف کو مطلع کرتے ہوئے کہلہا۔ ”فوراً آ جاؤ اور مٹو کو آگاہ کرو اور ہاں تھیں وہ جگہ بھی یاد ہے تا جہاں ہماری کشتی روکی گئی تھی۔“

”محظی یاد ہے باس۔“

”بس تو پھر اُسے دھیان میں رکھنا اس بارہ حملہ سخت ہو گا اور وہ جزیرے پر قبضہ کر لیئے سے باز شریں گے۔“

جوزف واجہ نادر سے اتر گیا۔ دفعناڑا رپر ایک توپ چلی اور گولا جزیرے پر سے گزرتا چلا گیا۔ لیکن نڑا رپر ہلکی توپ کے نشانے پر تھا۔ عمران نے بھی فائر کیا۔ گولا میں نڑا رپر پڑا تھا۔ لیکن اس کے بعد واجہ نادر پر ٹھہرنا حاصل تھی ہوتی کیونکہ انہیں بھی نار گٹ مل گیا تھا۔ وہ اور اس کے پھر تھی سے بچے اڑا اور اُسی عمارت کی طرف دوڑ گا دی جہاں مٹو کو چھوڑا تھا۔ وہ اور اس کے دوسرے آدمی جوزف کی معیت میں اُسی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ سب مشین گٹیں اور ہلکی توپیں تھیں۔ انہوں نے ساحل پر مورچے سنجال لئے اور فائر گک کرنے لگے۔ اتنے میں واجہ نادر ٹوٹ کر بچے آ رہا۔ جوزف اور عمران بھی صاف میں تھے۔ جنگ زوروں پر آئی تو عمران نے جوزف کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

”جتنی جلدی ممکن ہو۔ اپنی کشتی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”آب میں ان کے ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔“

پھر انہیں اس جگہ تک پہنچنے میں خاصی گل دوکرنی پڑی تھی جہاں ان کی کشتی لگکر انداز تھی۔ وہ دونوں کشتیاں بھی موجود تھیں جو انہیں گھیر کر دہاں تک لائی تھیں۔ ان پر سے انہیں خاصاً ایسہ ہن بھی مل گیا اور وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب تو ہو گئے۔ لیکن فی الحال کھلے سمندر میں نکلنے کی ہمت نہ کر سکے۔ کیونکہ نڑا رپر سے برنسے والی گولیوں سے محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا۔

”یہ بڑی بات ہوئی باس! مٹو مجھے ذرا اچھا نہیں لگا تھا۔“ جوزف بولا۔

مٹو اور اس کے جزیرے کا جو حشر بھی ہوا ہو۔ وہ دونوں شہر پہنچ گئے تھے۔ سلیمان عمران کے سر میں چپی کر رہا تھا اور جوزف گرخ کو بتا رہا تھا کہ کس طرح اس کے شہر نامدار نے اُسے چرس کے راستے پر ڈال دیا تھا۔

”اور تم اتنے بھولے بھالے ہو کہ اس کے کہنے میں آگئے تھے۔“

”آم کیا کرنا سالاہر وقت چرس نشہ کرنا تھا۔“

”آب تو مزہ معلوم ہو گیا۔“

اوھ عمران اُس سے باز پرس کر رہا تھا۔ ”کیوں بے تجھے یہ کیا سو جبھی تھی۔“

”سالے کا منہسوں جیسا چہرہ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔“

”کہیں تو بھی تو....!“

”شامت آئی ہے میری۔ یہ شیطان کی خالہ مجھے زندہ چھوڑے گی۔ لیکن صاحب میں کسی دن کیپن فیاض کے سر کی گردن ضرور مر دوں گا۔“

”کیوں کیا ہوا؟“

”جب دیکھئے دھرے ہوئے ہیں اس فرمائش کے ساتھ کہ پھر ویسی ہی کافی پلا دے کہ دنیا سے بیگانہ ہو جاؤ۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔ پھر گرخ کیا کرتی ہے۔“

”میں صاحب کو میرے حوالے کر کے کوئی جلن جاتی ہے۔“

”کب سے نہیں آئے۔“

”آج بھی فون آیا تھا کہ کسی وقت پہنچ جاؤں گا۔“

”آنے دے۔ دیکھا جائے گا۔ آج میں انہیں کافی پلا کر کسی ڈسٹ بن میں ڈلوادوں گا۔“

”اور ایک صاحب ہیں جو فون پر بور کرتی رہتی ہیں۔“

”آن سے تو کسی قسم کی بد تیزی نہیں کی۔“

”صورت دیکھے بغیر بد تیزی کیسے کرتا۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں جناب۔“

”جناب کے بچے تیری حرکتیں اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔“
”بس..... تو پھر بیوہ کردیجئے مگر خ کو۔“
”نبیں..... تو آپ سے باہر ہو رہا ہے۔“

انتہے میں فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے رسیور اٹھالیا۔ دوسرا طرف سے صدر کی آواز آئی۔ ”تنا ہے آپ واپس آگئے ہیں۔“

”تمہارا کیا حال ہے؟“

”اجٹ ٹھیک ہوں۔ کیا آپ سے ملنے آئکا ہوں۔“

”فلیٹ کارخ بھی نہ کرنا۔ میں خود ہی کہیں مل لوں گا۔“

”بھی آپ کی برضی۔“

رسیور رکھا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی اس بار رسیور کی آواز سنائی دی۔

”تم ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مجھ نکلے ہو۔“

”فی الحال تو میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔“

”کلارڈ کسن کہاں ہے۔“

”میں نہیں جانتا۔ لیکن مشو کے جزیرے کا کیا بنا۔“

”کوست گارڈ نے اُس کی حیثیش کی کاشت کا پتہ لگا کر اُسے گرفتار کر لیا ہے۔ لیکن کار گھول کرنے لو۔ اگر تم نے ہمارے اڑے کی نشاندہی کی تو ایک بہت بڑے تو قی خسارے۔ تمہیں دوچار ہوتا پڑے گا اور مجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کلارڈ کسن کہاں ہے۔“

”وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔“

”تم نے اُسے متاثر کیا ہے۔“

”اس میں بھی میرا قصور نہیں ہے۔“

”اگر تین دن کے اندر اندر وہ یہاں نہ پہنچی تو پھر تم اپنا حشر دیکھنا۔“

”یار کیوں خواہ خواہ دھونسار ہے ہو۔“

”یہ پہلی اور آخری وارنگ ہے مسٹر عمران۔“

عمران کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ طویل سائبنس لے کر اس نے رسیور

کریل پر رکھ دیا۔ اور سلیمان بولا۔ ”کیا آرہا ہے سالا۔“

”کیا تیرا بھی کوتی سالا ہے۔“

”وہی بوڑھا کھو سٹ۔“

”ابے کیوں شامت آئی ہے۔ وہ ایک معزز آدمی ہے۔“

”جبھی بات ہے تو میں اس معزز آدمی کو مجھ کافی پلاوؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنا مال سالا کہاں رکھتے ہیں۔“

”سلیمان جیسے کے ڈھنگ کر...!“

”بہت زیادہ بھی کرنی کروں گا۔“

”وہ عورت کون ہے جس کی کالیں آتی ہیں۔“

”نام نہیں بتاتی بس آپ کو پوچھتی رہتی ہے۔“

”لیکن یہ پتا کر آب جوزف کا کیا بنے گا۔ وہ شیدی جمال بھی پکڑا گیا۔“

”کالئے کا دماغ خراب ہوا تھا جو اُس کے پیچے دوڑا گیا تھا۔ مجھ سے کہتا نہ جانے کتنے شیدیوں سے یاد اللہ ہے میری۔“

”اچھا.... اچھا اگر اس کی صحت خراب ہوئی تو تیری بھی مٹی پلید ہو جائے گی۔“

”پہلے کب نہیں تھی جواب ہو جائے گی۔“

”کلرخ...!“ عمران نے آواز دی اور وہ دوڑی آئی۔

”جی صاحب۔“

”اس مردوں نے ایک سائیڈ برس بھی کر رکھا ہے تھے اس کا علم ہے یا نہیں۔“

”میں کیا جاؤں صاحب۔“

”چوس کے گاہک بنا کر چوس فروشوں سے نکیشیں وصول کرنا۔“

”ہائے اللہ! تبھی تو میں کہوں کہ یہ روزرات کو سیر بھر فلائقہ کہاں سے آتی ہے۔“

”کیوں بے!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”اللہ دیتا ہے۔ خود تو چھی نہیں ہوں۔“

”من رہی ہے۔“

"میں جا رہی ہوں کوئی۔ بڑے سر کار سے فریاد کروں گی۔"

"یہ کیا گھپلا کر دیا صاحب۔"

"ا بھی بے شمار گھلپے تیرے منتظر ہیں۔"

"میں شہر ہی چھوڑ دوں گا۔"

"پاتال سے بھی نکال لاؤں گی۔ ذرا شہر سے باہر قدم نکال کر تو دیکھ۔"

پھر فون کی گھنٹی بھی اور عمران نے رسیور اخالیا۔ اس بار اس نے شہلا چوہدری کی آواز سنی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ ملے تو۔"

"کوئی خاص خبر.....!"

"آب ایک دوسری لڑکی میرا تعاقب کرتی ہے۔"

"یہ آخر لڑکیاں کیوں تمہارے پیچے پڑ گئی ہیں۔"

"پچھے کچھے عمران صاحب۔ میں بہت خالف ہوں۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ ہاں کیا ذکر فوریں اب بھی دیں مقیم ہے۔"

"کیوں نہیں۔ بھلا دہ کہاں جائے گی۔"

"اور آپ کے ذیہی کا کیا حال ہے۔"

"بس تصور خوفزدگی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اعصاب زدہ سمجھ لجھتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیا اس پر اسراز آدمی کی کاں پھر آئی تھی۔"

"بھی نہیں! عرصہ سے اس نے کوئی بات نہیں کی اور ضرورت بھی کیا ہے جبکہ سارے مطالبات پورے ہو رہے ہیں۔"

"یعنی موذل کالوںی والی کوئی بھی بستور فوریں کے قبضے میں ہے اور تمہارے والد ہی اخراجات کا بار بھی اٹھا رہے ہیں۔"

"میں ہاں۔"

"فوریں کو پچھے کیس بھی ملے۔"

"میں ہاں اس کی خاصی پبلیٹی ہوئی ہے۔ ملکینک بھی خاصاً چل رہا ہے۔"

"اس سلسلے میں آپ کے والد کی بھی خاصی وادا ہو رہی ہو گی۔"

"کیوں نہیں۔ اب تو وہ ان کے ساتھ ڈنر کرنے بھی جاتی ہیں۔ آج ہی رات کو مٹ ناپ ناٹ کلب میں دیکھ لجھے گا۔"

"اس اطلائی کا بہت بہت شکریہ۔ میں ضرور دیکھوں گا۔"

"لیکن مجھ سے کب مل رہے ہیں۔"

"اگر وہ لڑکی اسی طرح تعاقب کرتی رہی آپ کا تو کسی نہ کسی دن ضرور ملاقات ہو جائے گی۔"

"میں نے فی الحال گھر سے نکلا ہی ترک کر دیا ہے۔"

"یہ آپ کو بہت پہلے کرنا چاہئے تھا۔"

"پھر کب مل رہے ہیں۔"

"پہلے ذرا ایک نظر مٹ ناپ ناٹ کلب پر بھی ڈال لوں۔"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔ خدارا کسی طرح ہماری عزت پچایے۔"

"اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔"

عمران نے رابطہ منقطع کر کے کیپن فیاض کے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے اس کی بیوی کی آواز آئی اور عمران نے آواز بدیل کر پوچھا۔ "کیا شبی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔"

"بھی ہاں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"عبد الغنی بھائی۔" عمران نے کہا۔

"بہتر ہے ہولڈ آن سمجھتے۔"

اور پھر جب شبی فون پر آیا تو عمران اپنی اصل آواز میں بولا۔

"غیر حاضری کی معافی چاہتا ہوں جتاب۔"

"اے وادیاں.... کہاں سے بول رہے ہو۔" شبی کی چپکار سنائی دی۔

"گھر سے۔"

"تو پھر میں آ رہا ہوں۔"

"میں منتظر ہوں۔" عمران نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور گفرنخ کو آواز دی۔

"میں صاحب۔ وہ کمرے میں آ کر بولی۔" کیا یوہ کر دیا مجھے۔"

”شکر یہ شلبی صاحب۔“

”مگر یا تم تم کہاں بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔“

”بیٹ کے دھنے میں شلبی صاحب! ایک تو تمہارے دلہ سلمہ، جواب ڈپنی ڈاڑکنگر ہو گے ہیں خواہ مخواہ میری جان کو آئے رہتے ہیں۔ عربی لباس والی بات والد صاحب تک پہنچا کر ہی دم لیا۔“

”بے بی کہہ رہی تھی کہ تم بھی تو اسے پریشان کرتے رہتے ہو۔“

”جگ آمد بے جگ آمد۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ہاں تو مادام فوریل والی بات کا کیا رہا۔“

”وہ دونوں ہی اس پر تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یتیم خانے سے کوئی بچہ لا کر پال لیں گے۔“

”اور اگر پلا پلا یا چاہئے تو بندہ حاضر ہے۔ اپنے والدین تو مجھے کبھی بھی اتنے نہیں لگے۔“

”اے کیوں ہونق پنے کی باتیں کرتے ہو۔“

”آپ دراصل میرے حالات زندگی سے واقف نہیں۔“

”ہائیں، ابھی جک کافی نہیں آئی۔“

”بس آئی۔“ کہہ کر عمران نے گل رخ کو آواز دی۔ بہر حال کافی بھی آئی اس کے ساتھ شاکر سلیمان کے کیشون والی قلاقند بھی تھی۔

”تمہارے یہاں ایک خوفناک آدمی بھی رہتا ہے۔“ شلبی نے کہا۔

”ارے نہیں! وہ تو بڑا بے ضرر آدمی ہے۔ نیکر ہے۔ میرالمازم۔“

”چھپلی بار اس نے بڑی دہشت ناک باتیں کی تھیں۔“

”نشے میں رہا ہوگا۔ خیر آپ کافی پیچے اس کے بعد تفریح کا پروگرام رہے گا۔ آج بپ ناپ میں برازو دار فلور شو ہونے والا ہے۔“

”یار تمہاری یادِ وجہ سے تو میں یہاں رک گیا ہوں۔ ورنہ کبھی کا چلا گیا ہوتا۔“

”آخر آپ نے کیا دیکھ کر فیاض سے اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیا تھا۔“

”پرانے زخموں کو نہ کریں۔ میری الہیہ فیاض کی خالہ تھی۔“

”اوہ، تو آپ فیاض کے خالو بھی ہیں۔“

”یار ختم کرو اس قصے کو۔“

”ابھی نہیں! فی الحال وہ شریف آدمی آرہا ہے اور ہم دونوں ساتھ کافی بیس گے۔“

”میں تو چل کوئی کو۔“

”کواس مت کر۔ سلیمان کو یہاں بھج دے۔“

”انہوں نے اسے دیکھ لیا تو پاگل ہو جائیں گے۔“

”تیرے مزے ہو جائیں گے میں اسے پاگل خانے بھجوادوں گا۔“

”مجھے تو آپ جہنم میں بھجوادیں گے۔“ سلیمان کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ ”میں باہر جا رہا ہوں۔ آپ کی نوسیر لے جاؤں گا۔“

”دفع بھی ہو کسی صورت سے۔“

”میں اُس غیث بوثھے سے الرجک ہوں۔“

”جاتا ہے یا نکالوں پتوں۔“

”جارہا ہوں۔ لیکن سیکنڈ شودیکے کرو اپس آؤں گا۔“

”پھر عمران اٹھا ہی تھا کہ وہ حصہ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد شلبی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

”آئیے آئیے“ عمران لہک کر بولا۔ ”draصul چھپلی بد میں فیاض کے خوف سے فراز ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر آپ کے ساتھ کہیں دیکھا گیا تو یہ میرے حق میں بہتر نہ ہو گا۔“

”اور تم مرعوب ہو گئے۔“

”بس اوقات مجھے اس سے دبنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ میں تو۔ بس کیا عرض کروں۔“

”بھی عمران صاحب کافی....!“

”ضرور ضرور...!“

”اُس دن تو اسی شاندار نیند آئی تھی۔“

”وہ میں رات کو سونے سے قبل پیتا ہوں۔ غلطی سے بن گئی ہو گی۔“

”میلانہ طرح دار کھچھوڑی ہے۔“

”میرے باپ کی منہ بولی بیٹی ہے۔ لہذا شلبی پلیز۔“

”مجھے افسوس ہے۔ اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

"لیکن میرا قصہ ختم ہو جائے گا۔ اگر اب فیاض نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ لہذا میں بصورت عبدال آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

"یعنی میک اپ میں۔" شبلی نے کہا۔ "لیکن عرب و رب بنے کی ضرورت نہیں۔"

"کہنے تو آپ کی شغل بھی تبدیل کر دوں۔ پھر عیش کرتے پھر میں سارے شہر میں۔"

"یا اگر ایسا کر سکو تو کیا کہنے۔"

"پھر بناووں۔ عیش مکمل غیر ملکی لڑکیاں! ارے باپ رے۔"

"ہمیں! عمران اس طرح آپ سے تو باہر نہ ہو۔"

"بس یہی ٹھیک ہے۔"

"کوئی ہمیں پچان نہیں سکے گا۔"

"بات توبہ ہے کہ ہم ہی ایک دوسرے کو نہ پچان سکیں۔" عمران چک کر بولا۔

"محض منظور ہے۔" شبلی خوش ہو کر بولا۔ اور پھر شام ہوتے دونوں کے جلوے بدلتے تھے۔ شبلی چالس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ان کا لباس صاف سترہ تھا صرف سرا در چہرہ بھی ازم کی زد میں آئے تھے۔ اورہ عمران نے روشنی کو فون کر دیا تھا کہ ان کے لئے ایک خاص ادچپ جانور دریافت کر لیا گیا ہے۔ اس لئے وہ ٹھیک آٹھ بجے پہ ناٹ کلب پہنچنے جائے۔ لیکن روشنی نے فون پر جواب دیا۔ "تم خود آؤ میرے فلیٹ تک۔ یہیں سے کہیں چلیں گے۔ میں تھا کہیں نہیں جاتی۔"

"اچھا۔ تو آٹھ بجے دو بھی پہنچ جائیں گے۔ سب سے کم عمر بھی کو تو تم پچانتی ہی ہو۔"

"زیادہ باتوں کی ضرورت نہیں۔ میں آٹھ بجے پہنچ جاتا۔"

عمران نے رانچیل گاڑی کے لئے فون کیا اور ایک سال خورde سی جیپ منگوائی۔

سڑاٹھے سات بجے تک وہ بھی پہنچ گئی تھی لیکن سیلان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

وہ دونوں روانہ ہو گئے۔ شبلی کچھ اور زیادہ بچ بن گیا تھا۔ بات بات پر قیقہ لگا رہا تھا۔

"لیکن میری گرل فرینڈ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔" عمران نے اس سے کہا۔ "خطرناک عورت ہے۔ تمہارے لئے دوسری تلاش کر دی جائے گی۔"

"میں یادوں کا یار ہوں تم دیکھتی لو گے۔" شبلی بولا۔

ویسے عمران کا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ تر عورتوں کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ اگر کوئی بے تکلف عورت قریب آگئی تو ٹھکھی بندھ جائے گی اس کی۔ وہ شبلی کو سبق بھی دینا چاہتا تھا اسی لئے روشنی کو منتخب کیا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ روشنی کے فلیٹ میں جا پہنچنے تھے۔ روشنی نے بھی پیوس ہی جیسی وضع والی وگ پہنچ رکھی تھی۔ دونوں سے لہک کر ملی اور پھر مستقل طور پر شبلی کے سر ہو گئی۔

عمران نے مسٹر چپکی کہہ کر تعارف کرایا تھا اور شبلی اتنا بے سندھ ہو رہا تھا کہ صحیح کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

روشنی بار بار اُسے اداہ ذیسر چپکی کہتی اور وہ ریشمے خٹکی ہو جاتا اور عمران کو ایسی احسان مند نظر دیں سے دیکھتا جیسے والدین کے بعد اسی نے اس کے لئے کچھ کیا ہوا۔ "کون ہی پیتے ہو۔ ڈیسر...!" روشنی اس کا شانہ ٹپک کر بولی۔

"اب کہاں ملتی ہے۔" شبلی بولا۔

"میرے فلیٹ میں ملتی ہے۔ اب بھی۔ مہماںوں کے لئے رکھتی ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" عمران بوكھلا کر بولا۔ ابھی ذرا گھومیں پھریں گے۔ ٹپ ناٹ میں کھانا کھائیں گے۔" "ہاں ٹھیک ہے۔" شبلی بھی بولا۔

"اچھا ذیسر چپکی۔"

"اوہ ہو۔ میرا نام شبلی ہے۔"

"مگر مجھے تو چپکی ہی اچھا لگتا ہے۔" روشنی اٹھا لی۔

"اچھا، تم یہی کہو۔" شبلی نے بچکا نہ سا قبھہ لگا کر کہا۔

عمران کو بہت دونوں بعد منظوظ ہونے کا جتنا موقع ملا تھا اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ روشنی کو بھی اُسی کھنڈا جیپ میں بٹھا کر زوہ مپ ناٹ کلب لے گئے۔ یہاں ابھی بہتری میزیں ایسی نظر آرہی تھیں جن پر ریز روشن کارڈز نہیں تھے۔

انہیوں نے بھی ایک میر سنبھال لی اور روشنی نے کہا۔ "گھر تی سے پی آئے ہوتے تو بہتر

تحا۔ یہاں تو نہیں ملے گی۔“

”تم پھر پینے لگی ہو۔“ عمران نے پوچھا۔

”جب سے بند ہوئی ہے۔“

”آج کل ذرا محاط رہا کرو۔“ شملی نے کہا اور وہ نہ اسامنہ بناتکر بولی۔

”کوئی اور بات کرو۔“

انتہے میں فلور شو شروع ہو گیا۔ پھر عمران نے شہباز چوہدری اور ڈاکٹر فوریل کو ڈائینگ بال میں داخل ہوتے دیکھا اور خاموشی سے شملی کی طرف متوجہ ہو گیا جو روشنی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

آب عمران والہ سے اٹھ جانا چاہتا تھا۔ آس نے روشنی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ ”میں کچھ دیر کے لئے غیر حاضر ہوتا چاہتا ہوں۔“

”کیوں کیوں؟“ شملی بول پڑا۔

”ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو روشنی کے ساتھ آس کے فلیٹ میں چلے جائیے گا میں واپسی پر آپ کو لے لوں گا۔“

”واہ یہ کیا بات ہوئی۔“

”فکر نہ کرو ڈیزیر میں تمہیں کہا نہیں جاؤں گی۔“ روشنی شملی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ”ویسے اب ہم کھانا کھائیں گے۔ عمران کے حساب میں۔“

عمران نے پرس سے کتنی بڑے نوٹ نکال کر روشنی کے حوالے کئے اور اٹھ گیا۔ یہاں تک وہ سیدھا اس عمارت میں جانا چاہتا تھا جہاں ڈاکٹر فوریل کا قیام تھا اور یہ بہترین موقع تھا کہ وہ عمارت سے باہر تھی۔ جیپ اس نے روشنی اور شملی کے لئے چھوڑ دی اور خود شیکسی سے ماذل کالوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ عمارت کے عقب میں دیوار کے اس حصے سے تو واقع ہی تھا نے ڈیوڈ کا قاسی بھی استعمال کر چکا تھا۔

لیکن اس نے سر زک ہی پر چھوڑ دی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ واپسی میں دشواری بھی ہو سکتی تھی۔ چکر کاٹ کر عمارت کے عقب میں پہنچا اور بڑی آسانی سے عقی پارک میں آت گیا۔ عمارت تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ لیکن اب مسئلہ تھا عقی دروازہ کھولنے کا۔

اُس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی عقب سے عمارت میں داخل ہونے کی۔ کچھ کہاں تھیں لیکن سب کی سب اوپر کی منزل سے تعلق رکھتی تھیں۔ تھوڑی دریکنک وہ عقی دروازے پر جھک مارتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ تو دوسری جانب سے مقفل تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ سامنے ہی سے کوشش کی جائے۔ وہ دیوار سے لگ کر چلے گا۔ عقی پارک تو تاریکی میں ڈوبتا ہوا تھا۔ لیکن لाल پر روشی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ ڈیوڈ کے قتل کے بعد سے چوکیداروں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہو۔ لیکن وہ یہاں آبائی کیوں تھا؟ آخر یہاں اُسے کس چیز کی خلاش تھی۔ کیوں خلاشی نیتاچاہتا تھا اس عمارت کی۔ نور یہ کیسے بار کر لیا تھا کہ فوریل کی عدم موجودگی میں اُب بھی عمارت کی گمراہی صرف ایک ہی چوکیدار کی ذمہ داری ہو گی۔

خیالات میں کھویا ہوا وہ آہستہ آہستہ نہت و نگ کی طرف بڑھتے ہی رہا تھا کہ کوئی ختنی چیز پشت سے آگی اور ساتھ ہی کہا۔ اسٹین گن ہے۔ پرانچے اڑ جائیں گے۔ خاموشی سے چلتے رہو۔“

”لئنی یہ بھی نہ پوچھوں کر میں لہاں آگھا ہوں۔“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

”چلو....!“ کمر پر اسٹین گن کا دباؤ بڑھ گیا۔

عمران نے دباؤ کی مناسبت سے، فشار تیز کر دی اور پھر روشی میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ برآمدے میں تین مسلخ پہرے دار اور بھی موجود تھے۔

اُسے سیدھا فوریل کے لیکنک ہی میں لایا گیا تھا۔ ایک کمرے میں ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی نے ملاقات ہوئی اور وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ ”اوہ ہو... یہ کوئی بھی چور ہے۔ جیب خالی ہو گئی ہو گی۔“

”نہیں محترمہ۔“ عمران بولا۔ ”اس وقت بھی میرے پرس میں ڈھائی ہزار موجود ہیں۔ میں پہنچنے بلکہ شاعر ہوں۔“

”تو اس طرح چوروں جیسی حرکت کیوں کی۔“

”شائد عقی دیوار پھلانگ کر آیا ہے۔“ مسلخ آدمی بولا۔

”اس سے پہلے میں ایک قتل بھی کر پکا ہے اور مقتول کی جیب سے اسے ایک بھاری رقم حاصل ہوئی تھی۔ اسٹین گن مجھے دو اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ میں کور کرنے کر کھوں گی۔“

”اُس کے حکم کی تھیں فوراً کی گئی تھی۔ یہ مسلخ آدمی دیسی ہی تھا اور انگلش روائی سے بول۔“

سکتا تھا۔ اس نے عمران کے ہاتھ میں کیا تھا اسی کی تائی سے پشت پر باندھ دیئے اور لڑکی نے اسے اسیں
گھن کر کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی ڈیوٹی پر واپس جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔“
”میا پولیس کو مطلع کر دوں؟“

”اس کا فیصلہ ڈاکٹر کریں گی۔ ہم اپنی طرف سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔“
”بہت بہتر میں!“ کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔

لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کر دیا اور عمران سے بولی۔ ”تم لاگو ہو گئے ہو!“
”سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
”میا مطلب...!“

”نہ آج تمہیں دیکھتا اور نہ دوبارہ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی۔“
”تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا۔“

”تم ایک لڑکی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ لیکن میک اپ کے معاملے میں بھی ہو گلاب اڑکسن
اور تمہاری آسان ترین پیچان یہ ہے کہ تم اپنے دستانے کبھی نہیں اتارتیں۔“
”اوہو... تو تم ہو عمران۔“ وہ یکایک پر سرست لجھے میں بولی۔

”میں خود ہی تمہاری مدد نہ کرتا تو تم مجھے ہرگز نہ پیچان سکتیں۔“
”میری خواہش تھی کہ تم فرار ہو جاؤ۔“

”اور میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی۔ اب کیا انعام میں ملے گا۔“
”میں تمہارے ہاتھ کھولی رہی ہوں۔“

”اور یقین کرو کہ میرے ہاتھوں سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔“
”مجھے یقین ہے۔“

اس نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔
”اب کسی قیمت پر بھی تمہیں نظر سے او جمل نہیں ہونے دوں گی۔“

”مٹو کے جزیرے کا کیا بنا...!“
”کوٹ گارڈز کو طلب کر کے اس نے اپنی شامت بلوالی اور ہم بھی جزیرے کو استعمال نہ
کر سکے۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

دوسرے کمرے میں پہنچ کر کلارا نے کہا۔ ”یہاں میک اپ کا سامان موجود ہے اب تم
عورت بن جاؤ۔ میں تمہیں ایک ہڈ دیئے دیتی ہوں۔“
”پھرے دار کو کیا جواب دو گی۔“

”شور چادوں گی کہ تم کھڑکی توڑ کر فرار ہو گئے ہو۔“
”اُس کے بعد۔“

”بعد کی باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس زندگی سے بچ آگئی ہوں۔“
”لیکن چارہ کیا ہے؟“

”تم چاہو تو میں اس جاہل سے نکل سکتی ہوں۔“
”لیکن تم بھی پتھر لی ہو؟“

”باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ پا نہیں کب فوریل واپس آجائے۔ اس کی واپسی سے قبل
تھہارے فرار کا غلط لئے بند ہونا چاہئے۔“

”عورت کا میک اپ میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔“
”میں مدد کروں گی اس فن میں بالکل ہی کوری نہیں ہوں۔ میں مستقبل طور پر اپنی آواز
بدلے نہیں رکھ سکتی۔“

”آج بھی بات ہے، چلو جو کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کیا فوریل میرے بارے میں سوال نہیں کرے گی۔“
”میں کوشش کروں گی کہ اُس کا سامنا نہ ہونے پائے۔“
”چلو جو کچھ کرنا چاہتی ہو کرو۔“

پھر چمچ عمران تھوڑی دیر میں ایک ادھیز عمر عورت بن گیا تھا۔ اسے ایک کمرے میں لانا
دیا گیا تھا اور وہ اُسے دہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے بھاگ دوڑ کی آوازیں
شنی۔ شاید کلارا نے پھرے دار کو اس کے فرار کے بارے میں بتا دیا تھا۔

وہ متحریر تھا کہ آن کی آن میں یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ لیکن وہ خاموش پڑا۔ بہ۔ قریباً ایک
گھنٹے بعد کلارا واپس آئی تھی۔

”فوریل ابھی تک واپس نہیں آئی۔“

”اور پھرے دار مطمئن ہو گئے ہیں تمہارے اس امثاث سے۔“

"تم مجھ کیا سمجھتے ہو۔"

"ایک بے حد دین عورت۔"

"بن تو پھر سب کچھ مجھ پر جھوڑ دو۔ میں فوریل سے بھی نپٹ لوں گی۔"

"میاہ واقعی عورتوں کے امراض کی ماہر ہے۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔" کارا طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن یہاں اُس کی موجودگی کا مقصد دوسرا ہے۔"

"میں کیوں پوچھوں کہ مقصد کیا ہے۔ ضروری سمجھوگی تو خود بتاؤ گی۔"

"فی الحال اس ذکر کو میں رہنے دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"تو شہلانے تمہیں آگاہ کر دیا کہ پھر کوئی لڑکی اُس کا تعاقب کرنے لگی ہے۔"

"ہاں، آج ہی تو میں نے اُس سے فون پر گفتگو کی تھی۔"

"کیا واقعی تم اُسے چاہتے ہو۔"

"میں نے کہہ دیا کہ یہی سبق میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ خاندان ملکی قانون کی گرفت میں نہ آنے پائے... اور بس...."

"صرف اتنی بات کے لئے... تم...."

"ہاں۔ میں اتنا ہی سکھی ہوں۔"

"لیکن اس لڑکی کے روئے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"تم خود بتاؤ کر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بس بہت زیادہ منہ نہ کھاؤ۔"

"لیکن تم اُس کا پیچھا کیوں کرتی ہو۔"

"پہلے بھی تم پر ہی ہاتھ ڈالنے کے لئے کیا تھا۔ اب بھی بھی مطلع نظر تھا۔"

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ تم بھی سگرواد ہو۔ لیکن نشیلی ڈارٹ کیسے تمہارے جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ تمہیں یاد ہو گا جب پہلے پہل میرے آدمیوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہم ہر وقت پھر لیے ہی رہتے ہیں۔"

"میں تمہیں سمجھا۔"

"پہلے ہی بتاچکی ہوں کہ ایک مرکزی مشین ہمیں وقت ضرورت پھر لیا بنا دیتی ہے۔ جس وقت تمہارے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا اُس ریکوٹ کنٹرول کو استعمال کرنے کا جو میرے سلسلے میں مرکزی مشین کو حرکت میں لاتا۔ بس تمہارے آدمی کی ڈارٹ گن کام کر گئی تھی۔"

"اوہ.... اچھا۔"

"دیکھو.... ہمارے مغرب میں جو دو عدد چھوٹی بڑی چیزیں رکھی ہوتی ہیں ہم انہیں کر سکتے ہیں لیکن پاہ نہیں وہ کیسے آلات ہیں۔ بہر حال مشین کے حرکت میں آتے ہی وہ بھی متحرک ہو کر میری کھال کے خیالات کو کر سلاٹز کر دیتے ہیں۔ اور میں پھر کی ہو جاتی ہوں۔ وہ کیفیت رفع ہوتے ہی خیالات پھر اصلی حالت پر آ جاتے ہیں۔"

"تو کیا کوئی مرکزی مشین شہر میں بھی موجود ہے۔"

"ہاں یہاں بھی ہے اور ہم جب چاہیں اپنے ریکوٹ کنٹرول سے اُسے اپنے لئے حرکت میں لاسکتے ہیں۔"

"تم کب تک رو بوث بنی رہو گی۔"

"میں اب اس زندگی سے نجات چاہتی ہوں۔ لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ مجھ پر لاکھوں ڈالا صرف ہونے ہیں مجھے کے۔ یہ تو اتفاقاً بیگوار کے ساتھ مجھے الجھاد یا گی۔ ورنہ مجھے تو اسلامیات کی تعلیم اس لئے دی گئی تھی کہ کسی افریقی اسلامی ملک کے سر برداہ یا کسی دوسرے ذمہ دار بڑے آدمی کو اپنے خیالات سے مٹاڑ کروں گی۔ اور پھر اس ملک میں وہی ہو گا جو میری تنظیم چاہے گی۔"

"اوہ.... تو تم....!"

"ہاں شائد مجھے مسلمان بھی ہونا پڑتا۔"

"کمال ہے پھر یہاں کیوں جھک مار دیں ہو۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر یہ تم لوگ کسی سفید قام کی زبان سے اسلام کی باشکن کر آپ سے باہر کوں ہو جاتے ہو۔ کیا تمہیں وہ کرتی لارنس بھول گیا جس نے

”کئی پار! ایک بار اس نے مجھے کافی میں بیوی شی کی دوادلوادی تھی اور پچھا چھڑا کر فرار ہو گیا تھا۔“
روشی نہ پڑی اور پھر بولی۔ ”وہ ایسا ہی ہے مجھ سے کہہ کر جائے گا۔ بس آیا پندرہ منٹ
میں لیکن سال بھر سے پہلے ملاقات نہیں ہوتی۔“

”لیکن آخر یہ شادی کیوں نہیں کرتا۔“

”مشتر چھپکلی یہ ایک دردناک مسئلہ ہے۔ اسے نہ چھڑو تو بہتر ہو گا۔“

”جیسی تھماری مرضی۔“

انتہے میں دیشہ میتوں لے آیا۔ اور روشنی نے آہتہ نے پوچھا۔ ”کیا ساف ڈریک کی بوتل
بھی نہیں ملے گی؟“

”مل جائے گی جناب! بوگا کولا کی بوتل میں سرخ یہر لیکن آپ اسے بوتل ہی میں اسرا
سے پہن گے۔“

”یہ ہو جائے گا۔ لیکن تم اس میں تھوڑی سی وہ سکنی نہیں ملا سکو گے۔“

”نہیں میں صاحب۔ یہاں ہے ہی نہیں۔ آپ سرخ یہر کو کیا سمجھتی ہیں۔“

”اچھا تو پہلے اپنا بوگا کولا ہی لاو۔ ہم تمہیں ڈالی طور پر خوش کر دیں گے۔ اور ہاں تلے
ہوئے جھینگے بھی لانا۔ اس کے بعد میں الا کار تاتے دیکھ کر آرزوں پلیں کروں گی۔“
وہ اپنی پیشانی چھو کر واپس چلا گیا۔

”یہ شراب بندی ہوئی ہے۔“ شبلی نہ اسامنہ بنا کر بولا۔

”حکومت ہر فرد پر ایک سپاہی مسلط نہیں کر سکتی۔ وہ قوانین بھاتی رہتی ہے اور ہم قانون
خنکی کے راستے اُسی قانون کے اندر سے نکلتے رہتے ہیں۔“
”ہاں یہ بات تو ہے۔“

”تم کون سی پیٹے ہو ڈیزیر چھپکلی۔“

”عادی نہیں۔ کبھی کبھار جیسی بھی نصیب ہو جائے۔“

”اگر تمہارے پاس ڈالر یا پونڈ ہوں تو تم ایک پورٹ کی ڈیوبٹی فری شاپ سے یہ آسانی خرید
سکتے ہو۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا کہ تم کس قوم یا نژاد ہب سے تعلق رکھتے ہو۔“

”خدا کی پناہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ میں اس کا تذکرہ اپنے داماد سے ضرور کروں گا۔“

تمہارے اتحاد کے چیخڑے اڑا دیئے تھے۔“

”کبھی کبھی یاد آ جاتا ہے۔“ عمران بولا۔ ”آف فو۔ کہیں فوریل نہ پیک پڑے۔“

”وہ میرے کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔“

”کیا وہ بھی کر سکتا تھا ہے۔“

”نہیں....! بس اب تم آرام سے سو جاؤ۔“

عمران کو روشنی اور شبلی یاد آئے۔ لیکن وہ کہی کیا سکتا تھا۔ پھنس گیا تھا مردی طرح۔



اوھر شبلی بڑی موج میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار کسی عورت سے
سابقہ پڑا ہو۔ روشنی بھی اسے مایوس نہیں کر رہی تھی۔ اتنی عیسیٰ دیر میں اسے اس کی فطرت کا
اندازہ ہو گیا تھا۔

”آپ عمران کوک سے جانتی ہیں مس روشنی۔“ شبلی نے اچانک سوال کیا اور وہ چوبک کر
اُسے گھورنے لگی۔

”بہت پرانی بات ہے۔ اس نے مجھے ایک نمرے آدمی کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔ تب
نے وہ ایک بہت اچھا دوست ہے۔“

”دوست تو واقعی بہت اچھا ہے۔“

”تم کب سے جانتے ہو۔“

”زیادہ دن نہیں ہونے۔ مگر میں اس کے خلوص کا قائل ہو گیا ہوں۔“

”ہاں واقعی وہ بہت اچھا دوست ہے اتنا اچھا کہ پورے ڈیڑھ سال بعد میں آج اسے یہ آئی ہوں۔“

”بڑی مصروف زندگی گزارتا ہے۔“

”اب اپنا تعارف بھی کراؤ۔ عمران نے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔“

”شبلی، نام ہے۔ جلال آباد کا زمیندار ہوں۔ یہاں آ جاتا ہوں۔ کبھی کبھی ایک بار عمران

صاحب سے ملاقات ہو گئی۔“

”کبھی غصہ بھی آیا اُس پر۔“

”خدایا۔ بات اس حد تک بڑھی تھی۔“

”ہاں مشر شبلی۔ میں آپ تمہیں چھپلی نہیں کہوں گی کیونکہ عمران تمہیں پسند کرتا ہے۔“

انتہے میں اچاک شبلی کی گھنکھی بندھ گئی۔ کیونکہ کیپن فیاض ایک نازک اندام خاتون کے ساتھ ڈائمنگ ہال میں داخل ہوا تھا۔

روشی نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ لہذا سوال کر بیٹھی۔ ”کیا یہ تمہاری بیٹی ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ میں قصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔“

”میں اس عورت کو جانتی ہوں فیاض ہی کے مجھے سے تعلق رکھتی ہے۔ ماریہ نام ہے۔ ہو سکتا ہے آج کل فیاض کی اشیوں کے فرائض انجام دے رہی ہو۔“

”لیکن یہ اسے باہر کیوں ساتھ لے پھرتا ہے۔“

”ختم کر دا در ہر سے توجہ ہتا لو۔ یہ سب بعد میں سوچنا۔ چلو جلدی سے بوتل ختم کر دتا کر میں مینوں سے بھی کچھ منگواؤں گو۔“

”میرے لئے تو جھینگے کی پلیٹ ہی کافی ہو گی۔“

”فضول باتیں مت کرو۔ میں آب سینخوں پر بھنی ہوئی ران منگواؤں گی اور تمہیں میرا ساتھ دینا ہی پڑے گا۔“

”جیسی تمہاری مرضی۔“ شبلی آہستہ سے بولا۔ اُس کا ذہن نبڑی طرح فیاض میں الجھ کر رہا گیا تھا۔

ویژنے میز صاف کی اور روشنی سے آرڈر لے کر بولا۔ ”ورک بھی لاڈ میم صاحب۔“

”نہیں اس کے ساتھ نہیں۔ ویسے کیا تم اس کی چھ بو تلیں میرے لئے پیک کراؤ گے۔“

”ہو جائیں گی میم صاحب اور حکم۔“

”بس جاؤ۔“

”میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں اس کا خون پی لوں۔“ شبلی نے کہا۔

”اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں بیہاں سے اٹھا لے جاؤں گی۔“

”خیر جہنم میں جائے پھر کبھی دیکھوں گا۔“

”لیکن اپنی بیٹی سے اس کا ذکر ہرگز نہ کرنا۔ وہ توبے موت مر جائے گی۔“

”تمہارا دادا...!“

”کیپن فیاض۔ اب اپنے محلے کا ذہنی ڈائریکٹر ہو گیا ہے۔“

روشی نے فیاض کے ذکر پر نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”بڑے نالائق آدمی کو تم نے اپنی بیٹی دی ہے۔ اول درجے کا احسان فراموش ہے۔“

”میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“

”عمران کی زندگی تلخ کر رکھی ہے اُس نے.... حالانکہ یہ ساری ترقیاں اُسی کی مر ہوں منت ہیں۔ وہ کیسوں کو حل کر کے انہیں آپ کے داماد صاحب کے حوالے کر دیتا ہے لیکن وہ شخص برابر اس کو شش میں لگا رہتا ہے کہ عمران کو نقصان پہنچ جائے۔“

”محظی علم نہیں تھا ان حالات کا۔ واقعی فیاض سے برا کمینہ پن سرزد ہوا ہے۔“

روشی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ویسٹر طلب کی ہوئی اشیاء لے آیا۔ دونوں اسٹر اسے گھونٹ لیتے اور جھیگے کھاتے رہے۔

”واقعی یہ بیسٹ تو بہت ہی نیشی ہے۔“ شبلی نے کہا۔

”اوہ...! ڈیزیر میرے پاس واٹس بریڈ چیل ایل کا ایک پورا کریٹ موجود ہے۔ گھر چل کر اُسے بھی پچھنا۔“

”اچھا۔ اچھا۔ تم مہربان خاتون ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ عمران فیاض ہی کے خوف سے تمہارا میک اپ کر کے ساتھ رکھتا ہے۔“

”تم اس کے بارے میں بہت زیادہ جانتی ہو مس روشنی۔“

”کیوں نہ جانوں گی۔ وہ میرا طوطا ہے۔“

شبلی کا دماغ گرم ہونے لگا تھا۔ اچاک چوک کر بولا۔ ”وہ گاڑی بھی لے گیا ہو گا۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تم خاموشی سے عیش کرو۔“

”تو کیا واقعی تم مجھے اپنے گھر لے چلو گی۔“

”تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ ارے عمران بکھر کے اور میں نہ کروں۔“

”واہ دوستی ہو تو میں ہو۔“

”بس وہ صرف دوستی ہی کے قابل ہے۔ ورنہ اُسے تو مجھ سے شادی کرنی پڑتی۔“

”نہیں مجھ سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہوگی۔ لیکن مس روٹی میرا خون کھول رہا ہے۔“
”خون ٹھنڈا رکھو۔ عمران کے دوست ہو۔“
”وہ مجھے سرے سے آدمی ہی نہیں معلوم ہوتا۔“

”پہلے میرا بھی بھی خیال تھا۔ لیکن وہ بڑا بھر پور آدمی ہے۔ اچھا تم یہیں بیٹھو۔ میں ذرا دیکھ لوں جیپ چھوڑ گیا ہے ہمارے لئے یا نہیں۔“ روٹی نے کہا اور باہر نکل گئی۔ جیپ موجود تھی اور اکنیش میں کنجی بھی لگی ہوئی تھی۔ اُس نے کنجی اکنیش سے نکالی اور پھر ڈائینگ بیل میں واپس آگئی۔ یہاں ویٹر اسکی طلب کردہ اشیاء میز پر لگا رہا تھا۔ ”یہ کام ہوا ہے اور ہاں سو فٹ ڈرائیکس بھی۔“ اُس نے ویٹر سے کہا اور پھر شلی سے یوں۔ ”جیپ موجود ہے ہم کسی وقت بھی روانہ ہو سکتے ہیں۔“ انہوں نے کھانا شروع کر دیا اور دفتار شلی نے کہا۔ ”بھی ترینی عورت کو دیکھ رہی ہو۔“

”ہاں کیوں نہیں۔ گوشت کے پھاڑ بھی کہیں چھپتے ہیں۔“

”وہ ڈاکٹر فوریل ہے۔“

”اوہ۔ اچھا۔ یہ وہی ڈاکٹر فوریل تو نہیں جس کا میجر ڈیوڈ ٹھا اور شاہزادے کسی نے قتل کر دیا تھا۔“

”ہاں وہی ویسی۔ لاولد عورتوں کو باسراب بنا دیتی ہے۔ لیکن ہمارے فیاض صاحب اس پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔“

”کیا فیاض لاولد ہیں۔“

”یہ بھی ایک ٹریجیدی ہے۔“

”تو تم اس ڈاکٹر سے کیوں نہیں رجوع کرتے۔“

”میں نے چاہا تھا لیکن اُسی دوران میں وہاں ایک قتل ہو گیا اور فیاض نے ارادہ متولی کر دیا۔“

”یہ تواقی بُری بات ہوئی ہے۔“

”کھانا ختم کر کے روٹی نے شلی سے کہا۔ ”میاں بال روم میں چلیں۔“

”مجھے رقص کرنا نہیں آتا۔“

”تو پھر گھر چلتے ہیں۔“

”یہی زیادہ مناسب رہے گا۔ میں وہیں سے گھر فون کر دوں گا کہ ایک دوست کے ساتھ

”کیا ہوں۔“

”بل کی اوائیگی کے ساتھ روٹی نے حسب وعدہ ویٹر کو بھاری پ دی تھی۔“

”کیا تمہاری بیوی زندہ ہے۔“ روٹی نے پوچھا۔

”نہیں، دس سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔“

”مجھے افسوس ہے۔“

”دونوں پاہر نکلے اور روٹی اسے جیپ کی کنجی تھماں ہوئی بولی۔“ گھازی تم تھی چلا گے۔ میں نے پہلے کنجی جیپ ڈرانیو نہیں کی۔“

”اس طرح روٹی کو تھوڑا سا اوٹگھ لینے کا موقع مل گیا۔“

”اپنے فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے شلی کو وہی کی ایک بوش تھماڈی تھی۔“ اُرے میں ایسا پہنچے والا نہیں ہوں۔ پہنچے عمران پھر کہاں غائب ہو گیا۔“ شلی نے کہا۔



”دوسری صبح عمران نے کلاراؤ کسن کو بتایا کہ اُس کی جیکوار سے گفتگو ہو چکی ہے۔ اور وہ اس کے سلسلے میں سر ہو رہا تھا کہہ رہا تھا کہ چار دن کے اندر اندر اس کا سراغ نہ ملا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”میں اس کی لا علیٰ میں یہاں آگئی ہوں۔“

”میاں تم نے اپنے مفرز سے وہ کر ٹلنے نکلوادی ہے ہیں۔“

”نہیں تو...!“

”تو گویا تم جب چاہو خطرناک ہو سکتی ہو۔“

”میری سر خنی پر مختصر ہے۔ فوریل دراصل یہاں اُسی مرکزی مشین کی گمراہ ہے۔“

”میاں میں یہ سمجھ لوں کہ تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش نہیں ہو۔“

”میں آزاد ہوتا چاہتی ہوں۔“

”میاں میں اس سلسلے میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔“

”تم میرے کسی کام نہیں آ سکتے۔ لیکن میں تمہارے کام آتا چاہتی ہوں۔“

”وہ کس طرح۔“

”مٹوکے جزیرے میں واپس چلو۔“

”وہاں فوج پڑی ہوئی ہے۔“

”ہمیشہ فوج نہیں پڑی رہے گی۔ مٹوڈی اثر آدمی ہے جزیرہ اُسے والگزار ہو جائے گا۔“

”چھ ماہاں گ جائیں گے۔“

”جب بھی یہ صورت ہو۔ تم ہمارے کام آسکتے ہو۔ دراصل ہم بھی وہاں اپنا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگانا چاہتے ہیں اور یہ کام تمہاری ہی نگرانی میں بہتر طور پر ہو سکے گا۔“

”بیٹھی انتظار کرتی رہو۔“ عمران نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عمران نے کہا۔ ”تو اب میں تمہارا قیدی ہوں۔ پہلے جیکوار کا تھا۔“

”قطعنہ نہیں۔ تم جب چاہو جاسکتے ہو۔“

”فی الحال تو میں ایک فون کال کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور ضرور دس کالیں کرو۔ لیکن کوئی حرکت نہ ہونے پائے۔“

”محے جو کچھ بھی کرنا ہوتا ہے لکھا کر کرتا ہوں۔“

”عمران نے فون پر روشنی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسرا طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

”میرے دوست کا کیا حال ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ابھی تک بیدار ہی نہیں ہوا۔ پہلی رات وہ کسی کی پوری بوئی مصاف کر دی تھی۔“

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔“

”ارے وہ تو عجیب چیز ہے۔“ روشنی نے کہا اور اس کو کیپن فیاض اور اس کی اشینو کے بارے میں بتانے لگی۔

”بوڑھا خطرناک ہے۔ کہیں فیاض سے الجھنے پڑے۔ تم اسے سمجھا کر کنٹرول میں رکھنا۔“

”آغاہ تو کیا میں اسے منیتے بھر مہمان رکھوں گی۔“

”اس کا میک اپ تو انہار ہی سکتی ہو۔“

”وہ میں نے پہلی رات ہی انہار دیا تھا۔ تم بھی تو کمال کرتے ہو۔“ مجھتر سالہ بوڑھے کو

چالیس سالہ بنا دیا تھا۔“

”اچھی بات ہے جیسے ہی وہ جانے اس سے کہہ دینا کہ گھر چلا جائے اور اسے میری جیپ
ہر گز نہ استعمال کرنے دینا۔“

عمران نے رابطہ مقطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ کال جوزف نے رسیسو کی اور چک کر بولا۔ ”خدا کا شکر ہے تم مل گئے باس.... صحیح سے کہی بار کیپن فیاض کی کال آچکی ہے۔ اُن کا پدر شبیتی کہیں گم ہو گیا ہے۔“

”تونے کیا کہا۔“

”کہتا کیا۔ کہہ دیا کہ باس کئی دنوں سے فلیٹ میں نہیں آئے۔“

عمران نے سلسلہ مقطع کر کے کیپن فیاض کے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ اتفاق سے فیاض گھر ہی پر موجود تھا۔ عمران کی آواز سنتے ہی اڈپٹ کر پوچھا۔ ”شلی خالو کہاں ہیں۔“

”بھیں بدلت کر تمہاری ٹوہ میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔“

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ عمران یہ بہت سیر یں معاملہ ہے۔“

”ہوا کرے میں نہیں جانتا کہ من چلا بوڑھا کہاں ہے اور ہاں تم نے ذپی ڈائریکٹری والی مٹھائی ابھی تک نہیں کھلائی۔“

”آکر کھا جاؤ۔ میں تین بجے تک گھر ہی پر پہوں گا۔“

”یہ ہوئی نابات۔“

دوسرا طرف سے رابطہ مقطع ہو جانے کی آواز آئی اور عمران نہ اسامنہ بنائے گھر اڑا۔ اتنے میں کلارا آگئی اور بولی۔ ”تم پھر سے دہی پھی والا میک اپ کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ پتا نہیں کہ جائی کی یہ مدت کتنی محضہ ہو۔“

”اگر یہ بات ہے تو چلو۔“

”میں وہ تمام جگہیں دیکھنا چاہتی ہوں جہاں جہاں سنگڑا کو رکھا گیا تھا۔“

”لیکن میں آئی ایس آئی کے ڈائریکٹوریٹ میں نہیں جا سکوں گا۔“

”اُس کی فکر نہ کرو۔ اٹھو اور میرا میک اپ کر دو۔“

عمران نے خاصے پر تفکر انداز میں یہ کام انجام دیا تھا۔

"تمہاری کن کن صلاحیتوں کی تعریف کی جائے۔" وہ میک اپ کرنے کے دوران میں بولی تھی۔ "میا تم مجھے اپنے فلٹ میں لے چلو گے۔"

"کیوں نہیں ضرور ضرور۔"

"اور میں وہاں جب تک قیام کرنا چاہوں کر سکوں گی۔"
"بالکل کر سکو گی۔"

"دراصل جیکو اس فلٹ پر قابو پانا چاہتا ہے۔"

"اور ایکس ٹوا بھی بک بالکل خاموش ہے۔ ابھی ہم لوگ ٹھنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ اگر ایکس ٹو کو حرارت آگیا تو تمہاری یہ ٹیم آن واحد میں ختم ہو جائے گی اور یقین کرو کہ وہ غیر ملکی انجمنوں کو گرفتار کرنے کا قائل نہیں۔ وہ انہیں ختم کرائے دریا برد کر دیتا ہے۔"

"خیر میں اس وقت تمہارے ساتھ ایک دشمن کا سارہ تاؤ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں نے چچلی رات تمہیں مہمان بنایا تھا۔"

"شکریہ! میں بھی تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

"میں شاعرہ تھی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتی تھی لیکن تلاشِ معماں مجھے کہاں اور کن حالات میں لے گئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

وہ فوریل کی عمارت سے نکل آئے اور عمران نے سرگوشی کی۔ "اب اسی طرح جھک کر چلتی رہو۔ چلنے کا یہ اتنا کل دلکش ہے۔"

"تمہاری ٹیم میں کتنے فیلڈر کریز ہیں۔" کارا نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ یقین کرو کہ میں ایک قسم کا خبیث ہوں۔ مجھے ملازمت کی ضرورت نہیں لیکن کرتا ہوں اور ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کرتے رہنا میرا یہاں ہے۔"

گاڑی فیاث الیون ہندریٹھ تھی۔ کلا راخود ہی اسے ڈرائیور کر رہی تھی۔

"کیا میں پہلے تمہیں اس لاثری میں لے چلوں جہاں سنگڑا کپڑے دھویا کرتا تھا۔"

"اب باہر ہی سے دکھادیتا۔ میں وہاں کسی سے ملا نہیں چاہتی۔"

"جیسی تمہاری مرضی اب تو تم میری مہمان ہوں۔"

"شکریہ! لیکن مجھے سے ہوشیار ہی رہنا۔"

"اسی پر توجہت ہے کہ آخر تم اس طرح مجھ پر مہربان کیوں ہو گئی ہو۔ یہ تو میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔"

"وقت وقت کی بات ہے ذیر۔"

"اچھا اگر اجازت دو تو پہلے اپنے ایک دوست کی خریت دریافت کر لوں جسے چچلی رات ایک دوست ہی کے حوالے کر آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے پہلے دیں چلتے ہیں۔"

"آج گری ہے دستانے اتار دو۔"

"میں ہمیشہ پہنچتی ہوں اس لئے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اچھا میں تمہیں وجہ بتا رہی ہوں۔ ایک ہاتھ کی انگلیاں کچھ بے ہنگم سی ہیں اسکے میں نے بھی مناسب سمجھا کہ دستانے پہنچنے جائیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔" عمران نے غم تاک لجھ میں کھا اور کلارا ذکسن مسکرا دی۔

اس نے روشنی کے فلٹ سے کچھ ادھر ہی گاڑی رکوائی تھی اور بولا تھا۔ "میں اور جاؤں گا۔ اگر میرا دوست موجود ہوا تو میں اسے جیپ میں بٹھا کر گھر پہنچاؤں گا تم بس پیچھے چلی آئیں۔" اس کے بعد میں تمہیں اپنے فلٹ میں لے چلوں گا۔ تم اردو اچھی خاصی بول لیتی ہو اس لئے وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔"

"چلو جاؤ جلدی کرو۔"

عمران نے روشنی کے فلٹ کے دروازے پر دستک دی دروازہ کھلا لیکن روشنی کا موڑ گزرا ہوا تھا۔

"خریت...!" عمران مسکرا کر بولا۔

"پتا نہیں کہاں کہاں کے کام ٹھک بکاڑا کر میرے سر مار دیتے ہو۔ وہ ابھی تک سورہا ہے۔ کئی بار کوشش کرچکی ہوں۔ واقعی کیپن فیاض کا قادر ان لا ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اگر واپسی پر اسے پوری بوتل نہ پلاؤ دیتی تو یہ تو پڑوس والوں کے لئے مصیبت بن جاتا۔ کہہ رہا تھا کہ اس کا باپ اسی زندہ ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ زندہ دل واقع ہوا ہے۔"

"چلو میں اٹھاتا ہوں اسے۔" عمران نے کہا۔

تلی شنگ روم کے ایک دیوان پر چوت پڑا ہوا تھا اور میک اپ صاف ہو جانے کی وجہ سے انہیں لگ رہا تھا۔ عمران نے اسے بے دردی سے جھنگھوڑ کر بٹھا دیا۔

”مارے ارے بھائی۔ یہ کیا کرتے ہو۔ پس نازک اُست شیشہ دل در کنارہ۔“
”ہوش میں آؤ۔ ورنہ کچھ دیر بعد فیاض پاگل ہو جائے گا۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل اس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔“

”تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے۔“

”بس ایک ضروری کام یاد آیا تھا۔ وہاں پہنچا اور الجھ گیا۔“

”اب میں گھر کیسے جاؤں گا۔“

عمران نے روشنی سے سوڈے کی بوتل طلب کی اور شلی کو زبردستی پلاؤ دی اور گالوں پر تھپکیاں دیتا ہوا بولا۔ ”شabaش اب آنکھیں کھول دو۔ اجھے بچوں کی طرح۔“

”اے تم میرا ملکھہ کیوں اڑا رہے ہو۔“ شلی کو غصہ آگیا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں مسٹر اور سزفیاض کی پریشانیوں کی بات کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اخبار میں ملاش گشہ کا اشتہار بھی آجائے۔“

”اوہ.... میرے خدا اس کا تودھیاں ہی نہیں تھا مجھے۔“ شلی کہہ کر جلدی سے اٹھا اور خود کو سنبھال لئے گا۔

اُدھر روشنی عمران پر گرج بر سر رہی تھی کہ کیسے غنی آدمی کو میرے پر د کر گئے تھے۔ جس بس کھانے پینے کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں۔ میں نے کہا تھا چلو بال روم میں کچھ دیر قص کریں گے لیکن بالکل کورا ہے۔

”اب تم زیادتی کر رہی ہو۔“ شلی نے کہا۔

”زیادتی عمران کی ہے جو تمہیں چالیس سال کا بنا کر لایا تھا۔ اب مجھ سے تمہارے چہرے کی چھریاں گئی نہیں جادیں۔“

”تم جیسی.... عجیب عورت آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ عمران اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ”بھی بھی آتے رہنا۔ روشنی کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

”اپنی بوتل بھی ساتھ لانا۔ میرے یہاں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔“

”اے میں آنے ہی کیوں لگا۔ بڑا چھا بر تاؤ کیا ہے تا تم نے میرے ساتھ۔“

”خواب بد نام بھی کرو گے۔“

”باتیں پھر ہو جائیں گی۔ بس اب تم سے جتنی تیزی سے ممکن ہو یہاں سے کھک چلنے میں دکھاو۔“

”اس رقم سے کام چل گیا تھا یا اور کچھ دوں۔“ عمران نے روشنی سے پوچھا۔

”یہ لو اپنے ذیبوہ سور و پے بنج ہیں۔“ روشنی نے پرس کھول کر نوٹ نکالے۔

”اے نہیں انہیں رکھو۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شلی صاحب نے یہاں بھی تو پی ہو گی۔“

”پوری بوتل صاف کر گئے وہ سکی کی۔“ روشنی نے کہا۔

عمران شلی کو فلٹ سے نکال لایا۔ یہاں سے کار اکی گاڑی نظر آرہی تھی۔ عمران نے ہاتھ اٹھا کر اسے اشارہ کیا اور شلی سمیت جیپ میں بٹھ گیا۔

”لیا گھر پر ہی انتارو گے۔“ شلی نے سوال کیا۔

”پاگل کتنے نہیں کہاں کاتا مجھے۔ جیل روڈ پر انتار دوں گا۔ وہاں سے ٹیکسی کر کے گھر چلے جانا کوئی کچھ نہیں کہے گا اور تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم راتوں کو گھر سے ناہت رہنے کے عادی ہو۔“

”یہ غلط ہے۔“

”غیر کوئی بات نہیں۔ یہ بتاؤ تفریح کیسی رہی۔“

”خاصی۔ لیکن یاد ہے بڑی بھوٹی عورت۔ مجھے گھر لا کر زبردستی پلوائی تھی اور دیوان پر سلا کر خود اپنی خواب گاہ میں چل گئی تھی۔“

”اس نے اسی لئے پلوائی تھی کہ اپنی خواب گاہ میں تھا سو سکے۔“

”اے تو کیا تم مجھے لفڑا سمجھتے ہو۔“

”اے نہیں انکل....“

”اب گالی بھی دو گے۔“

”اگر انکل گالی ہے....“

”بس بس۔ مجھے جیل روڈ پر انتار دینا۔ میں وہاں سے ٹیکسی لے لوں گا۔“

”لیکن خدارا بھالی کو یہ نہ بتائیے گا کہ فیاض صاحب کی رات کی ڈیوبنی کس قسم کی ہوتی ہے۔“

”تم مجھے پچ سمجھتے ہو۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

”لبن اب رحم سمجھے مجھ پر۔“

”بیٹیں روک دو۔“

عمران نے جیپ روکی اور شلی ہڑی پھرتی سے کو درا ایک خالی ٹیکسی کی طرف دوڑ گیا۔ اس کی بوکھلا تھ پر عمران بے ساختہ مسکرا پڑا۔ پھر اپاٹک اُسے خیال آیا کہ کاراڈ کسن بھی اس کے تعاقب میں ہو گی۔ تو پھر اُسے کہاں جانا چاہئے۔ فلیٹ ہی مناسب رہے گا۔ اُس کارویہ امتحن میں بٹلا کرنے والا تھا۔ دشمن بھی تھی اور مہماں بننے کا ارادہ بھی رکھتی تھی۔

جیپ کا رخ فلیٹ ہی کی طرف رہا اور ذہن الجھارہ تازہ ترین حالات میں جیکوار کی دھمکیوں سے تو یہی ظاہر ہوا تھا جیسے کارا اُس کا ساتھ چھوڑ کر غائب ہو گئی لیکن کلاڑا ابھی تک تنظیم سے فسلک معلوم ہوتی تھی۔ ورنہ وہ ان جگہوں کو کیون دیکھنا چاہتی تھی جہاں جہاں سکواو کو رکھا گیا تھا اور پھر یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ موٹکے جزیرے میں دوبارہ پہنچ کر اُس کی مدد کرے۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ اس کا مشن بدستور وہی تھا لیکن جیکوار کے اقتدار سے اختلاف رکھتی تھی۔ بہر حال اس کارویہ بے حد پُر اسرار اور حریت انگیز تھا۔ پہلے بھی عمران کو ایسے کسی دشمن سے مل بیٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا جس نے خود کو اتنی لاپرواہی سے اس کے حوالے کر دیا ہو۔

آخر وہ حقیقت کیا چاہتی تھی۔ بہر حال اگر اس نے اُس کے فلیٹ ہی میں قیام کرنے کی خانی تو کیا ہو گا؟ یہی کہہ کر ساتھ ہوئی تھی کہ وہ اس کے فلیٹ میں قیام کرے گی۔ لاکھ میک اپ میں سکی لیکن وہ اُس کے وجود کو فلیٹ میں کس طرح کھپائے گا۔ اپنے ماتھوں پر بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کاراڈ کسن ہے اور یہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جیکوار پر اُسی کے توسط سے نہاتھ ڈال سکے گا۔ لہذا اس نادر موقع کو بھی ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

فلیٹ کے قریب اس نے جیپ روک دی۔ لیکن سیٹ ہی پر بیٹھا رہا اُسے یقین تھا کہ اب کلاڑا کی فلیٹ بھی آگر اس کے قریب ہی رکے گی۔ لیکن ایسا نہ ہو۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ دور دور میک فلیٹ کا پتہ نہیں تھا۔ وہ جیپ سے اتر آیا اور پھر کچھ دیر میک انتظار کرتا رہا۔ مگر کاراڈ ہاں نہ پہنچ۔ عمران پُری کے روپ میں تھا۔ گلرخ اور جوزف اُسے اسی طیبے میں دیکھے چکے تھے۔ ورنہ وہ

فلیٹ کا رخ ہرگز نہ کرتا۔

دروازہ سلیمان نے کھولا اور عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ ”فرمایے!“

”بہت پیچھے....!“ عمران اُسے دھکا دیتا ہوا اپنی اصل آواز میں بولا۔

”ہا کیس آپ آپ....!“ ڈبوکھلا کر مزید کئی قدم پیچھے پتا ہوا کر اہل۔

”جوس کے کیش انہیوں کی مجلس عاملہ کی صدارت کرنے گیا تھا۔ جلدی سے کافی کے لئے پانی رکھو۔“

”کیہیں فیاض کے فون پر فون آرہے تھے۔“

”آنے والے پر واہتہ کر...!“

”بڑے صاحب کا فون بھی آیا تھا۔“

”میں.....؟“ عمران چوک کر بولا۔

”کل رات کو.... گیدہ بجے....!“

”میا کہہ رہے تھے....!“

”جب بھی آپ آئیں سیدھے کوئی پہنچیں۔“

”آج دوسرا دن ہے۔“ عمران سر بلاؤ کر بولا۔ ”اس وقت وہ آفس میں ہوں گے۔“

سلیمان کچھ کہے بغیر کچن کی طرف چلا گیا۔

عمران میک اپ اتارتی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی... رسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے نوٹی آواز آئی۔ ”تمہاری مگرانی ہو رہی ہے۔ اس لئے میں نے تمہارے ساتھ فلیٹ میں داخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔“

”ظاہر ہے کہ یہ گرفتار کرنے والے تمہاری ہی تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں گے؟“ عمران نے خشک لبجھ میں کہا۔

”میں انہیں جیکوار کے آدمی کہتی ہوں۔“

”ایک ہی بات ہے۔“

”تمہاری سرضی! میں تمہیں اپنی مہماں باتانے پر تیار ہوں۔“

”نی الحال میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔“

”میا وہیں واپس جاؤ گی جہاں قائم تھا...!“
”ضروری نہیں ہے۔ بہر حال جیکو اس کی پہنچ سے دور رہنا چاہتی ہوں۔“
”اس سلسلے میں ہر وقت تمہاری مدد کر سکوں گا۔“

”شکریہ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران نے طویل سائنس کر ریسیور کریٹل پر رکھ دیا۔ اتنے میں گل رخ کافی کی ٹرالی سمیت کرے میں داخل ہوئی۔ ”آخا۔... تو بھی قلاقد کا سلسلہ جاری ہے۔“ عمران نے قلاقد کی پلیٹ کو گھوتے ہوئے کہدی۔ ”نہیں صاحب پہلے کی ہے۔“
”اسے لے جاؤ اور اُسی کے منہ پر مار دے۔“
”تو کیا صاحب بیچ جو ہے یہی کرتا ہے۔“
”آب کرے گا تو جہنم رسید ہو جائے گا۔ میں کوئی مدد نہیں کروں گا۔“
”ظاہر ہے صاحب۔“

”بس تو اسے سمجھا دے کہ اس قسم کے لوگوں کے قریب بھی نہ دکھائی دے ورنہ میں ہی اُس کا انظام کراؤں گا۔“

”بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔“

”ابھی معلوم کروں گا کہ کیوں آیا تھا۔“
”وہ کافی کی چکیاں لیتا رہا۔ اتنے میں فون کی ٹھنڈی پھر بجی۔“

”تھیلو....!“ اُس نے ریسیور اٹھا کر ماڈم تھیں میں کہا۔ دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز آئی۔

”میں گھر جا رہا ہوں۔ جتنی جلدی ممکن ہو تم بھی پہنچ جاؤ۔“
”بہت بہتر جتاب!“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا اور مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے زابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ طویل سائنس لے کر اس نے ریسیور کریٹل پر رکھ دیا۔ رحمان صاحب کی کال کی وجہ سے الجھن میں پڑ گیا تھا۔ لباس تبدیل کر کے آدمی کی جوں میں آنے میں پندرہ بیس منٹ لگے۔

پنج ٹو سیز موجود تھی۔ جیپ وہیں چھوڑی اور ٹو سیز میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ کچھ دور چلے

کے بعد اندازہ ہو گیا کہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس نے لاپرواہی سے شانوں کو چینش دی۔ یہ تعاقب کرنے والا آئی ایس آئی سے بھی متعلق ہو سکتا تھا۔
کوئی کے چھاکن ہی پر چوکیدار نے خصوصیت سے اطلاع دی کہ رحمان صاحب آؤٹ ہاؤز میں ہیں۔

کوئی بہت ایسی معاملہ معلوم ہوتا تھا کہ رحمان صاحب نے اقامتی حصے میں ٹھنے سے گریز کیا تھا۔ وہ سیدھا آؤٹ ہاؤز کی طرف چل پڑا۔ رحمان صاحب مفطر بانہ انداز میں ٹھنے ہوئے تھے۔ عمران پر نظر پڑتے ہی خدوخال میں کر خنکی پیدا ہو گئی۔
”بیٹھو....!“ انہوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”رحمان سلام کر کے موذب بیٹھ گیا۔ بالکل ایسا یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پر اگمری کے طالب علم کی حاضری جلاں قسم کے ہیڈ ماشر کی حضور ہو گئی ہو۔“

”پروفیسر شکور کے کمرے میں تمہارا کیا کام۔“ رحمان صاحب تھر آکوڈ بجھ میں بولے۔
”پپ پروفیسر....!“ عمران ہکلا کر رہا گیا۔

”دیندار ہوٹل کے انس کمرے کی بات کر رہا ہوں جہاں کرٹل کرم بے ہوش پایا گیا تھا۔“
”میں میں کچھ نہیں سمجھا۔“

رحمان صاحب نے اپنے بریف کس سے ایک لفاف نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اسے دیکھو۔“

”عمران کی آنکھوں میں پل بھر کے لئے الجھن کے آثار نظر آئے اور متفوہ ہو گئے۔ اس نے لفاف سے ایک شیٹ نکالا جس پر الگیوں کے نشانات کا عکس لیا گیا تھا۔“

”یہ تمہاری الگیوں کے نشانات ہیں۔“ رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔ ”اور یہ نشانات اُسی کمرے سے اٹھائے گئے ہیں۔“

”عمران طویل سائنس لے کر رہا گیا پھر آہستہ سے بولا۔“ مسکنداو کے کیس کا تلقن سر سلطان کے گھنے سے بھی تھا۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ تم اپاک اُس کمرے میں کیسے جا پہنچ تھے۔“
”دوسرہ معاملہ تھا۔“

”کیسا دوسرا معاملہ...!“
 ”ڈاکٹر فوریل کے ساتھی ڈیوڈ کے قتل کا معاملہ۔“
 ”اس کا اس معاملے سے کیا سروکار...؟“
 ”میں نے کب عرض کیا ہے کہ اس سے کوئی سروکار ہے۔ وہ تو شہلا چوبڑی کی وجہ سے
 میں اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔“
 ”تمہیں ڈیوڈ کے قتل سے کیا سروکار۔ تم تو سلطان کے محلے کے لئے کام کرتے ہو۔“
 ”بس کیا عرض کروں۔ ہر طرح کی پریشانیاں میری جلاش میں رہتی ہیں۔ پتا نہیں کیا
 مقدار لے کر پیدا ہوا ہوں۔“
 ”بکواس نہنے کے لئے میں نے تمہیں نہیں بیلایا۔“
 ”جی دراصل... ڈیوڈ کی لاش میں نے ہی دریافت کی تھی۔“
 ”وہ کس طرح؟“
 ”کیپین فیاض کے خر شبی صاحب مجھے وہاں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ڈیوڈ ان کا دوست
 تھا اور وہ اسی کے توسط سے بیگم فیاض کا علاج ڈاکٹر فوریل سے کرانا چاہتے تھے۔“
 ”علمی سے تمہارا کیا تعلق...!“
 ”بس کیا عرض کروں، خواہ خواہ میرے لگے پذگئے ہیں۔ پھر فیاض سر ہو گیا کہ میں ڈیوڈ
 کے سلسلے میں اس کی مدد کروں۔ چونکہ ڈاکٹر فوریل اور ڈیوڈ شہلا چوبڑی کے بھی دوست تھے
 اور اس لئے میں نے اس گھرانے پر بھی نظر رکھی اور جیسے ہی پروفیسر شکور جیسا پراسرار کروار
 شہلا چوبڑی کے توسط سے سامنے آیا مجھے اس میں دلچسپی لیتی ہی پڑی۔ ایک رات اس کی عدم
 موجودگی میں دینبار ہوٹل والے کمرے کی تلاشی لی تھی اور بس نشانات وہاں رہ گئے ہوں گے۔“
 ”یہ نشانات، آئیں آئیں آئیں والوں نے بھی اٹھائے ہیں۔“

لنجہ میں کہا۔
 ”اور یہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ آئی ایس آئی والے تمہیں جکڑنے کی کوشش
 کر رہے ہیں۔“
 ”یہ سر سلطان کا درود سر ہے۔ آپ فکرنا کریں۔“
 ”جنھے کرتل فیضی نے اس کی اطلاع دی تھی۔“
 ”بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر کرتل فیضی مجھ سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتے۔ یہ
 تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کسی غنی خلافت کی بناء پر میرے باپ سے رابطہ قائم کیا گیا ہو۔“
 ”فضل باتیں مت کرو۔ وہ لوگ اسے اپنا کیس سمجھتے ہیں۔“
 ”سمجھا کریں! میں تو اپنے ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کی بات سنتا ہوں۔“
 ”تو تم باقاعدہ طور پر...!“
 ”جی ہاں! اب تو کپکی فوکری ہے۔“
 ”تم موٹ کے جزیرے میں کیسے پہنچ اور وہ حملہ آور کون تھے جن کا سراغ کوست گارڈز کو
 نہیں مل سکا۔“
 ”سوال یہ ہے کہ اسٹکنگ کے چکر میں آئی ایس آئی والوں کو کیا سروکار۔“
 ”ند ہوتا اگر مٹاویے تین افراد کا ذکر نہ کرتا جن پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تو اور جنہوں
 نے گن بولٹیں الٹ دی تھیں۔“
 ”اوہ...!“ عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔
 رحمان صاحب اسے جواب طلب نظرؤں سے دیکھتے رہے۔ آخر عمران نے کہا ”میں ان
 لوگوں کا قیدی تھا جنہوں نے سنگڑا دوں کا چکر چلا رکھا ہے۔“
 ”سنوا!“ رحمان صاحب تیز لنجہ میں بولے۔ ”میرے لئے کی حوالات میں ہے اور میری
 اُس سے براہ راست گفتگو ہوئی ہے۔ تم حملہ آوروں کی کمائی کر رہے تھے۔“
 ”وہ بکواس کرتا ہے۔ انہوں نے مجھے اُس سے گفت و شنید کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔
 کیا اُس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے ہی اُس سے کوست گارڈز کو اطلاع دینے کا مشورہ دیا تھا۔ شامد اس
 نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جزو فخد اُس کا قیدی تھا اور یہ کہ وہ خرکاری بھی کرتا ہے۔“

دوسرا گاہ۔

”کرٹل فیضی براؤ راست تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔“

”ویکھا جائے گا۔“

”تم آج رات آٹھ بجے سرومنز کلب میں اس سے ملو گے۔“

”یہ آپ کا حکم ہے؟“

”بھی سمجھ لو... میں کسی قسم کا الجھاد اپنے نہیں کروں گا۔“

”بہت بہتر۔“ عمران نے کہا۔



عمران نے سر سلطان کو اپنی رپورٹ پیش کر دی اور فلیٹ واپس پہنچا ہی تھا کہ فون کی کھنثی بھی۔ جیگوار کی کال تھی۔ اُس نے کہا۔ ”اگر تم ہمارے اڑے کی نشاندہی کر بھی دو تو اب تمہیں وہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔“

”میں جانتا ہوں۔ اسی لئے میری رپورٹ بھی وہ نہیں ہے جو ہونی چاہئے تھی۔“

”واقعی سمجھدار آدمی ہو۔“

”تم آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ عمران نے سوال کیا۔

”فی الحال مجھ سے معلوم ہونا چاہئے کہ کاراڈ کسن کہاں ہے؟“

”بڑی عجیب بات ہے کہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“

”ہاں تم سے ملاقات سے قبل اس کے روئے میں کبھی پچیدگی نہیں نظر آئی تھی۔“

”اگر وہ تمہاری ماحت ہے تو تمہارے روئے میں اسکی بے ہمی محل نظر ہے۔“

”فضل بالتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ اُس کا پتا تاکہ درست بہت بڑے خسارے میں رہے گے۔“

”اگر وہ تم سے بھاگ رہی ہے تو اتنی احتیاط نہ ہو گی کہ مجھے اپنایا بتا دے۔“

”اُبھی تین دن کی مہلت باقی ہے۔“

”ٹھہر دو۔ رابطہ منقطع نہ کرنا۔“ عمران نے کسی قدر سخت لمحے میں کہا۔

”آہا تو تم میرا فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لیکن تمہیں اس میں باتا ہی ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

عمران انہیں بتانے لگا کہ جو زف کس طرح موٹے گزیرے مک پہنچا تھا۔

”اس نے تمہارے صرف کسی سیاہ قام ملازم کا ذکر کیا تھا۔“ رحمان صاحب پوری روداویں کر بولے۔

”اُس سے اندازہ لگا جائے کہ وہ...!“

”اس کے باوجود بھی۔“ رحمان صاحب اُس کی بات کاٹ کر بولے۔ ”تمہارا ان کا قیدی ہوتا تابت نہیں ہوا تکونکہ موٹے کیاں کے مطابق تم میک اپ میں تھے۔“

”جی ہاں! میں میک اپ میں تھا اور ان کے ایک کار پر داڑ کا تعاقب کر رہا تھا کہ ڈارٹ گن چلا کر مجھے بیہوش کر دیا گیا... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک غار میں پایا اور مجھے بتایا گیا کہ میں کن لوگوں کا قیدی ہوں وہ مجھ سے اُس سنگرواد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جو آئیں آئی کے ڈائریکٹر جزل کے ہاتھوں اپنے انعام کو پہنچا تھا۔ اس کے بعد ایک مرحلے پر مجھے کھانے میں بے ہوشی کی دوادی گئی۔ پھر آنکھ کھلی تو اُس ٹرال پر تھا اور انہوں نے میرا میک اپ بھی نہیں اتنا تھا۔“

”کرٹل فیضی کو اس کہانی پر یقین نہیں آئے گا۔“

”بس اب کرٹل فیضی کا ذکر ختم کیجئے۔ میں ان کو جواب دے نہیں ہوں اور پھر جس حد تک معلومات فراہم کر سکا ہوں ان سے ہر متعلقہ ادارہ بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ آخر وہ براؤ راست مجھ سے رابطہ کیوں نہیں قائم کرتے۔“

”سنو!“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”سلطان اس کیس کا فائل بند کر چکے ہیں۔

سنگرواد کی موت کے بعد سے انہیں اس کیس سے کوئی سر دکار نہیں رہا۔ لہذا تم بھی اب تک کی معلومات آئیں آئی والوں کے حوالے کر کے دستبردار ہو جاؤ۔“

”سر سلطان کی طرف سے ابھی تک مجھے اس سلسلے میں کوئی پداشت نہیں مل۔“

”مل جائے گی۔“ رحمان صاحب کسی تدر غصب تاک ہو کر بولے۔

”بس تو پھر میرا کام بھی ختم۔ میں اپنی زپورٹ سر سلطان کو دوے دوں گا۔ وہ اُس رپورٹ کو آئیں آئی کے ڈائریکٹریٹ تک پہنچا سکتے ہیں۔ میں کسی کے سامنے حاضر ہو کر بیان نہیں

اے اس کی بھی پرواد نہیں رہ گئی تھی کہ اس کا تعاقب کون کوں کر رہا ہے۔

پچھہ دیر آرہم کرنے کے لئے شنگ روم سے اٹھ ہی رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بیگی۔

”بیلو...!“ اس نے رسیور کریڈل سے انھیاں دوسرا طرف سے کمپن فیاں کی آواز آئی۔
”میں تمہارا منتظر ہوں۔“

”تمہارے خر صاحب ملے یا نہیں...!“ عمران نے چک کر پوچھا۔

”آگئے ہیں۔ پچھلی رات کسی دوست کے یہاں رہ گئے تھے۔ تم کب آ رہے ہو۔ مٹھائی کھانے۔“

”آج مشکل ہے۔ کل سکھی۔“ عمران نے کہا۔ ”ویسے کوئی خاص بات ہو... تو بتاؤ۔“
”ڈیوڈ کا مسئلہ...!“

”یار فیاض مجھے مت گھسیٹو اس معاملے میں۔ تمہارے خر صاحب مجھے وہاں گھیث کر لے گئے تھے۔“

”تم ملو تو۔ تمہاری لئے کسی الجھن کا باعث نہیں ہوں گا۔“
”اپنی سیکریٹری ماریا کے بارے میں تو...!“

”عمران پلیز... شٹ اپ!“ دوسرا طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔
سڑا ہے سات بجے شب کو وہ فلیٹ سے باہر نکلا اور ٹو سیٹ سنبھالی۔ سر دم ز کلب تک پہنچے
میں دس بارہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔

”اے اس میز تک پہنچا دیا گیا جو کرتل فیضی کے لئے مخصوص تھی۔ کرٹل فیضی ابھی نہیں
آیا تھا۔ آٹھ بجے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔“

ٹھیک آٹھ بجے وہ دکھائی دیا اور سید حافظی میز کی طرف چلا آیا۔ عمران نے اٹھ کر مصافحہ
کرتے ہوئے کہا۔ ”قبل والد صاحب کی بہانت کے مطابق۔“

”شکریہ مشر عمران! کچھ ہی دیر پہلے مجھے آپ کی روپورٹ سر سلطان کے توسط سے ملی ہے۔“
”بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہنے کو...!“

”میں اس کارپروڈاکٹ کے متعلق معلوم کرنا چاہوں گا جس کا تعاقب کرتے ہوئے آپ ان کے
قیدی بن گئے تھے۔“ کرٹل فیضی نے کہا۔ اور دیگر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کی بہایت کی۔

”نہیں! میں تم سے صرف یہ پوچھتا چاہتا ہوں کہ مٹو کے جزیرے کے سلسلے میں مجھے
استعمال کرنے میں کیا مصلحت تھی۔“

”سامنے کی بات ہے مشر عمران۔“ جگوار کے لجھے میں تسترخ تھا۔ ”میں تمہیں یہ بادر کرانا
چاہتا تھا کہ تمہاری مرضی کے خلاف بھی تم سے کام لے سکتا ہوں۔“

”صرف اسی حد تک کہ مجھے مٹو کے جزیرے میں پہنچا دیا۔ لیکن کیا اس پر تمہارا قبضہ ہو سکا؟“
”لیکن وہ مقصد حاصل ہو گیا جو اس مرحلے کے بغیر ناممکن تھا۔“

”کیا مطلب....!“
”میں کوئی گارڈز کے اس دستے کو اس کے اصل مقام سے ہٹانا چاہتا تھا وہ مٹو کے
جزیرے میں پہنچ گیا۔“

عمران سر کھج� کر رہا گیا۔ اور جگوار بولا۔ ”ابد کیا خیال ہے۔ اس لئے تمہیں استعمال کیا گیا تھا
کہ اگر مٹو اس پر راضی نہ ہو تو تم یہ کوئی گارڈز کے اس دستے کو مٹو کے جزیرے کی طرف
متوجہ کر دو۔“

”اور مجھے اپنی اس چال سے آگاہ بھی کئے دے رہے ہو۔ گویا اس میں بھی کوئی چال ہے۔“
عمران طوبی سانس لے کر بولا۔

ایک استہرا ایسیہ تھیہ کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔
عمران نے نہ تکڑا انداز میں رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس نے سر سلطان کو جور پورت دی
تھی وہ اس بیان سے مختلف نہیں تھی جو رحمان صاحب کو دے چکا تھا۔ وہ کسی طرح بھی اس کا
اعتراف نہیں کر سکتا تھا کہ اسے کرتل مکرم کا رول ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جگوار کا روایہ
چکر دینے والا تھا۔ آخر وہ حقیقتاً کیا چاہتا ہے۔ اگر مارا جانے والا سنگڑا گرین فائل تھرٹین کے
حصول کے چکر میں تھا تو اب جگوار کا طریق کارہاس سلسلے میں کیا ہو گا؟ لیکن کیا حقیقتاً وہ صرف
گرین فائل تھرٹین کا تقسیہ تھیا اس کی آڑ میں کسی اور مقصد کے حصول کی کوشش کی جا رہی
تھی۔ جگوار کا طریق کار زمانہ قدیم کے عیاروں کا سالگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس میں
سر کھپاتا رہا پھر لاپرواہی سے شانوں کو جنمیں دی۔

اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آج شب کو آٹھ بجے کرتل فیضی سے ضرور ملے گا۔ اور اب تو

"او پھر انہوں نے آپ کو اپنے راستے سے ہٹا دیئے کی بجائے آپ سے سفارتکاری کرنے کی تھان لی۔ آپ کو مٹو کے جزیرے سے میں بھجوایا۔ حالانکہ وہ یہی کام اپنے ہی کسی آدمی سے لے سکتے تھے۔"

"بالکل ٹھیک! لیکن ان کا کوئی آدمی مٹو کو یہ مشورہ نہ دے سکتا کہ وہ کوست گارڈز کی بدو طلب کرے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کوست گارڈز کا وہ دستہ کہاں تھیں تھا جو بلا خروہاں سے مٹو کے جزیرے میں منتقل ہو گیا۔" "میں آب بھی نہیں سمجھا مسٹر عمران...!"

"انہیں مٹو یا اس کے جزیرے سے کوئی سڑکار نہیں تھا۔ دراصل وہ کوست گارڈز کے دستے کو اس کے اصل مقام سے ہٹانا پڑتے تھے۔"

"آپ بڑے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ سامنے کی بات ہے۔ انہیں مجھے قتل کر دینا چاہئے تھا لیکن انہوں نے مجھ سے سفارت کاری کرائی۔ مٹو اپنی غیر قانونی حشیش کی کاشت کی وجہ سے کوست گارڈز کو جزیرے میں ہرگز نہ طلب کرتا خواہ اس پر کچھ گذر جاتی۔ یہ کام میں ہی کر سکتا تھا۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے۔ مسٹر عمران۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کوست گارڈز کا دستہ جس کو انشت سے آیا تھا اس کی کیا اہمیت ہے۔ معلوم کئے بغیر میں بھی نہ بتا سکوں گا۔" کرٹل فیضی نے طویل سانس لے کر کہا۔

دیتر کافی لے آیا تھا۔ عمران اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور کرٹل فیضی نے کسی تدر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو کھانے کا وقت تھا۔ میں نے کافی طلب کر لی۔"

"کھانے کی خواہش نہیں ہے۔" عمران نے کہا اور پیالیاں سیدھی کرنے لگا۔ پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے تھے۔ کرٹل فیضی کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔

"آپ کے لئے معلومات فراہم کر کے میں بری الذمہ ہوں۔" عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میرے ملکے نے سنگرو اکی موت کے بعد اس کیس کا فائل بند کر دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے مسٹر عمران کہ اس مرطے پر ہم آپ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہ

"اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ وہ ایک بار کاراؤکس کے ساتھ دکھائی دیا تھا۔۔۔ کاراؤکس کے کیس سے تو آپ واقعہ ہی ہوں گے۔"

"جی ہاں۔۔۔ وہ سائیکلو میشن سے نکل گئی تھی۔"

"بہر حال اس کا وہ ساتھی دوبارہ دکھائی دیا تو فطری طور پر میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے مھکانے کا سراغ لگانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کا تھاکر کرنا۔"

"کسی کی ڈارٹ گن کے شکار کس طرح اور کہاں ہوئے تھے۔" کرٹل فیضی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

عمران کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ لیکن اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بیشل پارک کے پاس اس نے گاڑی روکی تھی اور اتر کر پارک میں چلا گیا تھا میں نے بھی

لیکھی رکوانی اور اس کے پیچھے چلن پڑا۔ وہ پارک کے ایک ویران گوشے میں پہنچا وہیں کسی نے عقب سے بھج پڑا۔ ڈارٹ گن چلائی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا مسٹر عمران کہ آپ وہ کھا گئے تھے۔ یعنی وہ خود ہی آپ کو اس دریان گوشے میں لے گیا تھا کہ....!"

"جی ہاں۔ اور کیا۔" عمران جلدی سے بولا۔

کرٹل فیضی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ مودار ہوئی اور اس نے کہا کہ "آپ کے جو کارنا سے میرے علم میں ہیں مسٹر عمران اُن کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ.... خیر چھوڑ دیجیے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہئے ہیں۔" "میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ سے اس کی موقع نہیں کی جاسکتی کہ آپ اس طرح وہ کا کھا جائیں گے۔"

"تو پھر یہ بکواس ہی ہو گی....؟" عمران نے احتقانہ انداز میں کہا۔

"مسٹر عمران....!"

"لیں کرٹل فیضی!؟"

"آپ ان غاروں کی نشاندہی نہیں کر سکتے جہاں آپ کو لے جایا گیا تھا؟"

"یقیناً نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے علم نہیں کہ کس طرح وہاں پہنچا تھا۔"

کر علی فیضی بولا۔ ”یہ پورا معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔“
”ہونا ہی چاہئے! غالباً آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ آرمی ہیڈ کوارٹر کے ہیلی کوپرز کو بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔“

”ہاں۔ لیکن اب اسے ناممکن بنادیا گیا ہے۔ ہم نے ان کے اجھنوں کو پکڑ لیا ہے۔“
”میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہمیں احساس بے بی میں جتنا کرنا چاہتے ہیں۔“ عمران نے پر تکفیر لجھے میں کہا۔ ”ورنہ اسپائی ورک میں پبلیشی کو کیا دخل۔ ہم شروع ہی سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ صرف اپنی پبلیشی کر رہے ہیں۔ پہلے سنگواد... پھر گرین فائل تھرٹن کا معاملہ اگر انہیں وہ فائل چاہئے تھا تو خاموشی سے اُسے چوری کرالیں کی کوشش کرتے۔“

”یہی تو شب سے بڑی ا江山 ہے۔“

”یہ بالکل ہی نئے قسم کی سائنسنیک جنگ ہے۔ اگر یہ بڑے پیمانے پر پھیل جائے تو پوری قوم کو احساس بے بی میں جتنا کر سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مٹو کے جزیرے والا معاملہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔“

”واقعی مسٹر عمران ہم نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا۔“
”اب سمجھئے۔“

گاڑی ساحل کی طرف جانے والی سڑک کے ایک سنان حصے سے گذر رہی تھی۔ اچانک انہیں آگے ایک گاڑی نظر آئی جو بیمیں جانب سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ ڈرائیور گ سیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس سے کسی آدمی کا آدھا دھڑ نیچے لکھا کھائی دے رہا تھا۔

کر علی فیضی نے اس کے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی اور مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”شائد وہ مرچکا ہے۔“

دونوں گاڑی سے اتر کر اس کا رکی طرف بڑھ رہے تھے کہ کر علی فیضی لاکھڑا اکر گر پڑا۔ پھر عمران نے بھی اپنی گردن میں تیز قسم کی چھپن محسوس کی اور یہی سوچتے سوچتے کوچھ ڈارٹ گن سے سالیبہ پر گیتا تارکوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ دونوں پر بے آواز ڈارٹ گن سے فائر کئے گئے تھے۔

کر علی فیضی گے۔“

”اچھا تو بتائیے کہ گرین فائل تھرٹن کی کیا اہمیت ہے۔“

”اگر وہ ہمارے کسی دشمن کے ہاتھ لگ جائے تو کئی ملکوں سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں۔“

”یعنی وہ ممالک جو اقوام تجده میں ہماری حمایت کرتے ہیں غیر جانبدار ہو جائیں گے۔“

”اس سے بھی زیادہ مسٹر عمران۔ تاپ سیکرٹ فائل ہے۔“

”اور وہ اس کی تاک میں ہیں۔“

”اسی بنا پر ہمیں سوچنا پڑ رہا ہے کہ یہ لوگ نہیں ہیں جن کا شہر ہمیں پہلے ان پر تھا۔“

”ہیں تو وہی۔ لیکن ان کا سر براد ڈیل اجھت ہو سکتا ہے۔“ عمران نے پر تکفیر لجھے میں کہا۔

”یعنی دوسرے یک پ نے بھی اس کا رابطہ ہو سکتا ہے۔“ کر علی فیضی چوک کر بولا۔

”بالکل ہو سکتا ہے۔ کر علی صاحب! اور اب تو یاے فری لانرز بھی پیدا ہو چکے ہیں جو ایک ملک کے راز چراکر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔“

”ہاں مجھے علم ہے۔“

”بہر حال آپ معلوم کیجئے کہ مٹو کے جزیرے میں بھیجا جانے والا دستہ کہاں مقین تھا۔“

”اُن بھی کو سٹ گارڈز کے ہیڈ کوارٹر چل کر معلوم کر لیں گے۔“ کر علی فیضی نے کہا۔

”تو گویا آپ چاہتے ہیں کہ میں فیلڈ میں رہوں۔“

”بالکل چاہتا ہوں مسٹر عمران۔“

”تب پھر میرے لمحے سے باقاعدہ طور پر اجازت دلوائیے۔“

”یہ بھی ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔“ فیضی نے کہا۔ ”فی الحال ہم کو سٹ گارڈز کے ہیڈ کوارٹر میک چلیں گے۔“

”جیسی آپ کی مرضی؟“

کافی ختم کر کے وہ اٹھ گئے۔ کر علی فیضی نے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی گاڑی کلب کی کپاڈنڈ میں چھوڑ کر اس کی گاڑی میں چلے۔ عمران نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

کر علی فیضی خود ہی ڈرائیور رہا تھا اور عمران اُس کے برا بر والی سیٹ پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد



پھر پہلے عمران ہی ہوش میں آیا تھا۔ کرتل فیضی دوسرے بستر پر غافل پڑا تھا۔ اچھی خاصی سجائی خواب گاہ تھی۔ عمران نے بستر سے اتر کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ پھر واپس آکر بستر پر بیٹھ گیا اور پتہ تشویش نظروں سے کرتل فیضی کو دیکھنے لگا۔ پہلے سوچا اسے بیدار کرنے کی کوشش کرے۔ پھر اسے نامناسب سمجھ کر باتحدر روم کی راہ لی۔ اور ابھی باتحدر روم ہی میں تھا کہ کرتل فیضی کو چیخ چیخ کر دروازہ پیشئے ہوئے سن۔ اس کے اندازی پین پر وہ مسکراتے بغیر نہ رہ سکا۔

باتحدر روم سے لکھا تو فیضی اسے ذکر کر پہلے تودم بخود رہ گیا۔ پھر غصیلے لمحے میں بولا۔ ”اس حرکت کا مطلب!“

”سبحان اللہ! تو آپ مجھے اس حرکت کا ذمہ دار سمجھ رہے ہیں۔“ عمران مسکرا کر بولا۔

”تم اسی طرح مطمئن نظر آرہے ہو۔“ ”میں فیلڈ ور کر ہوں کرتل۔ میبل ورک نہیں کرتا۔ آئے دن اس قسم کے مراحل سے مجھے گذرنا پڑتا ہے۔“ بہر حال اس بار آپ پر بھی ان کی ڈارٹ گن چل گئی۔

”کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے پروگرام سے بروقت آگاہ ہو کر ہمیں راہ میں گھیرنے کی کوشش کرتے۔“ ”آپ کہتا کیا چاہتے ہیں۔“ ”تم خود ہی ڈبل اجیٹ تو نہیں ہو۔“

”بفرض محال یہ درست بھی ہو تو میں کس طرح انہیں آگاہ کر سکتا کہ ہم کہاں جانے کے لئے کدھر سے گذرنے والے ہیں۔ ایک بل کے لئے بھی میں ادھر ادھر نہیں ہوا تھا۔“ ”یہ بھی درست ہے۔ پھر یہ کیوں نکر ہوا۔“

”وہ آپ کی مخصوص میز تھی۔ یعنی مستقل طور پر آپ کے لئے مخصوص رہتی ہے۔“ ”ہاں، ہمیشہ...!“

”تو پھر اس میں کوئی ایسی ڈیو اسکے چھپائی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ اس پر ہونے والی حکمتگو

کہیں اور بھی سفی جاسکے۔“

”ہاں! یہ ممکن ہے۔“

”تو پھر میرے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ پہنچ۔“

کرتل فیضی نے خاموشی اختیار کری۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

” غالباً آپ بھی باتحدر روم جانا پسند کریں گے۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا اور کرتل اسے گھوڑ کر رہ گیا۔

لیکن بہر حال اسے بھی باتحدر روم جانا ہی پڑا تھا اور وہ باتحدر روم ہی میں تھا کہ خواب گاہ میں جیکوار کی آواز گوئی۔ ”ہمہانوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

”عمران خاموش بیٹھا رہا اور کرتل فیضی نے باتحدر روم سے رآمد ہو کر پوچھا۔ “یہ کون بولا تھا۔“

”سامنے والی دیوار سے آواز آئی تھی۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”عقل میں آنے والی بات کرو۔“

”کرتل پلیز... آپ سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی کشٹی پر سوار تھے اور آپ کی وجہ سے میں بھی زوب رہا ہوں۔ آخر میں نے اسے کیوں منظور کرایا تھا کہ آپ کے ہنگے کے لئے کام کروں گا۔“

”تھمارے بارے میں میں کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”اچھا تو پیارے کرتل جھک مارتے رہو۔“

کرتل فیضی یقین و تاب کھا کر رہ گیا۔ اچھاک اُسی وقت دوبارہ جیکوار کی آواز آئی۔ ”لب تم دونوں ناشتہ کزو گے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ رہداری میں با میں جاتب ڈرانگ روم ہے۔“

کرتل فیضی نے چیخ کر کہا۔ ”تم کون ہو۔ سامنے آؤ۔“

لیکن جواب میں اس نے کچھ بھی نہ سن۔ البتہ دروازے کے دونوں پاٹ کھل گئے تھے۔

”میں خواہ مخواہ تاؤ کھا کر اپنی ازبی ضائع نہیں کر سکتا۔“ عمران نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کسی قدر چکچاہت کے ساتھ کرتل فیضی نے بھی اس کی تکلید کی تھی۔

وہ چیخ اس کرے میں پہنچ گئے جہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔

”وہ میں ہی سمجھی۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن مہمان نواز معلوم ہوتے ہیں۔“

کر گل فیضی کچھ نہ بولا۔ اب اس کے انداز میں ہچکپاہٹ پائی جاتی تھی۔ عمران نے کری سنجالی لیکن وہ کھڑا رہا۔
”کرتل صاحب!“ اُس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”آپ کو میرے روئے پر حیرت نہ ہوئی چاہئے۔ کیونکہ میں ایک بار پہلے بھی اس مہمان نوازی کے مزے لوٹ چکا ہوں۔“

کر گل فیضی کچھ کہے بغیر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عمران نے اٹھے کا سینڈوچ بناتے ہوئے کہا۔ ”جلدی سمجھے۔ ورنہ سب کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔“
”سوال تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔“ کر گل فیضی چھپھلا کر بولا۔
”میں نہیں جانتا۔“ کہہ کر عمران سینڈوچ کھانے لگا۔ کرتل بدستور ہاتھ روکے بیٹھا رہا۔
آخڑ کچھ دیر بعد بولا۔ ”تم ناشتہ کرو، میں اس عمارت کو دیکھوں گا۔“

عمران نے کچھ کہے بغیر شانوں کو جبکش دی اور دوسرا سینڈوچ بنانے لگا۔ کرتل کمرے سے نکل جانے کے لئے اٹھ گیا تھا۔ عمران نے اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس طرح ناشتے میں مشغول رہا جیسے اپنے قلیٹ میں بیٹھا ہوں۔

قریباً پندرہ منٹ بعد کرتل واپس آگیا۔ عمران کافی کی دوسری پیالی پی رہا تھا۔
”خاصی بڑی عمارت ہے لیکن سادے دروازے مقفل ہیں اور ہم دونوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔“ کرتل نے بیٹھ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ شاہد وہ پندرہ دروازوں پر زور آزمائی کرتا رہا تھا۔
”پھر عرض کروں گا کہ ناشتہ کر لیجئے۔“ عمران بولا۔

اس بار کرتل نے اُس کی رائے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ عمران نے اُس کے لئے سینڈوچ بنائے اور کافی انٹیلینے لگا۔
ناشتر کرنے کے انداز میں بھی ہچکپاہٹ تھی لیکن جیسے تیسے کرتل فیضی نے ایک سینڈوچ حلق سے انبار کافی کی پیالی سنبھالی۔

دفعتاً ہلکی سی کھکھراہٹ کر کے میں گونجی اور عمران آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ یہ علمات تھی اس امر کی کہ اب جگوار کی آواز بھی سنائی دے گی۔

”کرتل فیضی! میری بات دھیان سے سنی جائے۔“ جگوار کی آواز آئی اور کرتل فیضی پیالی

میز پر رکھ کر دیوار کے اُس مخصوص حصے کو گھورنے لگا جس سے آواز آئی تھی۔
”مسٹر عمران کو میری قید کا تجربہ ہے۔“ آواز پھر آئی۔ ”اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اپنے مطالبات منوائے بغیر نہیں رہتا۔“
”تم ہو کون۔“ کرتل فیضی غرایا۔
”جیکو اور کھلاتا ہوں۔ مجھے آج تک کسی نے دیکھا نہیں۔ میرے ماتحت میری آواز کے پاندی ہیں۔“
”کیا چاہتے ہو؟“

”اگرین فائل تھرٹین کی مکمل نقل۔“
”تم سمجھتے ہو کہ مجھے مر عوب کر سکو گے۔“
”نہیں کرتل۔ ہم سائنسیوں کے طریقوں سے دوسروں کا تعاون حاصل کرتے ہیں۔“ مسٹر عمران کو اس کا بھی تجربہ ہو چکا ہے۔“
”تم مجھ پر اپنا ہر طریقہ آزمائے ہو۔“
”مجھے کچھ ایسی زیادہ جلدی نہیں ہے کرتل۔ ابھی تو تم میری میز پانی قبول کرو۔“
کرتل فیضی نے عمران کی طرف دیکھا۔ جو مجھے سے پیالی بجانے میں صرف تھا۔ جگوار کی آواز پھر آئی۔ ”عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش کا دوسرا نام موت ہو گا۔ تم دونوں محتاط رہنا۔“
”میری بھی ایک بات سن لو۔“ دفعتاً عمران سر بلکر بولا۔
”ضرور۔ ضرور۔ تمہاری خاموشی پر مجھے حیرت تھی مسٹر عمران۔“ جگوار کی آواز آئی۔
”اس تماشے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ گرین فائل تھرٹین کا حصول تمہارا اصل مقصد نہیں ہے۔“
”اچھا تو پھر تمہاری دامت میں ہم کیا چاہتے ہیں۔“
”ابھی تک میں یہ نہیں معلوم کر سکا۔“
”تم نے معلوم ہی کیا کیا ہے مسٹر عمران۔“
”یہی کہ تم ہمیں کچھ بادر کرنا چاہتے ہو۔“
”کیا بادر کرنا چاہتے ہیں مسٹر عمران۔“
”فی الحال میں اس پر روشنی نہیں ڈال سکوں گا۔“

”مسٹر عمران! ہو سکتا ہے کرتل کو رہائی نصیب ہو جائے۔ لیکن اب تم اس وقت تک میری قید میں رہو گے جب تک کہ مجھے کلاراڈ کسن کا سراغ نہیں مل جاتا۔ اور ایک بار پھر سن لو کہ باہر نکلنے کی کوشش مت کرتا یہاں کے سارے دروازے اور کھڑکیاں لو ہے کی ہیں جن میں اب برقی رو دوڑ رہی ہے۔“

کرتل فیضی دانت پیس کر رہا گیا اور عمران نے عجیب انداز میں سر کو جبکش دی۔ اس کے بعد جیکوار کی آواز نہیں آئی تھی۔ کرتل فیضی بہت غور سے عمران کو دیکھے جا رہا تھا۔ آخر کار آہستہ سے بولا۔ ”کلاراڈ کسن کا کیا حصہ ہے۔“

”پتا نہیں کیوں جیکوار اس وہم میں بٹلا ہو گیا ہے کہ میں کلاراڈ کسن کو اس کے خلاف درغلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”جیکوار کے بیان کے مطابق وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر عاشر ہو گئی ہے۔“

”اس کے پاس تمہارے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے کوئی ٹھوس نیاد ہو گی۔“

”مجھ سے زیادہ مجھ کوں جان سکتا ہے۔“

”اگر تم نے اس مرطے پر مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو پچھتاوے گے۔“

”آس بد بخت نے آپ کو میری طرف سے مزید بدگمان کر دیا۔ شامد اس میں بھی کوئی چال ہو۔“

کرتل خاموشی سے اُسے دیکھا رہا۔ عمران نے جیب سے اپنا قلم نکالا اور ہتھیل پر لکھنے لگا۔ یہ صرف اس حد تک صحیح ہے کہ اُس کلاراڈ کسن نے اپنی موجودہ زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔

بہر حال گنتیگا لاب لاب بی تھا کہ وہ جیکوار اور اس کی تنظیم سے چھکارا حاصل کرنا چاہتی ہے۔

کرتل نے تحریر دیکھ کر سر کو جبکش دی اور اشارہ کیا کہ وہ کافی کے پانی سے تحریر ڈھونڈا۔

اس کے بعد وہ کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔ پھر کرتل نے اٹھنے ہونے کہا تھا۔

”پتا نہیں میری گاڑی کا کیا حشر ہو۔“

”یا آپ بنے اپنے روزنامے میں تحریر کیا تھا کہ مجھ سے مٹے والے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں! یہ قطفی نجی طور پر ہوا تھا۔“

”تو گویا اب کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکے گا....!“ عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

کرتل اُسے استفہامی نظر دوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

”یعنی اب بچنس ہی گئے۔“ عمران نے کہا۔ ”آخر ہمیں کون کہاں ملاش کرتا پھرے گا۔“

”میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے سکتا۔“ کرتل نے کہا۔ ”اوایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیں۔“

”آپ کی مرضی اُمیں تو اسے لاحاظہ نہیں کی جاتا ہوں۔“ عمران بھی احتبا ہوا بولा۔ دونوں ڈاکٹرنگ روم سے نکل آئے۔

”ویسے میرا مشورہ ہے کہ دروازوں اور کھڑکیوں سے دور ہی رہا جائے۔“ عمران نے کہا۔

کرتل کچھ نہ بولا۔ اتنے میں عمران نے ایک چمچ ایک دروازے پر کھینچ مارا۔ آواز کے ساتھ چکر گاریاں منتشر ہوئی تھیں۔

بہر حال انہوں نے پوری عمارت کا چکر لگایا اور پھر سٹنک روم میں آئیں ہے عمران نے پر ٹھکر انداز میں کہا۔

”اب غالباً ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ حقیقتاً یہاں کیوں لاے گئے ہیں۔“

”گرین فائل تھرٹین۔“ کرتل بولا۔

”مجھے اس میں شبہ ہے۔“ عمران بولا۔

”اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ سگنارڈ بھی اسی چکر میں تھا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عمران نے کہا اور طویل اگڑائی لے کر اس طرح صوفے پر شم دراز ہو گیا جیسے سوچانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اچاک باہر سے شور کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے بھلی فیل ہو گئی ہو۔ کیونکہ لائسٹ غائب ہو گئی تھی اور ایکڈہاٹ فین رک گئے تھے۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دروازوں پر ضربیں لگ رہی ہوں۔

”یہ کیا شروع ہو گیا۔“ کرتل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”خدا ہی جانے۔ شاکر دروازے توڑے جا رہے ہیں۔“ عمران بولا۔

”کون توڑ رہا ہے؟“

”شامہ ہمارا پاکالیا گیا ہے۔ ورنہ دروازے کون توڑ سکتا۔“

وہ دونوں اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھے تھیک اسی وقت کسی نے باہر مانگرد فون پر

کہا۔ ”عمارتِ گھیر لی گئی ہے۔ نبہت ہو کر باہر آجائے۔ ورنہ دس منٹ بعد ٹوٹے ہوئے دروازول سے فائرنگ شروع کروئی جائے گی۔“

عمران نے کرٹل کا بازو تھام کر روتے ہوئے کہا۔ ”بس جہاں بیٹھے تھے وہیں رکنا چاہئے! وہ اس غلط فہمی میں جاتا ہیں کہ ہمیں قید کرنے والے بھی ہمیں مقیم ہیں الہا دروازہ ٹوٹتے ہی برست ماریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ کرٹل نے کہا اور پھر سنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

عمران کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ناقابل فہم واقعہ ہو گیا ہو۔

ٹھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک زوردار آواز سنی۔ شاید دروازہ فریم سمیت اکٹھ کر فرش پر آ رہا تھا۔ پھر دوڑتے ہوئے وزنی قدموں کی آواز آئی اور ذرا ہمی دیر بعد مسلح فونجی سنگ روم میں پہنچ گئے۔ شاندار میں کرٹل کے مجھے کے لوگ بھی شامل تھے۔

”اوہ کیپشن راشد!“ کرٹل نے ایک فوجی کو مخاطب کیا۔ ”یہ کیونکر ممکن ہوا۔“

”ڈی جی صاحب نے عمارت کا پتا کر ریڈ کرنے کا حکم دیا تھا۔“

”کمال ہے!“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

”کیا آپ مشریعی عمران ہیں۔“ کیپشن راشد نے سوال کیا۔

”ہاں... کیوں؟“ کرٹل نے چوک کر سوال کیا۔

”ڈی جی صاحب نے فرمایا تھا کہ انہیں بھی ساتھ لایا جائے۔“ کیپشن راشد نے کہا۔

”خیر توں کے پہاڑٹوٹ رہے ہیں مجھ پر...!“ عمران بڑی لیا۔

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں ڈی جی کے آفس میں بیٹھے اس کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ

ریناڑنگ روم میں لجئ کر رہا تھا۔ دونوں خاموش تھے اور کرٹل فیضی کی قدر زوس نظر آ رہا تھا۔

ڈی جی کی آمد پر دونوں کھڑے ہو گئے اور ڈی جی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”بیٹھے بیٹھے۔“ اور

کرٹل فیضی آپ وقت ضائع کئے بغیر مجھے بتائے کہ یہ کیونکر ہوا تھا۔

کرٹل فیضی نے عمران کو سروز نر کلب میں بلاںے سے لے کر اس جیسے اگنیز قید نکل کے حالات سادیے ز اس دوران میں ڈی جی کی توجہ کا زیادہ تر مرکز عمران ہی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا۔

تھا جیسے وہ اس ابتلاء کا ذمہ دار عمران ہی کو سمجھتا ہو۔ کرٹل فیضی کے خاموش ہونے پر اس نے عمران سے کہا۔ ”کیا خیال ہے مشریعمران میرے آدمی اچاکہ دہاں کیسے پہنچ گئے۔“

”واقعی جیسے اگنیز واقعہ ہے میں اس سلسلے میں اظہار خیال سے معدود ہوں۔“

”کسی عورت نے فون پر مجھے مطلع کیا تھا کہ تم دونوں پر کیا گزری اور تم کہاں اور کس حال میں ہو۔“

”عورت....!“ عمران بڑی لیا اور کرٹل فیضی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ہاں عورت ہی تھی۔ لیکن مجھ سے غیر ملکی معلوم ہوتی تھی۔ کال کا کچھ حصہ ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔“

”کیا میں اسے سن سکتا ہوں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ضرور... ضرور“ ڈی جی نے کہا اور فون کا رسیور اٹھا کر کسی کو کچھ ہدایات دیں۔ کال کا شیپ چالایا گیا۔ کسی عورت ہی کی آواز تھی۔ عمران کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور اس نے کرٹل فیضی کی طرف مڑ کر کہا۔ ”کلاراؤ کسن کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی۔“ ”کلاراؤ کسن!“ ڈی جی چوک کر بولا۔ ”کون کلاراؤ کسن۔“

”وہی عورت۔ جو سائیکو مینشن سے فرار ہو گئی تھی۔“ کرٹل فیضی نے کہا۔ ”وہ وہ کیوں ہمیں اطلاع دینے لگی۔“

”مشریعمران کے پاس اس سے متعلق بھی ایک کہانی ہے۔“

ڈی جی نے مستفسرانہ نظرؤں سے عمران کی طرف دیکھا۔ اور عمران اُسے کلاراؤ کسن کے بارے میں وہی کچھ بتانے لگا جو اس سے پہلے کرٹل فیضی کو بتا پکا تھا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی ڈی جی بولا۔ ”اور آپ نے اسے ابھی تک ایک پلاٹ اس کیا۔“

”میرا ملکہ اس کیس کا فائل بند کر چکا ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”کرٹل فیضی مجھے خواہ خواہ اپنے ساتھ لے جائے تھے۔“

”آپ کا ملکہ فائل بند کر چکا ہو گا۔ لیکن آپ بدستور اس کیس پر کام کرتے رہیں گے۔“

”یہ کس طرح ممکن ہے۔“

”آپ کے مجھ سے عاریاً آپ کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔“

”میں دیکھوں گا اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ عمران نے پہنچ رجیے میں کہا۔

”دراصل دوبارہ مل بیٹھنے کا تھمار بھی اُسی پر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔“

کرتی فیضی کچھ نہ بولا اور وہ خاموشی سے لپک کرتے رہے۔



پھر عمران ہی کے مشورے پر منو کا جزیرہ والگزار کر دیا گیا اور وہاں سے کوست گارڈز کا دستہ بھی ہٹالیا گیا۔ لیکن تین دن گذر جانے کے باوجود بھی کلاراؤ کسن نے اس سے رابطہ قائم نہ کیا اور عمران نے اپنے طور پر پاک گالیا تھا کہ اب وہ اُس عمارت میں بھی نہیں تھی جہاں ڈاکٹر فوریل کا قیام تھا۔

کرتی فیضی کے مشورے کے مطابق بالآخر اس نے ایک بار پھر منو کے جزیرے کا رخ کیا۔ لیکن وہ تھا نہیں تھا۔ ایک درجن فوجی بھی ماہی گیروں کے لباس میں اس کے ساتھ تھے اور یہ ماہی گیری کا ٹرالر تھا۔ حقیقتاً وہ سلواس کے ٹرالر کی تلاش میں نکلے تھے۔ سب سے پہلے ان کا ٹرالر منو کے جزیرے ہی پر لنگر انداز ہوا۔ منو کے آدمی عمران کو پہچانتے تھے۔ کیونکہ اس جزیرے میں قیام کے دوران میں آخر اس نے اپنا میک اپ اتنا دیا تھا۔

بہر حال اُسے فوراً منو کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے بہت لہک کر اُس کی پذیرائی کی۔

”مسٹر عمران کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔“ اس نے کہا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ جزیرے کی والگزاری کے لئے آپ ہی نے کوشش کی تھی۔“

”یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں جس کے لئے تم شکریہ ادا کرو۔ دراصل اس کے بغیر ہم ان لوگوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔“

”وہ ٹرالر پھر نہیں دکھائی دیا۔“ منو نے کہا۔

”دیکھایہ ہے کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں لنگر انداز ہوتا ہے۔“

”ان اطراف میں زہ کر آپ کبھی نہ کبھی پاک گا ہی لیں گے۔“

”اس قسم کے جھینکے اور کہاں ملتے ہیں جیسے تمہارے جزیرے کے آس پاس پائے جاتے ہیں۔“

”مگر اس وقت تک جیکوار نے اس قابل رہنے دیا تو.... وہ اندر ہیرے کا تیر ہے۔ خود اس کے کار پر داڑ اُس سے واقف نہیں ہیں۔ کسی نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی صرف آواز سننے ہیں۔“

”خیر۔ خیر کوست گارڈز کا کیا قصہ تھا۔“

”میں نے اپنے اندازے سے ایک بات کہہ دی تھی ضروری نہیں کہ حقیقت بھی وہی ہو۔“

”میں ابھی معلوم کئے دیتا ہوں کہ اس پوائنٹ کی کیا اہمیت ہے جہاں سے دستہ موکے جزیرے میں منتقل کیا گیا تھا۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ بڑی آنکھیں محبوس کر رہا تھا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کیس سے دستبردار نہیں ہوتا چاہتا تھا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ سر سلطان نے اس کیس کا فائل بند کر دینے کی ہدایت دی تھی۔ تو گویا بہ وہ برادر است آئی۔ ایس۔ آئی والوں کے لئے کام کرے گا۔“

ڈی۔ جی نے فون پر کسی سے کہا کہ وہ کوست گارڈز کے ہینڈ کوارٹر سے رابطہ چاہتا ہے۔ پھر ماڈ تھج پیس پر ہاتھ رکھ کر عمران سے کہا۔ ”آپ کرتی فیضی کے آفس میں بیٹھئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔“

کرتی فیضی نے اپنے آفس میں بیٹھ کر کینٹین میں بیٹھ بکس منگوائے۔ ابھی بیٹھے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ فون کی کھنثی بھی۔ کرتی فیضی نے رسیور اٹھایا۔

”لیں سر، جی..... جی..... جی ہاں.....“ عمران کے اندازے کے مطابق وہ ڈی۔ جی ہی کی کال ہو سکتی تھی۔ کرتی فیضی نے بالآخر رسیور کریٹل پر رکھ کر طویل سائنس لی اور عمران سے بولا۔ ”دستہ جہاں سے بھی گیا تھا وہ جگہ ایک منٹ کے لئے بھی کوست گارڈز سے خالی نہیں رہی۔ یعنی منو کے جزیرے میں دہاں تعینات پوری فور میں بھی گئی تھی۔ اس لئے آپ کا یہ خیال کہ ان لوگوں نے اس پوائنٹ کو کوست گارڈز سے خالی کرنے کے لئے آپ کو استعمال کیا تھا درست نہیں معلوم ہوتا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”پھر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہمیں احساس بے بی میں جتنا کرنا چاہتے ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔“ کرتی فیضی سر ہلا کر بولا۔ ”اب آپ کو تمام تر توجہ کلاراؤ کسن پر دوئی چاہئے۔“

”جب یہ دونوں کہیں جاں والیں گے تو بتاؤں گا۔“
 ”تو آپ کا تعلق پولیس کے شعبہ سراغ رسانی سے ہے۔“
 ”ہرگز نہیں! میری ان لوگوں سے نہیں بنتی۔“
 ”اچھا۔ اچھا تو آپ آئی۔ ایں۔ آئی کے انفارمر ہیں۔“
 ”انفارمر اس طرح جان دینے کے لئے ساتھ نہیں پھر اکتے کپتان صاحب۔“
 ”اچھا تو پھر کسی اور موضوع پر گفتگو رہے۔ مجھ سے خاموش نہیں رہا جاتا۔“
 ”گھانا آتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”نہیں....!“
 ”جیسا بھی آتا ہو اور جو کچھ بھی یاد ہو شروع کر دیجئے! اس طرح آپ کی شکایت بھی رفع ہو جائے گی اور میں محفوظ بھی ہو سکوں گا۔“
 لیکن خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھی اور اس نے بڑی سمجھی گی سے عمران سے پوچھا۔
 ”آپ شخ ہیں یا پٹھان۔“
 ”نہ شخ نہ پٹھان۔ منکوں ہوں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا سر و کار۔“
 ”آنکھوں اور تاک کی بنا پر منکوں ہیں نہیں ہے۔“
 ”کلرکی نے خلیہ بدلتا ہے۔“
 ”تو آپ کلرک ہیں۔“
 ”آباوجداد کلرکی کرتے تھے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔“
 ”سمندری معاملہ تھا تو نبی کا کوئی دست آپ کے ساتھ کیا ہوتا۔ مجھے سمندری پانی کی نبی لگتی ہے۔“
 ”مجھے بھی اس پر حیرت ہے کہ نبی کے آدمی مجھے کیون نہیں دیتے گئے۔“ عمران نے کہا۔
 ”وہ ایک دیران جزیرے کے قریب پہنچ رہے تھے۔ مٹو کے مابین کیروں نے جاں ڈال دیا۔“
 ”محصلیوں کی بو بھی نہیں اچھی نہیں لگتی۔“ کمپنی شیم نے کہا۔
 ”یاد تھیں کچھ اچھا بھی لگتا ہے۔“
 ”کھلی ہوا میں دوڑ گتا۔“

”تکمیل بھی نہیں۔ ان اطراف میں تو تکمیل بھی نہیں۔“
 ”کوئی ایسی جگہ جہاں اُس ٹرالر کو دوسروں کی نظر میں پوشیدہ رکھا جاسکے۔“
 ”خود میرے جزیرے میں بھی ایسی جگہیں موجود ہیں۔ یعنی ساحل ایسی چنانوں سے گمرا ہوا ہے کہ ان کی اوث میں آجائے والی کشیاں دیکھی نہیں جاسکتیں۔ بنے شمار چھوٹے چھوٹے دیران جزیرے یہاں سے شمال کی جانب نکھرے ہوئے ہیں۔“
 ”رہنمائی کے لئے اپنا کوئی آدمی دے سکو گے؟“ عمران نے سوال کیا۔
 ”مکیوں نہیں مسٹر عمران۔“
 ”ٹرانسپلر پر مجھ سے رابطہ رکھنا۔“ عمران نے کہا۔ ”ابھی تک ان کی نظر تمہارے جزیرے پر گلی ہوئی ہے۔“
 ”آخر یہاں کیا رکھا ہے مسٹر عمران؟“
 ”بھی تو دیکھتا ہے۔“
 ”اگر یہی دیکھنا ہے تو اپنے ٹرالر کو ان چنانوں کے پیچے چھپا دو جہاں ہماری کشیاں رہتی ہیں۔ اگر پانیوں میں گشت کرتے رہے تو وہ بھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہیں اطمینان سے بیٹھ کر ان پر نظر رکھو اور کبھی کبھی چھوٹی کشیوں میں بیٹھ کر انہیں تلاش کرو۔ میرے آدمیوں کے لئے ماہی گیری چھوٹی کشیوں میں ہوتی ہے اور میرے ماہی گیر بھترے دیران جزیروں کے آس پاس بڑی محصلیاں پکڑتے ہیں۔“
 مٹو کی تجویز عمران کو معقول معلوم ہوئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت وہیں ڈیرا ڈال دیا۔ ٹرالر چنانوں کی اوث میں چھپا دیا گیا۔ یہاں مٹو کی چھوٹی بڑی کشیاں لٹکر انداز تھیں۔ دوسرے دن عمران نے فوجی دستے کے آفیسر کمپنی شیم کو ساتھ لیا اور ایک چھوٹی کشی پر دیران جزیروں کی طرف روشنہ ہو گیا۔ مٹو کے دو ماہی گیر بھی جاں سمیت کشی پر موجود تھے۔ کمپنی شیم ایک زندہ دل نوجوان تھا۔ لیکن عمران سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا تھا۔
 ”مجھے کن باتوں پر نظر رکھنی ہوگی مسٹر عمران۔“ اس نے پوچھا۔
 ”ایسی محصلیوں پر جو جاں سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“
 ”میں نہیں سمجھا۔“

"تو پھر جزیرے پر آتی جاوے"

"خنک پھر لیلی زمین ہے۔ کہیں نام کو بھی بزرہ نظر نہیں آتا۔ کیا آپ اتریں گے جزیرے پر؟"

"پہلے ہم اس کے گرد ایک چکر لگائیں گے۔ پھر دیکھا جائے گا۔" عمران نے کہا۔

منو کے ماتی گیر پہلے ہی کشتی اس انداز میں کھڑے تھے کہ جزیرے کے گرد ایک چکر پورا ہو جاتا۔ چکر پورا کرنے کے بعد انہوں نے جال کھینچا۔ چھوٹی بڑی بہت سی مچھلیاں ہاتھ لگیں جن میں سے بڑی مچھلیاں انہوں نے نکال لیں اور چھوٹی پھر پانی میں ڈال دیں۔ پھر کشتی کو کنارے لگادیا۔

"یہاں ایسی چٹانیں نہیں ہیں جن کی اوٹ میں کشتیوں کو چھایا جاسکے۔" عمران نے ساحل پر اترتے ہوئے کہا۔

"کیوں....؟" کیپشن شیم نے کہا۔

"اتی کھلی جگہ انہوں نے کبھی بھی استعمال نہ کی ہوگی۔" کیپشن شیم بولا۔

"میں ان جزیروں کی بناوٹ کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا ہوں۔" عمران نے کہا۔ کیپشن شیم نے اس کا ساتھ دیا تھا اور منو کے آدمی کشتی ہی پر بیٹھے رہے تھے۔

جزیرہ بے آب و گیاہ نظر آیا۔ کہیں روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ لیکن ایک جگہ انہیں بیڑنے کے خالی ڈبے دکھائی دیئے۔ عمران چلتے چلتے رک گیا۔

"ہو سکتا ہے کسی نے کبھی پکن منائی ہو۔" کیپشن شیم نے کہا۔

"یہی دیکھتا ہے کہ آیا یہاں پکن منائی جا سکتی ہے یا نہیں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"دو ایک مرید جزیروں پر نظر ڈالنے سے شائد سمجھ میں آجائے۔"

وہ دونوں پھر کشتی میں آپسیٹھے۔ جال کھینچا گیا۔ چند بڑی مچھلیاں نکال لی گئیں اور چھوٹی مچھلیاں دوبارہ پانی میں پھینک دی گئیں۔ کشتی کا رخ تبدیل ہو گیا تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسے جزیرے کے قریب پہنچے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں تھا۔ سطح

سمدر سے سیدھی اور اوپری چٹانیں کھڑی تھیں البتہ کہیں کہیں چوڑی دیکھائی دکھائی دے رہی

تھیں جن کے اندر پانی لمبیں لے رہا تھا۔

"میا یہ درازیں چھپنے کے لئے بہترین جگہیں نہیں ہیں۔" کیپشن شیم نے کہا۔

"ابھی تک کوئی اتنی چوڑی دراز نہیں دکھائی دی جس میں وہ نرال داخل ہو سکے۔" عمران نے کہا۔ "ہم اس جزیرے کا چکر ضرور لگائیں گے۔ اس کی بناوٹ دلچسپ ہے۔"

کیپشن شیم نہ اسامنہ بنانے کر رہا گیا۔

"میا شادی شدہ ہو۔" عمران نے غیر متوقع سوال کیا! پہلے تو کیپشن کی آنکھوں میں جھنجھلابہت کے آثار نظر آئے پھر خود کو سنبھال کر بولا۔

"اگر نہیں ہوں تو کیا آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکیں گے۔"

"کیوں نہیں! اس کا تو اسیٹھاست ہوں۔"

"ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"کتنے سینگوں والی چاہئے۔" عمران نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب....؟"

"اگر مطلب پوچھ رہے ہو تو ابھی تم شادی کے قابل ہی نہیں ہوئے۔"

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ آپ کی بے تکی باتوں کا نوٹس نہ ہوں۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"غیر کوئی بات نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ہر حال میں جوان نظر آؤ۔"

کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً ایک دراز سے دھواں نکلا دکھائی دیا۔ لیکن یہ

اتی کشاہ نہیں تھی کہ اس میں کشتی داخل ہو سکتی۔

"یہ آتش فشاںی مادے کا دھواں نہیں ہو سکتا۔" کیپشن شیم بڑی بڑی۔

عمران نے منو کے آدمیوں سے کشتی پلانے کو کہا۔ چکرا بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے

بہر حال حکم کی تعلیم کی۔

"کیا ارادہ ہے۔" کیپشن شیم نے پوچھا۔

"اُھر ایک دراز اسکی دیکھی تھی جس میں کشتی داخل ہو سکتی ہے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”وزاروچ سمجھ کر...!“

”کیا مطلب؟“ عمران کا بجہ بدل گیا۔

”بھی کہ کہیں اندر پھنس نہ جائیں۔“

”کچھ دور اندر جانے ہی پر اندازہ ہو جائے گا کہ ہم آگے بڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور پھر دیکھو کپین میں تمہاری کمائی میں نہیں دیا گیا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔ ”چلے۔“

لیکن اس دراز کے قریب پہنچ کر عمران نے کشی کو چنان سے لگادیئے کہ کہا اور خود غوط خوری کا لباس لکائے گا۔

”یعنی کہ...!“ کپین کچھ کہتے رک گیا اور عمران مسکرا کر بولا۔

”میں اس قسم کے خطرات تھا مول لیتا ہوں۔“

”محضے غوط خوری کی مشق نہیں ہے۔“ کپین شیم نے کہا۔

”میں جانتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور پانی میں اتر گیا۔ لیکن وہ غوطہ لگانے کی بجائے سطح پر تیرتا ہوا دراز میں داخل ہو رہا تھا۔ کشی کی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ فوراً ہی ان کی آنکھوں سے او جھل ہو گیا۔ کپین شیم ہر حال اس پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے منو کے آدمیوں سے کہا کہ وہ کشی کو دراز کے سامنے ہی لے چلیں۔

ان جزاڑ کی وجہ سے یہاں تموئی نہیں تھا اس لئے کشی کو کچھ دیر تک دراز کے سامنے ہی روکے رکھا جاسکتا تھا۔

لیکن عمران اب بھی نہ دکھائی دیا۔ کپین شیم سوچ رہا تھا کہ منو کے آدمیوں سے اس سلسلے میں براؤ راست کی قسم کی گفتگو کرنا مناسب ہو گیا نہیں! کشی پھر آگے بڑھ گئی اور کپین شیم نے اسے دوبارہ دراز کے رخ پر پلانے کو کہا۔

”صاحب.... وہ لوگ اتنے یو قوف نہیں ہو سکتے۔“ منو کا آڈی بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”اس حرکت کے بعد وہ آس پاس کے جزوں میں ڈیرہ نہیں ڈال سکتے۔“

”میں نے تم سے کہا ہے کہ کشی کو دراز کے سامنے ہی رکھنے کی کوشش کرو۔“ کپین شیم

نے تیغ بجھ میں کہا۔

منو کے آدمیوں نے اس طرح چبوٹانے شروع کئے کہ کشی دراز کے سامنے ہی رہ کرنا پہنچے گی۔

”یہ کیا شروع کر دیا؟“ کپین شیم جھنجلا کر بولا۔

”اُسکے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے صاحب۔ کشی اسی طرح دراز کے سامنے رہ سکتی ہے۔“

”وزاری سی دیر میں سر چکرانے لگے گا۔“ کپین شیم نے کہا۔

”ہمیں کچھ نہیں ہو گا صاحب۔“

اس طرح پدرہ مت گزر گئے لیکن عمران کی واپسی نہ ہوئی۔ کپین شیم سوچ رہا تھا کہ اگر جزیرے میں داخل ہونے کا کوئی راستہ عمران کو مل گیا ہوتا تو فوری طور پر اس کی واپسی ہوتی۔ تہادا خل ہونے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ تو پھر کیا اُسے کوئی حادثہ پیش آیا ہے.... اسی صورت میں اُسے کیا کرنا ہوگا۔

وختا اس نے منو کے آدمیوں سے کہا۔ ”اپنے جزیرے کی طرف واپس چلو۔“

”اور صاحب.... وہ...!“

”انہیں یقیناً کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ میں جزیرے سے کوست گارڈز سے رابطہ قائم کر کے ہیلی کو پڑ طلب کروں گا۔“

”منو کے آدمیوں نے عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور رخ متعین کر کے چبوٹانے لگے۔ ماہی گیری کا جال سمجھیں کہ کشی میں سمیت لیا تھا۔



عمران کچھ دور تک توپانی کی سطح ہی پر تیرتا رہا تھا پھر غوط لگایا تھا۔ زیر آب روشنی والی نارچ اس نے دونوں ہاتھوں سے تمام رکھی تھی اور پیروں سے بیک اسڑو ک لگاتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اچاک ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں پیروں میں اچاک پھندنا پڑ گیا ہو۔ دونوں پنجے ایک دوسرے سے جل کر رہ گئے تھے۔ یقیناً وہ پھندنے ہی تھا کیونکہ اب اس رسی کو سمجھنا جانے لگا تھا۔

عمران دم سادھے کھینچتا چلا گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک اس قسم کی کسی صورت حال کا سامنا ہو گا۔

پھر اُسے اپنی نارجی کی روشنی میں دو فرائیں نظر آئے جن کے ہاتھوں میں زیر آب چلائی ہانے والی بندوقیں تھیں۔ نمرے پھنسنے میں سوچا۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔

توہڑی دیر بعد اس کا جسم کسی ٹھوس پیڑ سے ٹکرایا اور کھینچنے کا عمل بھی رک گیا۔ ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا جیسے تیز قسم کی روشنیوں میں نہماں کیا ہو۔ آبی نارجی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دو تک پھسلتی چلی گئی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ ٹھوس زمین پر پڑا ہوا ہے۔

اٹھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ پیروں میں اب بھی پھندنا پڑا ہوا ہے۔ کسی نہ کسی طرح بیٹھ کر وہ پیروں سے پھندنا کا لئے لگا۔ تیز قسم کی روشنی آنکھوں میں چکا چوندھ پیدا کر رہی تھی۔ توہڑی سی جدو جہد کے بعد اُس نے پیروں سے پھندنے نکال لیا اور گھنٹوں کے مل میٹھ کر گھری گھری سانسیں لینے لگا۔

وہ اب کسی چھت کے نیچے تھا... دفتار اور اپارٹمنٹ کھائی دیے جن کے ہاتھوں میں مشین پتول تھے۔ انہوں نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میں کوئی بڑی مچھلی نہیں ہوں۔“ عمران غریباً۔ ”مجھ سے آدمیوں کا سا بر تاؤ کرو۔“ ایک نے مشین پتول سے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا عمران نے شاذوں کو جنبش دی اور دروازے کی طرف چل پڑا۔

یہ ایک طویل سرگ نگ ثابت ہوئی تھی۔ اُس کے پیچے والا مسلح آدمی نارجی روشن کے ہوئے راستہ دکھارا تھا۔

ایک جگہ اُسے تیس چالیس زینے بھی طے کرنے پڑے اور پھر وہ اچانک سُٹھے آسان کے نیچے آگیا۔ سر پر سورج چمک رہا تھا اور پھر لیلی زمین تپ رہی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ ان دونوں مسلح آدمیوں کا کہیں پہاڑ تھا جو اسے یہاں تک لائے تھے۔ اُس نے ان زینوں کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی جن کے ذریعے یہاں تک پہنچا تھا لیکن ان کا ناشان بھی کہیں نہ ملا۔ دھوپ کی شدت کا احساس تھی ہوئی چنانوں کی وجہ سے کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔ کوئی سایہ دار جگہ۔ اُس نے سوچا اور نہ توہڑی سی دیر میں حالت بتاہ ہو جائے گی۔ چنانوں کے درمیان کوئی

غار تلاش کرنے لگا تھا۔

عجیب سی چنانیں تھیں۔ اگر یہاں بھی ان لوگوں نے اپنا کوئی اٹھ بنا رکھا تھا تو اس کی نویعت کیا ہو گی؟ اور کیا وہ ہوائی محلے سے بیٹھنے کے لئے یقین تھا کہ اس کی واپسی نہ ہونے کی بجائے پر کیپن شیم کو سوت کارڈز کے مستقر سے رابطہ قائم کرے گا۔

وہ چنانوں کے درمیان بھلکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اُسے جیگوار کی آواز سنائی دی۔

”خوش آمدید مسٹر عمران۔ تم بڑی آسانی سے پھنس جاتے ہو۔“

”در اصل تم سے ملتا چاہتا تھا۔ ورنہ...!“ عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

”بہت خوب بھلا مجھ سے کیوں ملتا چاہتے تھے۔“

”اس سخرہ پن کا مطلب جانا چاہتا ہوں۔“

”کیا مطلب...!“

”غیرہ، پکڑنا اور پھر بڑی آسانی سے نکل جانے دینا۔ آخر یہ کس قسم کا حکیل ہے۔ تم نہیں کیا بادر کرانا چاہتے ہو۔“

”اس بادر تو میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری اور کرنل فیضی کی رہائی کیوں نکر ہوئی تھی۔ کس نے تمہارے آدمیوں کی رہنمائی کی تھی۔“

”اوہ۔ بس اتنی سی بات۔“ عمران نہیں کر بولا۔ ”ہمارا اپنا طریق کارہے۔ اس پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔“

”مجھے شبہ ہے کہ کلاراڈ کسن نے تم لوگوں کی نشاندہی کی تھی۔“

”بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو دوست!“ عمران نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی اور طریق تھمہاری رہائی ہوئی ہو۔“ جیگوار کی آواز آئی۔ ”کلاراڈ کسن غداری کی مر تکب ہو رہی ہے۔“

”کس کے خلاف!“ عمران نے سوال کیا۔

”تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔“

”تو تم یہ سمجھتے ہو کہ کلاراڈ کسن ہم سے مل گئی ہے۔“

”میں اس پر بھی یقین نہیں کر سکتا۔“ جیگوار کی آواز آئی۔

”راہر ٹو!“ اس کی زبان سے بے اختیار لکھا اور شکستہ حال قیدی نے آنکھیں کھول دیں۔

”اوہ! میرے خدا۔“ وہ تجھیف سی آواز میں بولا۔ ”مشر عمران!“

”لیکن تم اس حال کو کیوں کر پہنچ...!“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”سیاہ فام سلواس کے ہاتھوں! جیکوار کے حکم پر...!“

”آخر کیوں...!“

”کلاراؤ کسن تنظیم کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ جیکوار مجھے اُس کا آدمی سمجھتا ہے۔ حالانکہ میں تنظیم کا وفادار ہوں۔ مجھے افراد سے کوئی سروکار نہیں۔“

”اس حال کو پہنچ جانے کے بعد بھی تنظیم کے وفادار ہو۔“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہاں مشر عمران۔“

”جن لوگوں کا اعتماد تم پر سے اٹھ گیا ہو، ان کے درمیان رہنے سے کیا فائدہ۔“

راہر ٹو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کلاراؤ کسن کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ ہر وقت اس

کے ساتھ رہتا تھا۔ اسی بناء پر کبھی کبھی عمران نے یہ بھی سوچا تھا کہ کہیں وہ خود ہی جیکوار نہ ہو۔

لیکن اب اُس کو اس حال میں کچھ کرتے خارج از امکان قرار دینا پڑا تھا۔

”کیا تم یہاں تھا ہو۔“ عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بن کبھی کبھی جیکوار کی آواز ستار ہتا

ہوں! وہ مجھ سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کلاراؤ کسن کہاں ہے! لیکن کیا تم پھر قیدی بنا لئے گئے ہو

مشر عمران۔“

عمران نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اس جزیرے میں پہنچا تھا۔

”تب تو تمہارے ساتھی ضرور حملہ آور ہوں گے مشر عمران۔“

”ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تمہارے لئے کیا کروں۔ اگر میرے ساتھیوں کے ہتھے چڑھ گئے تو

میری گورنمنٹ کے قیدی بن جاؤ گے۔“ عمران نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ راہر ٹو نے دردناک لہجہ میں کہا۔

”میں کچھ نہ کچھ ضرور کر سکوں گا۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن تمہیں اپنی تنظیم سے علیحدگی

اختیار کرنی ہوگی۔“

”پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟“

اس سوال کے جواب میں جیکوار کی آواز نہ سنائی دی۔ عمران چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر آگے بڑھا اور دھوپ کی تمازت سے پنجھے کے لئے کوئی سایہ دار جگہ غلاش کرنے لگا۔

آخر کار ایک ایسا غار میں گیا جو حیرت انگیز طور پر ہوا اور مختتم تھا۔ لیکن وہ جگہ نہ مل سکی جہاں سے اٹھنے والے دھوئیں نے اس جزیرے میں داخل ہونے کی ترغیب دی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی محض ایک شبدرہ رہا ہو۔ انہیں جزیرے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے۔

وہ غار کے ایک گوشے میں نکل کر سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کشتی کو چھوڑنے ہوئے خاصاً ذلت گذر چکا تھا۔ اس دوران میں وہ وہاں رکی نہ رہی ہو گی۔ یقین طور پر کیپن شیم

منو کے جزیرے کی طرف واپس گیا ہو گا اور وہاں سے کوست گارڈز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ بہر حال ان لوگوں نے شائد آس پاس کے بھائی ویران جزیروں پر قبضہ کر کھا

ہے اور یہ قبضہ پا نہیں کب سے جاری ہو۔ اس جزیرے میں وہ سرگٹ اور وہ سیر ہیاں چند دنوں میں تو بن نہ گئی ہوں گی۔ عمران سوچتا اور اونگھتا رہا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس جزیرے پر کوست گارڈز

کے بھلی کو پڑر ز ضرور لینڈ کریں گے اور وہ اپنے ٹھکانے پر بہ آسانی پہنچ جائے گا۔

اس نے کچھ اور ہاتھ پر پسارے اور او نگھنے لگا۔ لیکن یہ کیفیت دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ پتا

نہیں کیوں چونکہ پڑا تھا۔ آنکھیں چھاڑا کر چاروں طرف دیکھا اور دوبارہ او نگھ جانے کا رادہ کر تھی رہا تھا کہ چونکے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ یہ ایک آواز تھی۔ انسانی کراہ جو تکلیف کی شدت کی بناء پر

بے اختیار نکلی ہو۔ عمران اٹھ گیا۔ کیونکہ آواز کی سمت کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ باسیں جانب والی ڈھلان میں اترنے لگا۔ کراہ پھر سنائی دی اور اُسے یقین ہو گیا کہ صحیح سمت میں جا رہا ہے۔ غار کی

و سمعت کا اندازہ تو اب ہو رہا تھا۔ وہ ڈھلان میں اترتا رہا اور بالآخر رہنمائی کرنے والی دردناک آواز کے بہت قریب پہنچ گیا۔

یہ غار کے اندر ایک اور غار کا دہانہ معلوم ہوتا تھا۔ عمران بے دھڑک اس دھانے سے بھی گزر گیا۔۔۔ اور کراہنے والے پر پڑنے والی پہلی نظر تفصیلی تھی۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور

اس کی باسیں ناگز میں زنجیر نظر آئی جس کا دوسرا اسرالو ہے کی ایک منچ سے مسلک تھا۔ عمران پھرتی سے آگے بڑھا اور جھک کر اُسے سیدھا کرنے لگا۔ پھر وہ دیکھنا چاہتا تھا اُس کا۔

”اگر تم کسی طرح مجھے اس زنجیر سے نجات دلا سکو تو میں تمہارے ساتھیوں کے جملے
قبل ہی فرار ہو سکتا ہوں۔“

”وہ کس طرح؟“

”یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔“

”فرار ہو کر جاؤ گے کہاں....؟“ عمران نے آہتھے سے پوچھا۔

”فی الحال یہ بھی نہیں بتاؤں گا۔“

”اچھا تو پھر مجھے بھی ساتھ لے چلے کا وعدہ کرو۔“ عمران بولا۔

”بڑی عجیب بات کہہ رہے ہو!“ رابرٹو نے حیرت سے کہا۔

”میں اپنے آدمیوں سے فی الحال دور بنا چاہتا ہوں اور مجھے جیکوار سے زیادہ کلارا کی تلاش ہے۔“

”کیوں مسٹر عمران!“

”یہ ابھی نہیں بتاسکتا۔“

”تو تم میرے ساتھ چلو گے۔“

”یقیناً۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میرے آدمی اس جزیرے پر لینڈ کریں تو میں انہیں یہاں نہ
ملوں۔“

”تم سے خوف معلوم ہوتا ہے مسٹر عمران۔“

”کس قسم کا خوف....؟“

”کہیں اور لے جا کر غرق نہ کرو۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں تو اس حال میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔ بس ایک بڑا
ساق پھر اٹھاؤ اور تمہارے سر پر دے ماروں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے مسٹر عمران۔ اچھی بات ہے میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔“

”اس کے پیروں میں وہ زنجیر ایک قفل کے ذریعے ذاتی گئی تھی۔ عمران نے قفل کا جائزہ لیا اور
پھر دفتار چونکہ کر رابرٹو کو غور سے دیکھنے لگا۔“

”میا بات ہے مسٹر عمران۔ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔“

”تم یہاں کب سے تید ہو؟“

”کوئی ایک بنتے سے۔“

”تمہارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے۔“

”خود پکانا کھاتا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ زنجیر کتنی بڑی ہے۔ میں دور مک حرکت کر سکتا ہوں۔“

”اُھر باسیں جانب ایک چھوٹا سا غار ہے جس میں باور پی خانے کے سارے لوازم موجود ہیں۔“

”عمران اٹھ کر بتائی ہوئی سمت بڑھ گیا۔ واقعی کچھ دور پر ایک اور دہانہ دکھائی دیا۔ اُس میں

اُخْل ہوتے ہی رابرٹو کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ اور اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ دھواں اسی

اور پی خانے کا رہا ہو گا جسے دیکھ کر اُس نے جزیرے میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

”وہ یہاں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے والا جس سے قفل پر زور آزمائی کی جاسکتی۔ جلد ہی ایک

لن کڑھا تھا جگ گیا۔ جس سے کارکریو اور ایک سوا بھی منسلک تھا۔ وہ پھر اسی جگہ والپیں

اگیا جہاں رابرٹو کو چھوڑ گیا تھا۔ اُس کے قریب بیٹھ کر اُس نے سرگوشی کی۔ ”را برٹو میں تمہیں

س زنجیر سے نجات دلا سکتا ہوں۔ لیکن کچھ دیر قبل ہم بڑے غیر محتاط انداز میں گھٹکو کرتے

ہے تھے۔ کیا تھاڑی آوازیں جیکوار تک نہ پہنچی ہوں گی۔ اس طرح جیسے ہم یہاں اُس کی آواز

ستہ رہے تھے۔“

”را برٹو فور آئی کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر دفتار زردی کی چھاگئی تھی۔ اُس کو اسی حال

میں چھوڑ کر عمران زنجیر کے قفل کی طرف متوجہ ہو گیا اور کنجی کے سوراخ میں سواؤں کر محتاط

نداز میں جبکش دینے لگا۔ پھر شائد تین منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ قفل کھل گیا اور رابرٹو

لانگ زنجیر کے بل سے آزاد ہو گئی وہ اٹھ بیٹھا لیکن بہت زیادہ خائن فنظر آ رہا تھا۔

”اب بتاؤ! فرار کی کیا صورت ہو گی؟“ عمران نے سرگوشی کی۔

”مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں ایک اندر واٹر سکوٹر لنگر انداز ہے۔ اس میں کم از کم چار آدمی

اسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔“

”کیا تم اسے آپریٹ کر سکو گے۔“ عمران نے آہتھے سے پوچھا۔

”بالکل کر سکوں گا۔“

”ٹھیک ہے لیکن جاؤ گے کہاں؟“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہیں میری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچ گا۔“ رابرٹو نے کہا۔

دوسرا چوت...! عمران نے طویل سانس لے کر سوچا۔ گویا یہ چال اس لئے چلی گئی تھی کہ اُس کے آدمی اُسے تلاش نہ کر سکیں۔ یہ لوگ چکر پر چکر دے رہے تھے۔ لیکن عمران ابھی تک احسان بے نی میں جتنا نہیں ہوا تھا۔

”بیلو مسٹر خان۔“ اچاک عقب سے آواز آئی۔ ”تم اس وقت میک اپ میں نہیں ہو۔ لیکن میں تمہیں پہچان سکتا ہوں۔“

عمران نے مڑ کر دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سیاہ قام سلواس کھڑا نظر آیا۔ ”تم خاصے سخت مند نظر آ رہے ہو۔“ عمران مسکرا کر بولا۔

”یہاں کب تک کھڑے رہو گے۔ میرے ساتھ چلو۔“

”ضرور۔ ضرور۔.... کیپٹن سلواس! تم سے پہنچ کر میں بہت معموم تھا۔ بہت زندہ دل آدمی ہو۔“

وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ ڈوک کے سرے پر ایک چھوٹا سا چاٹاںک تھا جس سے گزر کر وہ ایک سرگنگ میں داخل ہوئے۔ سرگنگ میں مرکری ٹوب کی سی دودھیار و شنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس دوران میں کسی گذری مسٹر خان۔ سلواس نے رک کر اس کے برابر ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”زیادہ اچھی نہیں گذری۔“

”مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہو تو ہمیشہ اچھی گذریے گی۔“ سلواس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”اب تو مٹو کے جزیرے کی بات بھی ختم ہو گئی۔ پھر تمہارے ساتھ میرا کیا مصروف۔....!“

”تمہارا دوہم ہے۔ مسٹر خان کو مٹو کے جزیرے کی بات ختم ہو گئی۔“

”ہو سکتا ہے وہم ہی ہو۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا اور اس کے ساتھ چلتا رہا۔

اس سرگن کا اختتام دوسرے ڈوک پر ہوا۔ جو نبتاب پہلے ڈوک سے بڑا تھا اور یہاں کئی بڑی لانچیں لنگر انداز تھیں لیکن یہ ڈوک بھی کھلے سمندر میں نہیں تھا۔ یہاں کی تاریکی رفع کرنے کے لئے بھی وہی دودھیار و شنی استعمال کی گئی تھی جس سے سرگن روشن تھی۔

وھنخا عمران چوک پڑا کیونکہ ایک بڑی لانچی پر اسے اپنی بھری فون کا نشان نظر آیا تھا۔

”کیوں مسٹر خان کس بات پر تمیر نظر آ رہے ہو۔“ سلواس نے بہن کر پوچھا۔

”میں فائدے اور نقصان کی بات نہیں کر رہا۔ میں یہ معلوم کرنا تھا کہ جاؤ گے کہاں؟ جیکووا کے قیدی بننے کے بعد کوئی تمہارا دوست بھی ثابت ہو سکے گایا نہیں۔“

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔“ اس نے کہا اور عمران کی آنکھوں میں بے یقین دیکھ کر پھر بولا۔ ”ایک محفوظ جگہ میرے علم میں ہے لیکن... اودہ... ہاں، ایک ضروری بات تو رہ ہی گئی۔ اُذد و اُڑ سکوڑ میں بیٹھ کر تم بالکل خاموش رہو گے۔“

عمران نے پر تھکر انداز میں سر کو جبکش دی۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ رابر اُسے یہاں اس حال میں ملتا۔ پھر اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جبکش دی اور رابر ٹو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جواب اگذیہ کے سر بند ڈبے ایک تھیلے میں رکھ رہا تھا۔

بعد پانی کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں پھر دوں کو تراش کر ایک منحصر ساڑوک بنایا گیا تھا۔ جس ایک عجیب وضع کی چھوٹی سی کشتی لنگر انداز نظر آئی۔ رابر ٹو نے اس کی طرف اشارہ کیا ساتھ ہی ہو نوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کو بھی کہا تھا۔

کشتی کی بناوٹ آبدوز کی سی تھی۔ دونوں اُس میں داخل ہو گئے۔ پکھ دوڑ سک دہ پانی کی سر پر چلی تھی پھر غوطہ لگایا تھا۔

عمران دم بخوبی بیٹھا رابر ٹو کو سکتارہا۔ وہ اس چھوٹی سی آبدوز کو بڑی مہارت سے چلا رہا تھا و فتنہ اس کی مدد و فضائیں کسی بی آواز گونجی ”کون ہے؟“

رابر ٹو منہ پر ردمال رکھ کر بولا۔ ”قهری فرضی تو ہی یہ کوارٹر۔“ عمران دیے پے نچا کر رہا گیا۔ یہ سب کچھ اسے خوب کی طرح لگ رہا تھا۔ لیکن رابر ٹو ہدایت کے مطابق اس نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔

اسی طرح آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ آبدوز کی رفتار تیز نہیں تھی اور پھر اچاک وہ سطح آب آنھر آئی۔ یہ بھی چنانوں میں گرا ہوا ایک چھوٹا سا ڈوک تھا۔ آبدوز ڈوک سے جاگی اور اس ڈھکنا کھل گیا۔ رابر ٹو نے عمران کو ڈوک پر اترنے کا اشارہ کیا۔ عمران خاموشی سے ڈوک پر اگیا اور منتظر رہا کہ اب رابر ٹو بھی اترے گا۔ لیکن دفعتاً آبدوز کا ڈھکنا بند ہو گیا اور وہ غوطہ لگا نظر دوں سے او جھل ہو گئی۔

”کیوں مسٹر خان کیا میں نے غلط کہا تھا۔“ اُس نے نہ کہ پوچھا۔

”میں مسٹر سلواس لباس حیرت انگیز طور پر فٹ ہے۔“

”ہماری مہمان نوازی کی دادوو۔“

”اس کا تو میں پہلے ہی سے قائل ہوں۔“ عمران نے کہا۔

”تم میک اپ کے ماہر ہو مسٹر خان۔ اگر اپنی محل تبدیل کرو تو ہم اور زیادہ مہمان نواز ثابت ہو سکیں گے۔“

”میرے پاس میک اپ کا سامان موجود نہیں ہے۔“

”کیبین میں براون رنگ کے سوٹ کیس میں اعلیٰ درجے کا سامان موجود ہے۔“

”آخر میک اپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تمہارا قیدی ہوں۔ جس طرح چاہور کھو۔“

”ہرگز نہیں مسٹر خان! تم قیدی نہیں ہو!“

”لیکن میک اپ کیوں؟“

”تاکہ اطمینان سے ہمارے ساتھ رہ سکو اور تمہارے ساتھی تمہیں دیکھیں بھی تو نہ بیچان سکیں۔“

عمران سوچ رہا تھا کہ آخر وہ ان مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر کیوں رہ گیا ہے۔ لیکن بہر حال یہ تودیکھنا ہی تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔

اس نے کیبین کا دروازہ بولٹ کر دیا۔ لیکن میک اپ کے سامان کا صندوق ٹلاش کرنے کی

بجائے اُسی الماری میں زور آزمائی کرنے لگا جس میں کلاراڈ کسن داخل ہوئی تھی۔ اس بار اُس کا دروازہ کھل گیا اور کلارا اس سے کھڑی نظر آئی۔ لیکن ہونتوں پر انگلی رکھے عمران کو خاموش رہنے

کا اشارہ کئے جا رہی تھی۔ عمران احتمانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔ وہ الماری سے باہر نکل آئی۔ اس

بار اس کے ہاتھوں میں پہنل اور ایک عدد رائٹنگ پیڈ تھا۔ اُس نے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔ ”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں جیکوار کو ٹلاش کر کے مارڈا لانا چاہتی ہوں۔“

عمران نے اُس کے ہاتھ سے پہنل لے کر لکھا۔ ”میا سلواس تمہارا ہی آدمی ہے۔“

کلارا نے جواباً لکھا۔ ”نہیں اُسے علم نہیں ہے کہ میں یہاں ہوں۔ لیکن تم یہاں کیوں نکر پہنچ۔“

”عمران نے مختصر اپنی گرفتاری کی رو داو لکھ دی اس پر کلارا نے لکھا۔ ”میں نہیں جانتی کہ

ایسا کیوں ہوا اور جیکوار کیا چاہتا ہے۔ بہر حال تم فی الحال وہی کرو جو تم نے کہا جا رہا ہے اور قطعی

”یہ لائق....!“

”ہماری ہی ہے۔ ابھی ہم اس پر بینچ کر اُس جزیرے کی خبر لینے چلیں گے جہاں سے تم دونوں فرار ہوئے تھے۔“

”تو وہ فرما دھا۔“

”بالکل مسٹر خان۔ البتہ تو اگر غداری کا مرکب ہوتا تو ہم اُسے زندہ ہی نہ چھوڑتے۔“

”اچھا تو پھر اتنی لمبی چوڑی حادثت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“

”پھر بتاؤں گا۔ فی الحال تم غوطہ خوری کا یہ لباس اُنہاں کو دوسرے پکڑے پہن لو۔“

”میرے سائز کے کپڑے کہاں ملیں گے۔“

”اگر تمہارے سائز کے نہ ہوئے تو میں منہ مانگا جنمائے ادا کروں گا مسٹر خان۔“ سلواس مکرا کر بولا۔

وہ عمران کو اسی لائق میں لے گیا جس پر نیوی کائنٹن ٹکنالوژی مسلسل افراد اس لائق پر پہلے سے موجود تھے۔ عمران کو لباس تبدیل کرنے کے لئے کیبین میں بیچج دیا گیا۔

اور کیبین میں قدم رکھتے ہی اُس پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ سامنے ہی کلاراڈ کسن کھڑی نظر آئی۔ وہ ایک وارڈ روب کا دروازہ کھول کر برآمد ہوئی تھی اور ہونتوں پر اس طرح انگلی رکھے ہوئے تھی جیسے عمران کو خاموش رہنے کی تاکید کر رہی ہو۔

عمران نے تیزی سے مڑ کر کیبین کا دروازہ بولٹ کر دیا۔ کلاراڈ وسری الماری کی طرف اشارہ کر کے پھر اُسی الماری میں داخل ہو گئی جس سے برآمد ہوئی تھی۔

عمران نے دوسری الماری کھولی جس میں مردانہ ملبوسات موجود تھے۔ عمران نے ایک بینٹ اور قمیض نکالی۔

واقعی یہ دونوں اُسی کے سائز کے ثابت ہوئے تھے۔ لباس تبدیل کر کے وہ اُس الماری کی طرف متوجہ ہوا جس میں کلاراڈ کسن داخل ہوئی تھی۔ ہو لے ہو لے اُسے انگلی سے ہٹکھٹایا۔

لیکن دروازہ نہ کھلا۔ پھر خود عمران نے اُسے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اُس نے لاپرواہی سے شانوں کو جینش دی اور کیبین کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھول کر ذیک پر آیا۔ سلواس یہاں موجود تھا۔

بے فکر رہو۔ میں تمہارے قریب ہی رہوں گی۔ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میں خود بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ جیگوار تمہارے پیچے کیوں پڑ گیا ہے۔

عمران نے اس سے پسل لے کر پیٹ پر لکھا۔ ”تمہاری وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان کچھ ہو گیا ہے۔ کئی بار مجھے دھمکیاں دے چکا ہے کہ اگر تم جلد نہیں اس کے ہاتھ نہ لگیں تو وہ مجھے مار دے گا۔“

کلارا نے براؤن سوت کیس کی طرف اشارہ کیا اور پھر اسی الماری میں داخل ہو گئی جس سے برآمد ہوئی تھی۔

الماری کا دروازہ بند ہوتے ہی عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ براؤن رنگ کے سوت کیس کی طرف بڑھ گیا۔ واقعی اس میں میک اپ کا جدید ترین سامان موجود تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اچا حلیہ تبدیل کرنے لگا اور اسی دوران میں لانچ بھی حرکت میں آگئی۔

”دیکھا جائے گا۔“ وہ آہستہ سے بڑبوایا اور کیمین کا دروازہ کھول کر ڈیک پر آگیا۔ لانچ کھلے سمندر میں نکل آئی تھی۔ سلواس عمران کے قریب پہنچ کر تعریفی لمحے میں بولا۔ ”واہ مسٹر خان تمہارا جواب نہیں ہے، باس تمہاری بیتیرین صلاحیتوں کا دل سے قائل ہے۔“

”کسی بھوت کو تم بسا کہتے وقت کیا محسوس کرتے ہو۔“ عمران نے سوال کیا۔

”کیا مطلب.....!“

”وہ محض ایک آواز ہے۔ آج تک کسی نے اُن्हے دیکھا نہیں۔“

”یہ اس کا طریق کار ہے مسٹر خان! ہو سکتا ہے کہ وہ میرے کسی ماتحت کی حیثیت سے اسی لانچ پر موجود ہو۔“

”اچھا تو پھر۔ تم مجھے ہی اپنا بس سمجھ لو۔“ عمران نے کہا۔

”من.... نہیں۔“ سلواس بوکھلا کر کئی قدم پہنچے ہٹ گیا اور ٹھیک اسی وقت لاڈ سپیکر سے جیگوار کی آواز آئی۔ ”کیپشن سلواس تم اس کے کہنے میں نہ آؤ۔“

”بہت جلد بوکھلا گئے مسٹر جیگوار۔“ عمران نے اوچی آواز میں کہا۔

”تم ادل درجے کے مکار ہو۔“

”بد تیزی نہیں مسٹر جیگوار۔ ورنہ تمہیں اس کا خمیازہ بھلگتا پڑے گا۔“ عمران کا لبجہ بے حد جار جانہ تھا۔ سلواس جیرت سے آنکھیں چھاڑ کر رہ گیا۔

”میرا خیال ہے مسٹر عمران کہ تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔“ جیگوار کی آواز آئی اور عمران نے خود سے کہا۔

”تم سے پہلے بھی بہترے افراد میرے بارے میں یہی رائے ظاہر کر چکے ہیں۔ ویسے میں یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا کہ رابر ٹو والے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں چاہتا تھا کہ تم تمہیا اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ اس جزیرے میں داخل ہو جاؤ۔“

”بس اتنی سی بات! اب تم بتاؤ کہ اپنی ذہنی حالت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں مسٹر عمران۔ دراصل میں اس جزیرے کی تباہی چاہتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ عمران چوک کر پڑا۔

”ہم تمہارے ساتھیوں کو باور کر دیں گے کہ تم اس جزیرے سے فرار ہو چکے ہو۔ پھر وہ اس خیال سے جزیرے پر بمباری کر دیں گے کہ میرے ساتھی کمین گا ہوں سے نکل کر جہا گیں۔“

”لیکن اب اس جزیرے میں کوئی بھی نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔

”قطعی نہیں مسٹر عمران لیکن وہاں ایسی علامات پائی جائیں گی جن کی بناء پر یہی سوچا جاسکے گا کہ وہاں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہیں۔“

”پونڈو پونڈوزنی ہوں سے جزیرہ تباہ نہیں ہو سکے گا۔“ عمران نے کہا۔

لاڈ سپیکر سے قہقہے کی آواز آئی اور پھر جیگوار کہتا سنائی دیا۔ ”صرف ایک معمولی سا بم پورے جزیرے کو غرق کر دے گا۔ اور اتنا زبردست تمحون ہو گا مسٹر عمران کہ آس پاس کے جزیرے بھی غرق ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ مٹو کے جزیرے پر بھی پانی چڑھ جائے۔

دراصل میں اس جزیرے کو تمہیں لوگوں کے ہاتھوں جاہ کرانا چاہتا ہوں۔“

”بھلا ایک معمولی سا بم اتنے بڑے جزیرے کی غرقابی کا باعث کیوں کر ہو سکے گا۔“ عمران نے مردہ سی آواز میں سوال کیا۔

”بہت ہی خوفناک قسم کے آتش گیر مادے کا ذخیرہ اس جزیرے میں موجود ہے۔ دراصل وہی اس کی تباہی کا باعث بنے گا اور تمہارے آدمی جیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے وہ

جائیں گے۔

”اور تم اسے راز بھی رکھنا چاہو گے کہ جزیرے کی غرقابی کی اصل وجہ کیا تھی۔“
”یقیناً مسٹر عمران۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب میری رہائی ناممکن ہو گی۔“

”تم صحیح تینجے پر پہنچے ہو مسٹر عمران۔“ جیکوار کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

لائق خاصی تیز فارڈی سے سمندر کا سینہ چیرہ ہی تھی۔ سلواس پکھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”ہم سب اس خوفناک تحویج سے بچنے کے لئے بھاگ رہے ہیں جو اس جزیرے کی تباہی کے بعد برپا ہو گا۔ جلد از جلد ان پانیوں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔“

عمران طویل سانس لے کر رہا گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ ضروری نہیں کہ کوئی گارڈز

کے ہیلی کو پڑ زے سے اس جزیرے پر بمباری کی جائے۔ آخر جیکوار کس بنا پر اتنا ہے تین ہے۔ وہ

سوچتا اور چاروں طرف نظریں دوڑاتا رہا۔ آس پاس پکھ اور لائقیں بھی تھیں اور اب ان پر بھی

اپنی ہی بحری فوج کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

”اب ہم کہاں جائیں گے مسٹر سلواس۔“ عمران نے پوچھا۔

”ابھی اس سے متعلق کوئی حکم نہیں ملا۔“ سلواس نے کہا اور کیبن کی طرف مڑ گیا۔ اس

نے عمران کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ لیکن عمران اسے نظروں سے او جھل

نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی چل پڑا۔ کیبن میں پہنچ کر سلواس نے بے حد خنک لبھ میں کہا۔ ”میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ تم باہر جاؤ۔“

”میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔ باہر نہیں جاؤں گا۔“ عمران نے اس سے بھی زیادہ خشک

لہجہ اختیار کیا۔

”میا مطلب!“ سلواس آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم میرا حکم نہیں مانو گے؟“

”تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ میں تمہارا حکم مانوں گا۔“ عمران نے حقدart سے کہا۔ سلواس

مکاتاں کر اس کی طرف چھپتا ہی تھا کہ عمران نے پیغماں ابدل کر اس کی بائیں کپٹی پر ایک چاٹلا

ہاتھ رسید کر دیا۔

سلواس لیکھ رکھا کر گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ عمران نے اسی وارڈ روپ کو کھول کر چند نایاں نکالیں

جس سے پکھ دیر قبل اپنے لئے ملوس نکالے تھے اور پھر انہی نائیوں سے بیہو ش سلواس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ اتنے میں یہ بھی یاد آگیا کہ میک اپ کے سامان والے بیگ میں اوصیہ شیپ کا ایک روپ بھی موجود تھا۔ اس نے جلدی سے شیپ کا نکڑا کھانا اور سلواس کے ہونوں پر چکا دیا۔ پھر اسے تو اٹھا کر ایک آرام کری پر ڈال دیا اور خود بستر پر لیٹ کر سیئی بجانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پکھ ہوا ہی نہ ہو اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی آنکھ بھی لگ گئی۔

چنانہ سکتی دیر تک سوتا رہا۔ پھر کسی نے جھنجھوڑ کر اسے جگا دیا۔ یہ کلاراڈسکس تھی۔ عمران اٹھ بیٹھا اور فوری طور پر اس کری کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر سلواس کو ڈالا تھا۔ لیکن کری خالی نظر آئی۔ پورے کیبن میں کہیں بھی سلواس نہ دکھائی دیا۔

وہ جواب طلب نظروں سے کلاراکی طرف دیکھنے لگا۔ کلارا نے پھر رائٹنگ پیڈ اٹھایا اور اس پر پہل سے لکھنے لگی۔

”فکر نہ کرو۔ وہ اسی الماری میں بند ہے جس میں پکھ دیر قبل میں پوشیدہ تھی۔ تم نے اس سے اس قسم کا بر تاؤ کر کے میرے لئے دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔“

عمران نے اس سے پہل لے کر لکھا۔ ”میری حرکتیں اب اسی طرح بے مقصد ہوتی جائیں گی۔ ابھی تو ابتداء ہے لیکن ہم جا کھاں رہے ہیں۔“

”میں نہیں جانتی۔“ کلارا نے لکھا۔ ”پکھ دیر بعد سلواس کے آدمیوں کو اس کی جلاش ہو گی اور تم دشواری میں پڑ جاؤ گے۔“

”تم کس دن کام آؤ گی۔“ عمران نے لکھا۔

”میں تھا ہوں اور جیکوار کے ساتھ بڑی جمعیت ہے۔“ کلارا نے لکھا۔ ”لیکن تو پھر اب مجھے غرق ہو جانا چاہئے۔“ عمران نے لکھا۔

”ایسا بھی نہیں ہے۔ میں کوئی تدبیر کر دوں گی۔“ کلارا نے کہا۔

”تم نے جیکوار کی گفتگو سنی ہو گی۔ آخر وہ اس جزیرے کی جاہی کا خواہاں کیوں ہے؟“ عمران نے لکھا۔

”میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”ضروری نہیں ہے کہ کوئی گارڈز سے جزیرے پر بمباری کی حماقت سرزد ہو۔“

”بیکوار فراز ہے۔“ کلارا نے لکھا۔ ”ایس کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ میں تواب اس نتیجے پر پہنچ رہی ہوں کہ وہ ذہل امیت ہے دونوں سپر پادری کے لئے کام کر رہا ہے۔ یادوسرے الفاظ میں دونوں کو پوچھ بنا کر اپنے پیلس بیلس میں اضافہ کر رہا ہے۔“

”اور تم اپنی تنظیم کی وقار ایر ہو۔“ عمران نے لکھ کر پوچھا۔

”ابھی سک تو میں خداری کی مرحلہ نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ میں تمہاری مدد سے اسے بے نقاب کرنا چاہتی ہوں۔“

عمران نے اس بار پچھہ نہ لکھا اور اس کی آنکھوں میں گھرے احتقانے تاثرات ابھر آئے۔ کلارا اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ آخر خود اس نے لکھنا شروع کیا۔ ”سلواس کے ساتھ ایسا برناو کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کی غیر حاضری سے اس کے پانچوں ساتھی تشویش میں بیٹا ہو جائیں گے۔“

”میں انہیں بھی شکرانے لگا سکتا ہوں۔“ عمران نے لکھا۔

”لیکن میں خون خراب نہیں چاہتی۔“

”تو پھر تم عی کوئی تدبیر سوچو۔“

”تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب انہیں بھی بے ہوش رکھا جائے۔“ کلارا نے لکھا اور پھر انہیں بے ہوش کرنے کے لئے اس نے کہیں کے ایک حصے سے شراب کی دو بوتلیں برآمد کی تھیں اور ان میں کوئی اور سیال مادہ انجکٹ کیا تھا۔ عمران خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتا ہے۔ کلارا نے تحریر یہی کے ذریعے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح دونوں بوتلوں کو ان پانچوں تک پہنچا سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد عمران دونوں بوتلیں بغل میں دبائے اور آدھی بوتل باتھ میں لئے جھوٹا ہوا کہیں سے باہر آیا اور سیدھا نجخ روم میں چلا گیا۔ پانچوں یہاں موجود تھے۔ ”تم بھی بیو۔ کیپٹن بہت خوش ہے۔“ عمران نے بغل میں دبی ہوئی بوتلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سمجھی مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمران سے دونوں بوتلیں لے لی گئیں۔

عمران پھر جھوٹا ہوا کہیں میں پلٹ آیا۔

کلارا آرام کر کی پر نیم دراز تھی اسے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ عمران بے حد سخیدہ نظر

آرہا تھا۔ آدھی بوتل اس نے کپ بوزڈ پر رکھ دی اور کلارا کے سامنے بیٹھ کر اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اب کوئی نیا شعبدہ دکھانے والی ہو۔

دفتہ کلارا نے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔ ”اب یہ ضروری ہے کہ میں سلواس کی آواز میں تم سے تھوڑی سی گفتگو کر داں ورنہ مسلسل خاموشی بیکوار کو شے میں جتنا کر سکتی ہے۔“

عمران شانے سکوڑ کر رہ گیا اور کلارا ہو ہو سلواس کی آواز میں بوی۔ ”اوہ.... تم سوئے نہیں مسٹر خان! میں تو گھری نیند سو گیا تھا۔“

عمران نے تحریرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور یو کھلانے ہوئے لبھ میں بولا۔ ”مجھے اس طرح نیند نہیں آیا کرتی مسٹر سلواس۔“

”پھر بھی دن میں بھی تھوڑا بہت آرام کرنا ہی چاہئے۔“

”سب ٹھیک ہے۔ تم تو گھوڑے پیچ کر سوئے تھے۔ اب یہ بتا دو کہ اس سفر کا اختتام کب ہو گا۔ کیا ہم ابھی تک ان حدود سے نہیں نکل سکے جہاں یہ لاٹھ تھوں کا شکار ہو جائے گی۔“

”اوہ.... وہ بات تو بہت پیچھے رہ گئی۔“ جواب ملا۔ ”وہاں تو جو کچھ ہوتا تھا ہو چکا ہو گا۔“

”میں اس کی تصدیق چاہتا ہوں۔“ عمران نے کہا۔

”کیا مطلب....؟“

”میرے آدمی اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ اس جزیرے پر بہاری کر دیں۔“

”میں تصدیق کر لوں گا۔ تم بے فکر رہو مسٹر خان۔“ کلارا نے کہا۔ جرأت انگیز طور پر وہ سلواس کی آواز کی نقل کر رہی تھی۔

اس نے کاغذ پر لکھا۔ ”اب جا کر دیکھو۔ وہ پانچوں کس حال میں ہیں۔ ان کی بیہو شی کو طول دیتا پڑے گا۔“

عمران کو عرش پر چار آدمی تو بے ہوش پڑے ملے۔ لیکن پانچوں کہاں تھا؟ عمران انہیں روم کی طرف بڑھا۔ پانچوں بے ہوش دھواس لاٹھ کو چلا رہا تھا۔ اس کی پشت عمران کی طرف تھی۔ لہذا وہ چپ چاپ کیسین کی طرف پلت گیا اور کلارا کو اس کی اطلاع دی۔

”تم فکر نہ کرو۔ اسے میں دیکھ لوں گی۔“ کلارا نے رائٹنگ پیڈ پر لکھا اور کہیں کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

عمران کی آنکھوں میں عجیب سے ناثرات تھے۔ وہ آرام کر کی پر نہم دراز ہو کر نانگیں
ہلانے لگا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود بھی انہی میں سے ہو۔ آنکھوں میں ذرا برابر بھی تشویش
کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

کچھ دیر بعد ماہیکروون سے سلواس کی آواز آئی۔ ”مسٹر خان انجن روم میں آجائے۔“

عمران طویل سانس لے کر انھی بیٹھا۔ انجن روم میں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ پانچواں آدمی
بھی فرش پر اوندھا پڑا ہوا ہے۔

کلارا نے عمران کو اشارہ کیا کہ وہ پانچوں بے ہوش آدمیوں کو کیہن میں پہنچا کر اس کا دروازہ
مقفل کر دے۔ اس بیگار کو بھی بھگلتا ہی پڑا پھر وہ انجن روم میں کلارا کے قریب ہی آکھڑا ہوا۔
اور کلارا اس سے سلواس کی آواز میں گفتگو کرتی رہی۔

”مسٹر سلواس آخر اس سفر کے اختتام کی بھی کوئی صورت ہو گی یا نہیں....“

”اُحکامات پر منحصر ہے مسٹر خان۔ ہمیں اُن وقت تک چلتے رہنا ہے جب تک کہ باس کی
طرف سے کوئی نیا حکم نہ دلے۔“

عمران آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ماہیک سے ایسی آوازیں آنے لگیں
جیسے مخصوص اشاروں میں کوئی پیغام ہو۔ کلارا اسے بغور سننے لگی اور جب ان اشاروں کا سلسلہ
ختم ہو گیا تو سلواس کی آواز میں بولی۔

”بات بن گئی ہے مسٹر خان! اب مجھے منزل کا علم ہو گیا ہے۔“

”لیکن میرا کیا حشر ہو گا مسٹر سلواس۔“

”اس کا نیصلہ باس ہی کرے گا۔“

”تمہارا باس مجھے کوئی دیوانہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ تمہیں بھی ڈبوئے گا اسے یاد رکھنا۔“

”مسٹر خان!“ غصیلے لمحے میں کہا گیا۔ ”زبان کو نکام دو۔ ہم باس کے خلاف ایک لفظ بھی
نہیں سن سکتے۔“

عمران کلارا کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔ وہ بھی مسکرائی تھی۔ کچھ دور سپدھے ہی چلتے رہنے
کے بعد اس نے لانچ کارخ بائیں جانب موڑ کر نصف دارہ بنا لیا اور پھر اُسے خط مستقیم پر لے
آئی۔ رفتار میں بھی کسی قدر تیزی آئی تھی۔ عمران خاموشی سے سب کچھ دیکھا رہا۔ اُس کی

آنکھوں سے بے اطمینانی متریخ نہیں ہوتی تھی۔

دفعتاً کارا نے پھر کاغذ پر لکھنا شروع کیا۔ ”میں نے بذریعہ سکل ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا ہے
کہ ہدایت کے مطابق لانچ بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ جائے گی۔ لیکن حققتاً اب اسے اپنی کہیں گا
کی طرف لے جا رہی ہوں وہاں میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی نہ ہو گا۔“

عمران نے اس طرح سر پہلایا تھا جیسے یہ اطلاع اُس کے لئے بے حد سرسر کا باعث ثابت
ہوئی ہو۔

لانچ تیزی سے مسافت طے کرتی رہی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔

”مسٹر سلواس، کیا ہم کافی نہیں پہنچ گے۔“ عمران نے کہا۔

”ضرور۔ ضرور۔ ... لیکن میرے آدمی اس سلسلے میں بہت بد سیقت ہیں۔ اگر تم خود تکلیف
کرو مسٹر خان تو بہتر ہو گا۔ کچھ میں چلے جاؤ۔“

”اچھا... اچھا میں خود ہی دیکھتا ہوں۔“

عمران کچھ میں چلا آیا۔ کافی تیار کرنے کے دوران میں اس کی آنکھوں میں گہری تشویش
کے آثار نظر آتے رہے تھے جلد ہی وہ پھر کافی پاٹ اور پیالیوں سمتی انجن روم میں واپس آگیا۔

”اوہ مسٹر خان۔ بہت بہت شکر یہ۔“ کلارا نے سلواس کی آواز میں کہا۔ ”لیکن تم کس قدر
پریشان نظر آرہے ہو؟ کیا بات ہے؟“

”صرف ایک الجھن ہے مسٹر سلواس۔ آخر تمہارا باس مجھ سے کیا چاہتا ہے۔“

”میرا باس دشمنوں کو دوست بنانے کا ماہر ہے مسٹر خان۔ شاندہہ تمہیں دوست بنانا چاہتا
ہے۔ ورنہ تم کبھی کے غرق ہو چکے ہو تو۔“

”میری دوستی سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔“

”ان مسائل کو تو وہی جانے مسٹر خان۔ میں بھی کبھی اُس کا دشمن ہی تھا۔ لیکن اب اس کی
خدمت کرنے میں خیر محسوس کر رہا ہوں۔“

عمران نے خاموشی اختیار کر لی۔ اُدھر لانچ کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی۔ اور پھر چاروں
طرف کمل تاریکی چھا گئی۔

انجن روم میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ کلارا عمران کی طرف دیکھ کر مسکرائی لیکن کچھ

بُولی نہیں۔

پھر اس نے لائچ کا انجن بند کر دیا اور کانفر پر لکھنے لگی۔ ”میں کمین گاہ میں پہنچ گئی ہوں۔ تم عرش پر چل کر ناراج سے روشنی دکھاؤ تاکہ میں لنگر ڈال سکوں۔“

عمران انٹھ گیا۔ ایک طاقتور بر قی ناراج اس کے ہاتھ میں تھادی گئی۔ پھر منظر سی تاریک ڈوک سے لائچ جاگی تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں ڈوک پر اتر گئے اور کلارا نے ناراج عمران کے ہاتھ سے لے لی۔ ڈوک سے گزر کر وہ ایک ٹنک سے درے میں داخل ہوئے۔ کلارا بروشنی دکھ رہی تھی۔ اچانک ایک چمک بڑے بڑے پھرول کے ڈھیر سے راستہ مدد دہ ہو گیا۔

”اوہ۔ شاید یہاں اس دوران میں زلزلہ آیا تھا۔“ کلارا اپنی اصل آواز میں بولی اور عمران کے ہاتھ میں ناراج تھاتے ہوئے کہا۔ ”تم روشنی دکھاؤ۔ میں راستہ بناتی ہوں۔“

”تم راستہ بناؤ گی۔“ عمران نے حیرت سے کہا اور ناراج کا رخ پھرول کے ڈھیر کی طرف کر دیا۔ یہ پھر کئی من و زنی رہے ہوں گے۔

”ہاں۔ دیکھو کس طرح راستہ بناتی ہوں۔“ اس نے کہا اور پھرول کے ڈھیر کی طرف اپنی وہی دونوں بے ہنگم انگلیاں بڑھائیں جن کی بد نمائی کی بنا پر ہر وقت دستانہ پہنچ رہتی تھی۔

اور ان دونوں انگلیوں کے حرکت میں آتے ہی وزنی پھر اچھل کر اس طرح ایک طرف گرنے لگے جیسے وہ روئی کے گالے ہوں۔

دیکھتے ہی دیکھتے راستہ صاف ہو گیا اور کلارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”دیکھا تم نے۔ بس اسی طرح روشنی دکھاتے ہوئے میرے پیچے چلے آؤ۔“

”ہاں مجھے اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تم بھی سنگڑا ہو۔“ عمران نے کہا۔

”نہیں اس صلاحیت کا تعلق کر ٹلزے نہیں ہے۔ میں ایسی صورت میں اس مرکزی مشین سے رابطہ قائم نہیں کر سکتی جو میری کھال کو صلاحت بخشتی ہے اور میں فولاد سے گلرا سکتی ہوں۔“

”لیکنی صورت میں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ایسی صورت میں جبکہ میں جیگوار سے چھپتی پھر رہی ہوں۔ اگر میں نے اس مرکزی مشین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو میری شاندہ ہی ہو جائے گی اور جیگوار کی بدرجہ کی طرح مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔“

”تب پھر تم واپسی حیرت انگیز ہو۔“ عمران نے کہا۔

”میری یہ دونوں بد نما انگلیاں قدرتی طور پر ایسی ہیں۔ میں ان سے موٹی موٹی لوہے کی سلانیں موڑ سکتی ہوں۔“

”خطراں ک انگلیاں۔“

”ہاں تم انہیں خطراں ک بھی کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں ان سے قتل بھی کر سکتی ہوں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ درے کا اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔ کلارا دہانے میں داخل ہو گئی۔ عمران اب بھی عقب سے روشنی دکھارا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں قیام کرتا تھا۔ کلارا نے دو کیروں میں لیپٹ روشن کر دیے۔

یہاں پھر ہمیں میں نشست گاہیں تراشی گئی تھیں اور ان پر چڑی گدے پڑے ہوئے تھے۔

”تو یہ ہے تمہاری کمین گاہ۔“ عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کلارا نے ایک نشست گاہ کی طرف اشارہ کیا۔

عمران اسے بغور دیکھتا ہوا ایٹھے گیا۔

”جیگوار اگر ہاں تک پہنچ گیا تو اسے تباہ کر دے گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”ہاں تک پہنچ گیا تو کسے تباہ کر دے گا۔“

”تمہارے ایسی ری پر دسینگ پلانٹ کو۔ حالانکہ ہم سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ ہم اس کے نصب کئے جانے کی جگہ کا پتا لگا کر اپنی رپورٹ پیش کر دیں۔ لیکن وہ اسے تباہ کر دے گا۔ کیونکہ اس نے تمہارے ایک حریف ملک سے رشتہ لے لی ہے۔“

”اوہ۔ تو وہ گرین فائل ہر ٹین کا قصہ۔۔۔۔۔“ عمران نے اپنے لہجے میں بہت زیادہ حیرت پیدا کر کے سوال کیا۔

”وہ محض الجھانے والی چیز تھی۔ ہمیں تمہارے کسی بھی سیکٹ سے کوئی سروکار نہیں۔“

”سوائے ایسی ری پر دسینگ پلانٹ کے۔“

”جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔“ عمران نہ کر بولا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم جانتے ہو کہ اسے کہاں نصب کیا گیا ہے۔“

”ای غلط فہمی کی بجائے تم لوگ مجھے دوڑاتے پھر رہے ہو۔“ عمران نے کہا اور مھکہ اڑانے والے انداز میں نہ پڑا۔
”جیکوکار کو محض اسی لئے میری تلاش ہے کہ کہیں میں تم لوگوں کو اصل معاملے سے آگاہ نہ کر دوں؟ یقین کرو، اگر وہ وہاں تک پہنچ گیا تو اسے تباہ کر دے گا۔“
”اور اگر تم پہلے پہنچ گئیں تو...!“
”میں صرف اپنی رپورٹ دوں گی جس میں جگہ کی نشاندہی کی گئی ہو گی۔“
”سوال تو یہ ہے کہ اتنے دنوں کی چکر بازوں کے بعد تم اپنی پلانٹ کا قصہ نہاری ہو۔ اصلیت کیا ہے کلارڈ اسکن۔ اب میں صرف پچھی بات سنتا پسند کروں گا۔“
”اوہ.... تم تو اس انداز میں گفتگو کر رہے ہو جیسے مجھے گرفتار کر لیا ہو۔“
”بیہی سمجھ لو۔“
کلارڈ اسکن نے زور دار قہقهہ لگایا اور عمران نے کہا۔ ”تم لوگوں نے برا البا کھڑاگ پھیلایا ہے۔ اگر کسی اپنی پلانٹ کی تلاش تھی تو یہ کام بڑی خاموشی سے ہو سکتا تھا سنگڑاد وابے ہنگے سے قطعی غیر ضروری تھے۔“
”اچھا تو پھر تم کیا سمجھتے ہو۔“
”یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے ڈاکٹر فوریل کی بات ہو جائے۔“
”اس کی کیا بات کرو گے۔“ کلارانے کہا۔

”وہ محض اس مرکزی مشین کی گمراہ ہے۔ جو سنگڑادوں کو کٹرول کرتی ہے۔ چونکہ مشین کا دائرہ کار محدود ہے لہذا جہاں کہیں بھی تم لوگوں کو سنگڑاد کا شعبدہ دکھانا ہوتا ہے وہاں سے مخصوص فاصلے پر اس مشین کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ سنگڑاد کا ہنگامہ شہر میں برپا کرنا تھا اس لئے میں ڈاکٹر فوریل والا ذرا سامہ بھی کھیلا گیا۔“
”سامنے کی بات ہے۔“ کلارا پھر نہ پڑی اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ ”تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ عمران میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی۔ مجھے بتاؤ وہ پلانٹ کہاں ہے تاکہ میں اس کی حفاظت کر سکوں۔“
”اگر وہ کہیں ہے بھی تو مجھے قطعاً علم نہیں کہ کہاں ہے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان

ہنگامہ خیزیوں کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ ہمیں ازسر فور مر عوب کیا جائے۔“
”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہمارے دست گلر ممالک ہم سے بہر حال مر عوب رہتے ہیں۔“
”تمہارا ملک بھی اُن میں شامل ہے۔“
”میں اس عام مر عوبیت کی بات نہیں کر رہا۔ جس میں قرضار مبتلا ہوتے ہیں۔“ عمران نے پہلے تھکر لجھے میں کہا۔ ”یہاں بات دوسرا ہے۔ اس علاقتے کے سیاسی حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم غیر جانبدار رہیں۔ لیکن تم ان حالات میں بھی ہمیں اپنا حاشیہ بردار بنائے رکھنا چاہتے ہو۔ اس لئے تم نے سنگڑادوں کا چکر چلا چاہا۔ خصوصیت سے سلسلہ افواج کو اُن کا نمونہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔ محض یہ باور کرنے کے لئے تم ہمیں ہر طرح مجبور کر سکتے ہو۔ ایک سنگڑاد بڑے سے بڑے مورپچے کو تھا بala کر کے رکھ دے گا۔ لیکن کیا ہوا ایک سنگڑاد کا حشر تو تم دیکھیں چکی ہو۔ سنو کلارا۔ ہم من جیث القوم احسان مند تو ہو سکتے ہیں لیکن ہمیں کسی طرح کی بھی غلائی قبول نہیں۔“
”خدا کے لئے خاموش رہو۔“ کلارا ہاتھ انھا کر بولی۔ ”تم خواہ مخواہ سیاست کے میدان میں دوڑا کر رہے ہو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے اور جیکوکار کو زیادہ سے زیادہ موقع مل رہا ہے۔ پانچ آدمیوں کو اس کا علم ہے کہ اپنی ری پرو سینگ پلانٹ کہاں نصب کیا گیا ہے۔ چار تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ پانچوں تم ہو۔“
”تمہاری فراہم کردہ اطلاع غلط ہے۔ مجھے ایسے کسی پلانٹ کا علم نہیں جو دوسرے دل سے پوچھیدہ ہو۔“
”میا تم ہی ایکس ٹو نہیں ہو....؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔
اس پر عمران نے ایک بے حد زور دار قہقهہ لگایا اور اس وقت تک پشتا رہتا تھا جب تک وہ جھنجلا کر چینی نہیں تھی۔ ”خاموش رہو!“
”تم پاتیں ہی ایسی کر رہی ہو کہ آدمی پہنچتے ہیں یہو شہر ہو جائے۔“
”میں تم پر تشدید بھی کر سکتی ہوں۔“ وہ آپے سے باہر ہوئی بولی۔
”لیکن تم اس مرکزی مشین کے احاطے عمل سے باہر ہو جو تمہاری کھال کو کر سلاسل کر دیتی ہے۔“
”میری یہ دو اتفکیاں....!“

"ہمارے یہاں ایک بارہ دنیٰ گیت گایا جاتا ہے۔ جس کا موضوع ہی انگلیاں ہیں۔ مثلاً سیاں نے انگلی مردی رے۔ رام کسم شرما گئی میں.... تمہیں اتنی اردو تو آتی ہے کہ تم اس لکھمرے کا مطلب سمجھ سکو۔"

"عمران سنجیدگی اختیار کرو۔... ورنہ....!"

"تم باشی ہی ایسی کرہی ہو کہ....!"

دفعنا عمران چونک پڑا۔ اس نے متعدد قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ لیکن کلارا لاپرواہی سے بینیجی رہی اس کی آنکھوں میں تشویش کی رقم بھی نہیں تھی۔

اور پھر سلواس اپنے چاروں آدمیوں کے ساتھ اس کرے میں داخل ہوا۔ وہ سب مسلح تھے اُن کے ہاتھوں میں اٹھیں گئیں تھیں۔ وہ پانچوں پوزیشن لے کر کھڑے ہو گئے۔

"اب کیا خیال ہے مسٹر عمران۔" کلارا نے پر سکون لجھ میں کہا۔

"اب میرا خیال یہ ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو بھی دھوکا دیتی رہی ہو۔"

"کیا مطلب....؟"

"بجیکوار بھی تم خود ہی ہو۔" عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "سلواس کی آواز کی حریت انگلیز طور پر نقل اتنا ترقی رہی ہو اور میرے سامنے آجائے کے بعد سے پھر بجیکوار کی آواز نہیں آئی تھی۔"

"اب تو تمہیں مرنا ہی پڑے گا مسٹر عمران۔" کلارا بجیکوار کی آواز میں بولی اور وہ پانچوں بوکھلا کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ عمران کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے قریبی مسلح آدمی پر چھلانگ لگائی اس کی اٹھیں گن چھینتا ہوا ایک ایسی نشست گاہ کی اوٹ میں ہو گیا جو سلواس اور اس کے آدمیوں کی زد سے باہر تھی۔ یہ سب اتنا تیزی سے ہوا تھا کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

"یہ نکل کر جانپے نہ پائے۔" کلارا چیختی۔

"جائے گا کہاں.... مادام....!" سلواس کی آواز آئی۔

"ہوشیاری سے خطرناک آدمی ہے۔" کلارا نے کہا۔

عمران کی آنکھیں ہر قسم کے ہاثرات سے عاری تھیں۔ اس کے مقابل چار اٹھیں گئیں

نہیں۔ اور پھر وہ خطرناک عورت۔ جو خود ہی تنظیم کے اس دستے کی سر برہ بھی تھی۔ اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی لہر بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جو کچھ بھی ہو رہا تھا روزہ معمولات کے مطابق ہو رہا تھا۔

دفعنا کلارا کی آواز پھر آئی۔ "تم مفت میں مارے گئے عمران! ہم تمہارا ایسی رہی پرو سسٹگ پلانٹ تلاش کرہی لیں گے اور ہاں یہ بھی درست ہے کہ سنگواد محض تمہاری عسکری قوت کو مر عوب کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور تم دیکھنا کہ ہم کس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ اس علاقے کے سیاسی حالات خواہ کچھ ہوں۔ تمہاری قوم کو ہمارا حاشیہ برداز ہی بنے رہنا پڑے گا۔ تم ہمارے ایک مختصر سے دستے کے سامنے بھی بے بس ہو۔ مٹو کے جزیرے پر جملہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ تم لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔"

اس کی آواز عمران کے کانوں میں ضرور پڑ رہی تھی لیکن وہ اپنی دونوں اطراف سے غافل نہیں تھا۔ اتنی پھر تی سے دونوں اطراف میں اس نے برست مارے کہ ان کی بھی چینیں نکل گئیں جو زد پر نہیں تھے۔ سلواس کے دو آدمی چلنی ہو کر رہ گئے۔

"ہوشیاری سے۔" کلارا دہلی اور عمران نے اس کی آواز کے ٹھیک اور چھٹ پر برست مارا اور دوسرا ہی لمحے میں کلارا کی چیخ سنائی دی۔

گولیاں چھٹ سے ٹکرا کر واپسی میں اس کے سر پر پڑی تھیں وہ اپنی نشست سے ڈھلک گئی۔ پھر وہ فرش پر تڑپتی اور چھینتی رہی تھی۔ چھٹ سے پٹی ہوئی گولیاں اتنی موڑ بھی نہیں تھیں کہ فور امر جاتی۔

پھر اچاک کسی اور نے بھی اپنی گن سے برست مارا اور وہ بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر سلواس کی آواز آئی۔ "میں نے اُسے ختم کر دیا مسٹر خان! اور ہم ہمیں خود کو تمہارے حوالے کرتے ہیں۔"

"اپنی گئیں بائیں جانب اسی طرح ڈال دو کہ میں انہیں دیکھ سکوں۔" عمران کہتا ہوا پھر تی سے بیچھے ہٹا۔ آخر اس کے لئے بھی تو وہی تدبیر کی جا سکتی تھی جس کے تحت اس نے کلارا کو زخمی کیا تھا۔ لیکن وہ اندریشہ ہی ثابت ہوا کیونکہ تین اٹھیں گئیں اس کے سامنے آگزی تھیں۔

"انسانیت کے نام پر مسٹر خان۔" سلواس کی آواز آئی اور وہ ہمیں ہاتھ اٹھائے ہوئے

سامنے آگئے۔

”بالآخر انسانیت ہی کی قیمت ہوتی ہے۔“ عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کلارا مرچکی تھی۔ عمران نے سلواس سے کہا۔ ”فی الحال اسکی کی لاش بیہن پڑی رہنے دو۔ اور تم مجھے منو کے جزیرے کی طرف نے چلو۔ تم تینوں کو میں ہر حال میں بچالوں گا۔ یا اگر تم کہیں جانا چاہو گے تو منو کے جزیرے ہی سے رخصت کر دوں گا۔“

”شکریہ مسٹر خان۔ ہم سارے سیاہ قام لوگ زبردستی غلام بنائے گئے تھے اور یقین کرو کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہی عورت جیکوار ہے۔“

تھوڑی دیر بعد وہ چاروں پھر اُسی لائچ پر تھے اور لائچ کھلے سندھر میں سفر کر رہی تھی۔ نصف شب کے بعد وہ لائچ منو کے جزیرے کے ناحل پر لنگر انداز ہوئی۔ فوبی ڈوک پر آگئے لیکن لائچ پر نبوی کا نشان دیکھ کر اُن کا جارحانہ انداز محدود ہو گیا۔ کیپٹن شیم پر نظر پڑتے ہی عمران نے اُس سے سب سے پہلے اس جزیرے نے متعلق سوال کیا جہاں سے وہ خود غائب ہوا تھا۔ کیپٹن شیم نے اُسے بتایا کہ جزیرے کی تلاشی لی گئی تھی لیکن اُس پر بمباری کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کس پر بمباری کی جاتی وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

قریباً دو بجے عمران نے کرٹل فیضی سے رانسیمیر پر رابطہ قائم کر کے کہا۔ ”میں نے تنظیم کی سربراہ کو مٹھانے لگادیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس کے بغیر ساتھی کہاں ہیں۔ میں ان تک آپ کے ہجھے کی رہنمائی کروں گا۔ ڈاکٹر فوریل کو فوراً حرast میں لے لیا جائے۔ جس عمارت میں اُس کا قیام ہے اُسی میں سنگوادوں کو متحرک کرنے والی مشین بھی موجود ہے۔ اُس کا بھی خیال رکھا جائے۔ اُور....“

”لیکن آپ غائب کہاں ہو گئے تھے۔ مسٹر عمران اُور۔“ کرٹل فیضی کی آواز آئی۔

”آپ مطمئن رہئے۔ کل کسی وقت اپنی مکمل روپورث سمیت آپ سے ملاقات کروں گا۔ اُور۔“

”آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے مسٹر عمران۔ اُور....!“

”اُس مٹی کا حق تک اوکایا ہے جس نے مجھے عمران بنایا ہے۔ اچھا خدا حافظ.... اُور اینڈ آل۔“